اِبقاءُ المِنَن بِالقاءِ المِحَن

خود نوشت سوانح حیات

نواب سید محمد صدیق حسن خان علیہ الرحمۃ

تسہیل :

مولانا محمد خالد سیف

تنقیح و نظر ثانی :

قاری نعیم الحق نعیم

دار الدعوۃ السلفیۃ شیش محل روڈ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ: وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (القرآن)

ابقاء المنن بالقاء المحن

یعنی

خود نوشت سوانح حیات

نواب سید محمد صدیق حسن خان رحمہ اللہ

(۱۸۳۲ء — ۱۸۹۰ء)

تسہیل

مولانا محمد خالد سیف

رفیق ادارہ علوم اثریہ، فیصل آباد

تصحیح و نظر ثانی

قاری نعیم الحق نعیم

رفیق دار الدعوۃ السلفیہ، لاہور

ناشر:

دار الدعوۃ السلفیۃ

شیش محل روڈ، لاہور، پاکستان

سلسلہ اشاعت ۳۱

به اہتمام ——— محمد سلیمان انصاری

تسہیل وتنقیح کے ساتھ ——— طبع اول ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ / دسمبر ۱۹۸۶ء

مطبع ——— زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور

ناشر ——— دارالدعوۃ السلفیہ۔ لاہور

فہرست

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ
اس شہر کے لوگ	۲۸۶
درس کی بندش	۲۸۸
تعویذ گنڈا کرنے والوں کی یلغار	۲۸۹
اور یہ خواب سنانے والے	۲۹۲
منافقوں کا ایک گروہ	۲۹۳
اولاد کا معاملہ	۲۹۴
ہجرت کا خیال	۲۹۶
حاسدوں کی طرف سے کچھ اور تہمتیں	۲۹۸
خاتمہ	۳۰۳
حصہ دوم	۳۱۷
اضافات وملحقات	〃
ذوق مطالعہ	۳۱۹
اقتباس از سلسلۃ العسجد	〃
سفر کلکتہ	۳۲۲
بنارس	۳۲۴
کانپور	۳۲۵
بھوپال کی ثقافتی حیثیت	۳۲۶
نایاب کتابوں کے بارے میں حفاظت اور احتیاط کی تلقین	۳۲۷
حرفے از داستان ۔ از جعفر شاہ پھلواری	۳۳۵
تنبیہ۔ اقتباس از کتاب قضاء الارب من ذکر علماء النحو والادب	۳۴۳

تصدیر

☆
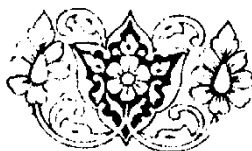
والاجاہ نواب سید صدیق حسن خان مرحوم والیٔ بھوپال کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں۔ موصوف دین و دنیا کے جامع تھے۔ اللہ تعالیٰ نے علومِ دینیہ و عربیہ کی دولتِ لازوال سے بھی بدرجۂ کمال نوازا تھا۔ جس پر ان کی تین سو سے زائد تصنیفات و تالیفات شاہدِ عدل ہیں۔ جو عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں میں ہیں۔ نیز دنیاوی شرف و جاہ سے بھی آپ کو حظِ وافر عطا کیا گیا تھا۔ جیسا کہ سب پڑھے لکھے لوگ جانتے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب نواب صاحب موصوف ہی کی خود نوشت سوانح حیات "ابقاء المنن بالقاء المحن" ہے جس کی تسہیل مولانا خالد سیف (اسلام آباد) اور تنقیح و تصحیح و نظر ثانی کا کام ہمارے فاضل رفیق مولانا حافظ قاری نعیم الحق صاحب رفیق المجلس العلمی السلفی لاہور نے حضرت الاستاذ المحترم مولانا محمد عطاء اللہ حنیف حفظہ اللہ کی خواہش اور ایما پر کی ہے جزاہما اللہ احسن الجزاء۔

نواب صاحب موصوف نے یہ کتاب بعض جلیل القدر اسلاف کے تتبع میں مرتب کی ہے۔ جیسا کہ انہوں نے آغاز میں اس کی صراحت کی ہے۔ بالخصوص شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ کی کتاب "لطائف المنن والاخلاق فی بیان وجوب التحدث بنعمۃ اللہ علی الاطلاق" ان کے پیشِ نظر رہی ہے۔ نواب صاحب مرحوم کو امام شعرانیؒ کی یہ تالیف، جس میں انہوں نے ان انعامات واحسانات

کا ذکر کیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر کئے، بڑی پسند تھی اور اس کی ضروری تلخیص بھی انہوں نے اُردو میں بنام "فتح الخلاق للطائف المنن والاخلاق" ۱۳۰۵ھ میں شائع کی تھی۔

اسی طرز اور انداز پر نواب صاحب نے اپنی سوانح حیات مرتب کی، جس میں انہوں نے انعاماتِ الٰہیہ کا ذکر بطورِ شکرِ خدا کیا ہے۔ یہ کتاب آج سے ایک صدی قبل (۱۳۰۵ھ) میں طبع ہوئی تھی۔ اب بالکل نایاب تھی۔ علاوہ ازیں اس کی اُردو بھی ایک صدی قبل کی تھی، جب کہ اُردو ابھی منّت پذیرِ شانہ تھی، جب سے اب تک اُردو کے طرزِ ادا اور تحریر و انشاء میں بھی کافی تبدیلیاں آگئی ہیں۔ اور نواب صاحب کے دور کا طرزِ تحریر و انشاء اب بالکل متروک ہو گیا ہے۔ اس لیے ضرورت تھی کہ اس انداز میں تھوڑی تبدیلی کر کے اُردو کے جدید قالب میں اسے پیش کیا جائے تاکہ طرزِ تحریر کے نامانوس ہونے کی وجہ سے اس کی افادیت متأثر نہ ہو۔

الحمد للہ نواب صاحب کی یہ خود نوشت سوانح حیات (تسہیل شدہ) اب آپ کے سامنے ہے۔ جو عوام و خواص، اہلِ علم و اہلِ دانش، اہلِ دین و اہلِ دنیا، حاکم و محکوم، علماء و طلباء اور راعی و رعایا سب کے لیے یکساں مفید اور نہایت نصیحت آموز ہے۔

اس کتاب کے حصہ دوم میں نواب صاحب سے متعلق دوسری کئی مفید اور اہم چیزیں شامل کر دی گئی ہیں۔ مثلاً نواب صاحب ہی کا خود نوشت سفرنامہ جسے جناب علیم ناصری صاحب نے اردو کا جامہ پہنایا ہے۔

۲۔ مولانا جعفر شاہ پھلواروی کا ایک مضمون، جس میں انہوں نے نواب صاحب اور ان کے ذی مرتبت خاندان کی بابت نہایت مفید اور

کارآمد معلومات فراہم کی ہیں۔

۳۔ نواب صاحب کے ایک تربیت یافتہ اور رفیقِ کار مولانا ذوالفقار احمد بھوپالی کا مضمون، جو ان کی کتاب "فقصار الارب من ذکر علماء النحو الادب" سے ماخوذ ہے۔ اس کتاب میں مولانا موصوف نے نواب صاحب کا تذکرہ بڑے والہانہ انداز سے لکھا ہے۔ اور آخر میں "تنبیہ" کے عنوان سے ایک مستشرق کے بعض الزامات کا جو اس نے حضرت نواب صاحب مرحوم پر عائد کئے تھے۔ دفعیہ کیا۔ یہ دفعیۂ الزامات بھی اس میں شامل کر دیا گیا ہے۔

۴۔ اسی طرح ایک اور صاحب نے کسی ہندوستانی اخبار میں نواب صاحب مرحوم کی خدمات اور انکی شخصیت کو مجروح کرنے کی کوشش کی تھی۔ جس کے جواب میں مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے اپنے مشہور رسالے "اشاعۃ السنۃ" میں دو مضمون تحریر فرمائے تھے۔

۱۔ نواب صاحب بھوپال اور ان کی بابرکت تالیفات۔

۲۔ مجدد۔

ان دونوں مضامین میں مولانا بٹالوی نے نواب صاحب پر عائد کردہ بعض الزامات کی وضاحت کے ساتھ ساتھ نواب صاحب مرحوم کی تصنیفی و تالیفی خدمات اور ان کی تجدیدِ علم ودین کی مساعی کو نمایاں کیا ہے۔ یہ دونوں مضامین بھی شاملِ اشاعت ہیں۔

۵۔ علامہ محمد عبدالحی الکتانی الجزائری مصنف کتاب "التراتیب الاداریۃ" کا بھی ایک اقتباس نقل کر دیا گیا ہے۔ جو ان کی کتاب "فہرس الفہارس والاثبات" سے ماخوذ ہے۔ علامہ کتانی نے اس کتاب میں نواب صاحب

اور ان کی چند تالیفات سلسلۃ العسجد وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ اور ساتھ ساتھ اس الزام کی بھی وضاحت کی ہے جو مستشرق مذکور اور ان کے دیگر بعض ہم نواؤں نے نواب صاحب پر عائد کیا ہے۔

نواب صاحب سے متعلق یہ ساری چیزیں، جو ایک قیمتی دستاویزات کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مختلف جگہوں پر بکھری ہوئی ہیں۔ اس لیے مناسب سمجھا گیا کہ انہیں بھی خود نوشت سوانح حیات میں شامل کر دیا جائے تاکہ یہ محفوظ بھی ہو جائیں اور نواب صاحب کی شخصیت اور ان کی ہمہ جہتی خدمات کا ایک سرسری خاکہ اہلِ علم کی نظر میں آجائے۔

ملحوظہ نواب صاحب کی زیرِ نظر خود نوشت سوانح کے علاوہ بھی نواب صاحب نے اپنی مختلف کتابوں میں اپنی زندگی کے جستہ جستہ واقعات اور دیگر مفید معلومات و افادات ذکر کئے ہیں۔ اہل علم کے استفادے کے لیے ان کتابوں کے نام درج ہیں۔

۱۔ مقالات الاحسان فی مقامات العرفان

۲۔ غصن البان المورق بمحسنات البیان کے آخر میں اعلان اہل الخیر بما جریات السفر والسیر (سفر نامۂ دہلی)

۳۔ تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار

۴۔ حظیرۃ القدس و ذخیرۃ الانس

۵۔ ثمار التنکیت فی شرح ابیات التثبیت

۶۔ حجج الکرامۃ فی آثار القیامۃ

۷۔ اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء المحدثین۔

۸۔ التاج المکلل من جواہر مآثر الطراز الآخر والاول

۹۔ رحلۃ الصدیق الی البیت العتیق (آخریں سفرنامہ حج)
۱۰۔ فتح الخلاق للطائف المنن والاخلاق
۱۱۔ سلسلۃ العسجد فی ذکر مشائخ السند
۱۲۔ قرۃ الاعیان ومسرۃ الاذہان
۱۳۔ الفرع النامی من الاصل السامی
۱۴۔ المقالۃ الفصیحۃ فی الوصیۃ والنصیحۃ
۱۵۔ وصیت نامہ ابوالوفا رتوفیق

چند سال قبل بھوپال میں ایک خاتون۔ رضیہ حامد۔ نے نواب صاحب کی شخصیت اور خدمات پر مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔ یہ مقالہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے مقدمے کے ساتھ کتابی شکل میں بنام "نواب صدیق حسن خاں" بھوپال سے شائع ہوگیا ہے۔

ان کے علاوہ نواب صاحب کے صاحبزادۂ گرامی قدر ابونصر، سید محمد علی حسن خاں طاہر (متوفی نومبر ۱۹۳۶ء) نے اپنے والد گرامی حضرت والا جاہ نواب سید صدیق حسن خاں کی سوانح "مآثر صدیقی" کے نام سے لکھی تھی، جس کے چار حصے آج سے نصف صدی قبل مطبع نول کشور لکھنؤ (ہند) سے شائع ہوئے تھے۔ اس کے بقیہ اجزاء کہاں تک لکھے گئے تھے؟ اور وہ شائع کیوں نہیں ہوئے؟ اور وہ اب کہیں محفوظ بھی ہیں یا نہیں؟ اس کی بابت پاک و ہند میں موجود نواب صاحب کے اہل خاندان ہی کچھ بتا سکتے ہیں۔ تاہم یہ بات واضح ہے کہ مآثر صدیقی" مکمل طور پر شائع نہیں ہوسکی۔

اس کی تائید مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کے اس ادارتی نوٹ سے بھی

ہوئی ہے جو انہوں نے ماہنامہ "معارف" میں "تذکرہ طاہر" یعنی سوانح خود نوشت حسام الملک نواب سید محمد علی حسن خاں طاہر مرحوم۔ کی اشاعت کے وقت آغاز میں بایں الفاظ تحریر فرمایا تھا۔

"نواب سید محمد علی حسن خاں مرحوم کی وفات سے جو صدمہ علم و فن کو پہنچا ہے، وہ اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں۔ مرحوم نے اپنے والد ماجد کی جو مفصل سوانح عمری "مآثرِ صدیقی" کے نام سے لکھی ہے اس کا اخیر حصہ اُن کی اولاد اور اولاد کی اولاد کے حال میں لکھا تھا۔ اس حصے سے ان کی یہ خود نوشت سوانح عمری شائع کی جا رہی ہے۔"

(ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ۔ جنوری ۱۹۳۷ء)

اس "تذکرۂ طاہر" کی ۲ قسطیں "معارف" (جنوری تا جون ۱۹۳۷ء) میں شائع ہوئی تھیں۔

ضرورت ہے کہ اس "تذکرۂ طاہر" اور اس کے بقیہ اجزا (بھی اگر وہ کہیں محفوظ ہوں تو) تلاش کر کے شائع کئے جائیں تاکہ اس ذی مرتبت خاندان کے پورے حالات تاریخ میں محفوظ ہو جائیں۔

اسی سلسلے کی یہ کتاب بھی ہے جو اس وقت قارئینِ کرام کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کی اہمیت اس لحاظ سے سب سے زیادہ ہے کہ یہ خود نواب صاحب کے گوہر بار قلم سے ہے۔ جس میں نواب صاحب نے بڑے عبرت آموز انداز میں ابتلا و محن کا ذکر بھی کیا ہے۔ اور احسانات و انعاماتِ الٰہی کا بھی۔ یہ دونوں چیزیں نواب صاحب نے بقولِ غالب

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا

کے سے دلچسپ پیرائے میں بیان کی ہیں۔

بہرحال اہلِ علم واہلِ ذوق کے لیے یہ خودنوشت سوانح عبرتوں کا مرقع بھی ہے اور حقائق وواقعات کا گلدستہ بھی۔ علم وعرفان کا گنجینہ بھی ہے اور مفید نصائح کا خزینہ بھی۔

اللّٰھم اجعلنا ممن یتعظ بہ ویتبعون احسنہ۔ آمین

(حافظ) صلاح الدین یوسف
رفیق المجلس العلمی السلفی
دار الدعوۃ السلفیہ ۔۔ لاہور

ربیع الاوّل ۱۴۰۷ھ
نومبر ۱۹۸۶ء

ابقاء المنن بالقاء المحن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی مِنَنِہٖ وَنِعَمِہٖ وَنَوَالِہٖ زُھَاءَ جَلَالِہٖ وَجَمَالِہٖ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدِنِ الَّذِیْ بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ وَحَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ وَعَلٰی صَحْبِہٖ وَاٰلِہٖ وَمَنْ عَلٰی مِنْوَالِہٖ۔

یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس میں ان انعامات کا تذکرہ کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فرمائے ہیں۔ اس رسالہ کی تصنیف کا سبب دو امر ہیں۔

اول منعمِ حقیقی کا شکر بجا لانا مقصود ہے، اگرچہ مجھ میں یا کسی بھی بشر میں یہ طاقت نہیں کہ اس سے عہدہ برآ ہو سکے۔ ہاں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اس فریضہ سے یقیناً عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کے حق میں فرمایا۔

اِنَّہٗ کَانَ عَبْدًا شَکُوْرًا[1] بے شک وہ شکر گزار بندہ تھا۔

دوم اپنے متعلق لوگوں کے بعض اوہام کا ازالہ مطلوب ہے۔ کیونکہ ہر انسان کو اپنے متعلق جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یقینی ہوتا ہے۔ اور جو کوئی دوسرا بیان کرتا ہے وہ ظنی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ[2] بلکہ انسان کو اپنے آپ کا خوب پتہ ہے اگرچہ کتنے عذر پیش کرتا رہے۔

---

[1] بنی اسرائیل : ۳ [2] سورۃ القیامہ آیت ۱۴

اور حدیث میں آیا ہے۔

"فَلْيَقُلْ أَحْسِبُهُ كَذَا أَوْ أَظُنُّهُ كَذَا وَلَا يُزَكِّي عَلَى اللّٰهِ أَحَدًا هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَى"[1]

پس انسان کو دوسرے کے بارے میں یہ کہنا چاہیئے کہ میں اسے ایسا خیال یا گمان کرتا ہوں اور اسے اللہ کے بارے میں کسی کی (یقینی) صفائی نہیں پیش کرنی چاہیئے۔ وہ خود ہی زیادہ جانتا ہے کہ کون متقی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو جس کام کے لیے بنایا ہے خواہ وہ خیر ہو یا شر، وہ اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔

"كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ"[2]

قرآن مجید میں بھی ارشاد فرمایا گیا۔

فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى[3]

پس جس نے (اللہ کی راہ میں مال) دیا اور پرہیزگاری کی اور نیک بات کی تصدیق کی پس ہم اسے آسانی (کی راہ) کی توفیق دینگے اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا رہا اور نیک بات کی تکذیب کی پس ہم اسے تنگی (کی راہ) کی توفیق دیں گے۔

غرضیکہ ہر انسان کا حال یسر و عسر اور آسائش و تنگی ہی پر منحصر ہے؛

"فريق في الجنة وفريق في السعير"

جو انسان اپنے آپ کو منعمِ حقیقی کی نوازشات سے مشرف اور اخلاقِ حسنہ سے

---

[1] متفق علیہ

[2] متفق علیہ

[3] الیل: ۵ تا ۱۰

متصف پائے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بقدر استطاعت واجب ہے۔ اور توقع ہے کہ اگر وہ شکر بجالائے تو اللہ تعالیٰ اپنی نوازشات میں اضافہ فرما دے گا جیسا کہ ارشاد فرمایا:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ	البتہ اگر تم شکر کرو گے تو میں یقیناً تمہیں زیادہ دوں گا
كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ [1]	اور اگر ناشکری کرو گے تو بلاشبہ میرا عذاب سخت ہے

معلوم ہوا کہ جس طرح شکر سے نعمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے، اسی طرح کفرانِ نعمت سے عذاب کی شدت میں اضافہ ہو گا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے بغیر میرے استحقاق کے مجھ پر بے شمار نوازشات فرمائیں اور مجھے اخلاقِ حسنہ سے متصف فرمایا۔ اس لیے مجھ پر فرض ہے کہ میں ہمیشہ اس کا شکر بجالاتا رہوں۔ زبان سے شکر اسی وقت تک ادا کیا جا سکتا ہے جب تک انسان بقیدِ حیات ہو، لیکن جو شکر کتابی صورت میں لکھ کر کیا جائے اس کا اثر باقی رہتا ہے اور کتاب شاکر کی وفات کے بعد بھی، گویا اس کے نائب کی حیثیت سے شکر ادا کرتی رہتی ہے۔

فیکون کالنائب فی العلم والعمل وکأن ذلک الشاکر لم یمت

یعنی شکر گزار اگرچہ فوت ہو جاتا ہے، تاہم وہ کتاب علم و عمل میں اسکے قائم مقام رہتی ہے۔"

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے سے ایک فائدہ یہ بھی ہو گا کہ ہم عصر لوگ جب میرے علم و عمل سے آگاہ ہوں گے تو ان میں سے خدا کی توفیق جن کے شاملِ حال ہو گی۔ میری طرح کتبِ شریعت کے حفظ کی اور اخلاقِ حسنہ کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں گے، کیونکہ دین وہی ہے جو قرآن و حدیث کے سنہری حروف میں لکھا ہوا ہے۔ اسی وجہ سے سلف صالحین میں سے ایک جماعت نے تحدیثِ نعمت کے طور پر اپنے حالات خود سپردِ قلم فرمائے ہیں۔ مثلاً حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اور ان کے تلمیذِ رشید علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ۔

---

[1] ابراہیم : ۷

اس موضوع پر شیخ عبدالوہاب شعرانی رح کی "منن کبریٰ" ایک مشہور و مبسوط کتاب ہے۔ جس میں آپ نے بہت سے خود نوشت سوانح حیات لکھنے والے اہل علم کا ذکر کیا ہے۔ اس رسالہ میں انہی کی اقتدا کی گئی ہے۔ فبھداہم اقتدہ۔ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں۔

إِنَّمَا ذَكَرْتُ مَنَاقِبِيْ إِقْتِدَاءً بِالسَّلَفِ الصَّالِحِ وَتَحَدُّثًا بِنِعْمَةِ اللّٰهِ لَا افْتِخَارًا عَلَى الْأَقْرَانِ وَلَا طَلَبًا لِلدُّنْيَا وَمَنَاصِبِهَا وَجَاهِهَا وَأَيُّ قَدْرٍ لِلدُّنْيَا حَتّٰى يُطْلَبَ تَحْصِيْلُهَا بِمَا فِيْهِ ذَهَابُ الدِّيْنِ وَاللَّعْنَةُ وَالطَّرْدُ عَنْ حَضْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَقَدْ ظَهَرَ شَيْبِيْ وَمَضٰى أَطْيَبُ عُمْرِيْ وَعَيْشِيْ وَدَنٰى رَحِيْلِيْ [1] انتھی حاصلہ

میں نے سلف صالح کی اقتدا اور تحدیثِ نعمت کے پیشِ نظر اپنے فضائل ذکر کئے ہیں اس سے ہم عصروں پر افتخار، طلبِ دنیا یا حُبِ جاہ و منصب مقصود نہیں۔ دُنیا کی قیمت ہی کیا ہے کہ اسے طلب کیا جائے۔ جب کہ اس میں دین کا نقصان، خدا کی پھٹکار اور اللہ سے دوری ہے اور پھر خصوصاً جبکہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں، عمر کا خوشگوار حصّہ بسر ہو چکا ہے۔ اور کوچ کرنے کا وقت قریب آ چکا ہے۔

میں بھی بقول علامہ سیوطیؒ یہی کہتا ہوں کہ میرا مقصود انعامات و احسانات کے ذکر سے ہم عصروں پر فخر نہیں بلکہ نعمتِ الٰہی کے شکر کا اظہار میرے پیش نظر ہے۔ طلبِ دُنیا میرے لیے تحصیلِ حاصل ہے، منصب اور جاہِ دنیا میرے کسی ذاتی و اضافی استحقاق کے بغیر اللہ تعالیٰ نے مجھے میرے حوصلہ سے بھی زیادہ بخشا ہے، عمر کی بھی پچپن ۵۵ بہاریں گزر چکی ہیں۔ شباب گیا، بڑھاپا آیا، بال سفید ہو گئے، دانت گر گئے، ناتوانی کا ہجوم ہے۔ اور سفرِ آخرت کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ یہ جھوٹ بولنے اور فخر

---

[1] التحدث بالنعمۃ۔

کرنے کا کون سا وقت ہے؟ محو و اثبات کا مجھے علم نہیں۔

"يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ"[1]

میں نے جو یہ چند کلمات لکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر حسنِ ظن کے باعث لکھے ہیں کہ اس نے مجھے جو یہ مال و کمال عنایت فرمایا ہے سو اہلِ کرم کی طرح مجھ سے سلب نہیں کرے گا۔ جب کہ وہ سب سے بڑا صاحبِ کرم ہے۔ بلکہ میرا خاتمہ بخیر کرے گا۔ اگرچہ میں خسف کے لائق ہوں اور میرے حسنِ ظن کی وجہ خدا کا وہ ارشاد ہے جو ایک حدیث قدسی میں آیا ہے:

"میں اپنے بندے کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا وہ میرے بارے میں گمان کرتا ہے" حدیث شریف میں آیا ہے کہ:

"ایک شخص ساری عمر اہلِ نار کے سے عمل کرتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر کتابِ ازل سبقت کرتی ہے۔ اور مرنے سے پہلے وہ اہلِ جنت جیسا کوئی کام کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے وبالعکس"[2]

ہر چند کہ تکلیفِ شرعی کے ابتداءِ وجود سے آج تک میری دانست کے مطابق میرا کوئی ایسا عمل نہیں جس کو میں لائقِ قبول سمجھوں۔ لیکن اللہ کی رحمت سے ناامیدی کفر ہے۔ میں اللہ کا بندہ ہوں، اگرچہ کبائر میں آگندہ ہوں۔ اور اپنے گناہوں سے شرمندہ لیکن اس کے رسول ؐ کی اُمت سے ہوں ؎

گر نرفتم طریقِ سنّتِ تو!
ہستم از عاصیانِ امتِ تو

اِس لیے اس کی رحمتِ عامہ سے مایوس نہیں ہوتا ہوں ؏

ناامید از رحمتِ شیطان بود

---

[1] الرعد: ۳۹ [2] متفق علیہ

امام شعرانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ[1] اپنے کسی بندہ سے علوم و معارف کو سلب نہیں کرتا بلکہ وہ چیز جو مسلوب ہو جاتی ہے حال ہے۔ کیونکہ اس کا ایک حال سے دوسرے حال کی طرف انتقال بہت جلد ہوا کرتا ہے۔

ونعوذ باللہ من الحور بعد الکور۔

بہر حال تحدیثِ نعمت میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ نعمت طویل عرصہ تک بندہ پر مکرر سہ کر رہو تی رہے بلکہ اتنا ہی کافی ہے کہ بندہ اس سے منتفع ہوا ہو، اگرچہ عمر بھر میں صرف ایک لحظہ کے لیے ہی ہوا ہو۔ امام شعرانیؒ فرماتے ہیں۔

فَمَنْ تَخَلَّقَ بِخُلُقٍ وَلَوْ لَحْظَةً صَارَ مِنْ اَهْلِ ذٰلِكَ الْخُلُقِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ فَاِذَا قَالَ اَعْطَانِيَ اللّٰهُ كَذَا وَكَذَا فَقَدْ صَدَقَ ۔

جس کو کوئی نعمت نصیب ہوئی، خواہ ایک لحظہ کے لیے ہی ہوئی ہو وہ ہر حال میں اس نعمت کے اعتبار سے منعم علیہ لوگوں میں شمار ہوتا ہے اس لیے جب وہ یہ کہے کہ اللہ نے مجھے یہ کچھ دیا تو اس نے سچ کہا۔

آدمی جب اپنے کمالات کو یاد کرتا ہے تو اس کے دل سے بہت سا شکر صادر ہوتا ہے اور جب اپنے نقائص کو یاد کرتا ہے تو وہ قلیل الشکر ہوتا ہے۔ اس لیے اصل بات یہی ہے کہ محاسن ہر وقت سامنے رہیں۔ اور نقائص صرف اس وجہ سے مدِ نظر رہنے چاہئیں تاکہ انسان اپنے نفس ہی پر اترانا نہ رہے۔

میرا مقصد بھی اپنے اخلاق کے ذکر سے شکرِ الٰہی کا اعلان ہے۔ فخر وغیرہ ہرگز نہیں اور اگر کہیں اپنے متعلق کچھ مدح ہو تو وہ اصلاً مقصود نہیں۔ اس لیے کہ وہ نہ مطابقت ہے نہ تضمن۔ بلکہ لازم ہے، اور لازم مذہب علماء اصول کے راجح قول کے مطابق

---

[1] لطائف المنن للشعرانی۔

مذہب نہیں ہوتا۔ غرضیکہ جب میں یہ کہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ انعام کیا یا نوازش فرمائی۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا اعلان کرتا ہوں۔ اس سے یہ ہرگز مقصد نہیں کہ وہ انعام مجھے اپنی طاقت یا کسی استحقاق سے نصیب ہوا ہے۔ معاذ اللہ من ذالک۔

میں نے اس رسالہ کا نام "ابقار المنن بالقار المحن" رکھا ہے۔ اور اس میں کتاب "منن کبریٰ" کا اسلوب اختیار کیا ہے۔ اور بعض جگہ احادیث کا بھی کچھ اضافہ کیا ہے اپنے حال وقال کی مناسبت کو ہر جگہ ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ اس لیے کہ ہر کوئی اپنے ڈھب پر کام کرتا ہے۔

"قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ فَرَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ أَهْدَىٰ سَبِيلًا[1]۔ وانی واللہ ثم واللہ ثم واللہ اری نفسی تدا۔ قت الخسف بی من سنین لولا فضل اللہ وحلمہ علیّ ولا اری احدًا علی وجہ الارض اکثر اقتحامًا للمعاصی منی ولا اقل حیاء منی وکثیرًا ما اتہم ان جمیع ما یقع علی ھذا البلد وقراھا من البلاء انما ھو بسبب ذنوبی وحدی وان ذنوب غیری کلھا مغفورۃ لا اتعقل غیر ذلک۔

شیطان کے وسوسہ سے نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اگر صبح کے وقت حلِ ایمان کی حالت پر ہوتا ہے تو شام کو کفر کا خطرہ دامن گیر ہو جاتا ہے۔ اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے۔ ان خطرات کے تسلسل کا تقاضا خسف یا مسخ ہے۔ لیکن اللہ کے حلم رحم اور کرم کے قربان جایئے کہ اس نے مجھے نہ خسف کیا اور نہ مسخ، بلکہ بدستور نوازشات سے سرفراز فرمائے رکھا۔ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ۔

[1] بنی اسرائیل: ۸۴

وَلَوْ أَنَّ لِي فِي كُلِّ مَنْبَتِ شَعْرَةٍ
لِسَانًا لَمَا اسْتَوْفَيْتُ وَاجِبَ حَمْدِهٖ

بخدا! اللہ تعالیٰ نے مجھ ظلوم و جہول پر یوم ولادت سے اس وقت تک جو احسان اور انعام فرمائے ہیں۔ وہ حیطۂ شمار میں نہیں آسکتے۔ اسی طرح مجھ سے ظاہری و باطنی طور پر جن جن معاصی کا ارتکاب ہوا ہے وہ بھی بے حد و شمار ہیں۔ دل میں گزرنے والے ہر خیال کو دیکھوں تو محسوس ہوتا ہے کہ ابھی پھٹکارا اور لعنت کا مستحق ٹھہرا۔ لیکن اللہ کی رحمت مجھے نا اُمید نہیں ہونے دیتی۔ کیونکہ میں مسلمان ہوں اور میرے والدین بھی مسلمان تھے ورنہ میں خسف و مسخ اور ہمیشہ دوزخ میں رہنے کا مستحق ہوں۔

اس لیے تو میں ہر وقت عذابِ الٰہی سے ڈرتا ہوں۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ نے میرے لیے نجات مقدر کر رکھی ہے تو میرا یہ سارا کفر و ضلالت موت سے قبل، حسنِ خاتمہ کے باعث انشاء اللہ ختم ہو جائے گا۔ اور اگر خدانخواستہ قلمِ تقدیر نے کچھ اور لکھا ہے تو علم و عمل میں خواہ وحیدِ دہر اور فریدِ عصر کیوں نہ بن جاؤں تو بھی یہ فضائل میرے کسی کام نہ آئیں گے۔ اِس لیے میرا دل چاہتا ہے کہ میں وہ کام کروں جو میرے معبود وحدہٗ لا شریک کو پسند ہوں اور شیطان کو خوش کرنے والے اُمور سے اپنے دامن کو آلودہ نہ ہونے دوں۔ کیونکہ اچھا اور بُرا عمل نیک بختی اور بدبختی کا میزان ہے۔ وما توفیقی إلا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

مقدّمہ

حضرت علی خواص ؒ نے فرمایا ہے کہ اعمال کے اظہار و اخفار کے اعتبار سے لوگوں کی کئی قسمیں ہیں۔

اوّل وہ جن کا ظاہر، باطن سے بہتر ہے۔

دوم جن کا ظاہر و باطن یکساں ہے۔

سوم جن کا باطن خیر میں علانیت کی نسبت راجح ہے۔

چہارم جو ان سب اقسام سے غائب ہیں۔ مؤخرالذکر کے علاوہ پہلی تین قسموں میں ترجیح کے واضح ہونے کے باعث ریاکاری کا اندیشہ ہوتا ہے۔ مشائخ کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص اخلاص کا اظہار کرتا ہے، اس کا اخلاص ابھی تک محتاج اخلاص ہے قیامت کے دن تو صرف اسی شخص کی میزان وزنی ہوگی۔ جو اپنے آپ کو اس بار بردار جانور کی طرح سمجھتا ہے جس کو معلوم نہیں کہ اس کی پشت پر سامان نفیس ہے یا خسیس۔ جب کسی انسان کو کشف و یقین سے یہ معلوم ہو جائے کہ میں سزاوار عقوبت ہوں، اور میرے ان سارے کمالات میں سے کوئی چیز بھی میری نہیں بلکہ میرے آقا نے یہ سب میرے پاس مستعار رکھے ہیں۔ اسے سب کے سامنے تحدیث نعمت جائز ہے کیونکہ وہ اپنے آپ کو کسی دوسرے سے بہتر نہیں سمجھتا۔ واللہ! میں دنیا و آخرت میں اپنے نفس اللہ

کے کسی فضل کا مستحق نہیں پاتا۔ میں تو روئے زمین کے تمام عاصیوں کے پیچھے کھڑا ہونے کا مستحق ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کم عقلی، عدمِ توانائی کے باوجود بغیر اسباب کے ہزارہا لوگوں سے زیادہ جاہ و مال عنایت فرما رکھا ہے۔ اور بہت سے عقل و شعور اور فہم و دانش مندی کے بلند مراتب پر فائز لوگ حاجت کے باوصف ان سے محروم ہیں۔ تو یہ اللہ پاک کا مجھ پر احسانِ عظیم اور انعام عمیم نہیں تو اور کیا ہے کہ مستحق تو محروم ہیں اور غیر مستحق حد سے زیادہ خوش حال۔ مجھے زیادہ خدشہ اس بات کا ہے، کہ اللہ تعالیٰ دنیا تو دوست دشمن دونوں کو دیتا ہے۔ لیکن دین کی دولت سے صرف اپنے دوستوں ہی کو نوازتا ہے۔ اس لیے دنیا دار اور مالدار کو کبھی یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ مجھے دنیا میں عزت و جاہ نصیب ہوئی ہے تو میں اللہ کو بھی عزیز ہوں اور آخرت میں بھی مجھے عزت نصیب ہوگی۔ اور یہ بھی نہیں سمجھنا چاہیئے کہ جو لوگ یہاں دنیا میں فقیر اور حقیر ہیں، اللہ کے ہاں بھی ان کی کوئی عزت نہیں ہے۔ ورنہ وہ یوں خوار اور محتاج نہ ہوتے۔ کیونکہ آخرت دنیا کی سوند ہے۔ وہاں کے معاملات یہاں کے معاملات سے برعکس ہوں گے۔ ممکن ہے کہ دنیا کے اغنیار و ملوک آخرت میں غلام و کنیز سے بھی بدتر ہوں۔ اور یہاں کے فقراء وہاں کے سلاطین بن جائیں، بلکہ یہاں کے ایماندار اغنیار بھی فقراء سے پانچ سو برس بعد جنت میں جائیں گے۔ اس سے آپ ان مالداروں اور دنیا کے پجاریوں کا اندازہ لگا لیجیے جو محض دنیا کی خاطر جیتے ہیں۔ اور آخرت سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔ ان کا ٹھکانا یقیناً جہنم ہوگا۔ نعوذ باللہ من غضب اللہ!

احسانات خداوندی

حسب ونسب میں شریف النسب ہوں۔ لیکن یاد رہے کہ تقویٰ کے بغیر یہ شرف قطعاً نفع بخش نہیں ہے۔ امام شعرانی رحمہ اللہ نے اپنا شجرۂ نسب محمد بن الحنفیہ بن الامام علی رضہ بن ابی طالب تک ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

"مِمَّا مَنَّ اللّٰهُ بِهٖ عَلَيَّ شَرَفُ نَسَبِیْ" [1]

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر جو احسان فرمائے ہیں ان میں سے ایک شرفِ نسب بھی ہے۔

نیز انہوں نے لکھا ہے کہ میرے جدِ پنجم سلطان تلمسان تھے۔ اسی طرح میں بھی یہاں اپنا شجرۂ نسب حضرت سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک سپردِ قلم کرتا ہوں۔ اگرچہ قبل ازیں اپنی کتاب "فرع" نامی میں لکھ چکا ہوں۔ اور اس کتاب میں ہر نام کا مختصر تعارف بھی کرا چکا ہوں تاہم یہاں بھی شجرۂ نسب لکھتا ہوں، اور صرف اسمار کے ذکر کر دینے پر ہی اکتفا کرتا ہوں، چنانچہ میرا سلسلۂ نسب حسب ذیل ہے:

"صدیق بن حسن بن علی بن لطف اللہ بن عزیز اللہ بن لطف علی بن علی اصغر بن سید کبیر بن تاج الدین بن جلال رابع بن سید

[1] لطائف المنن للشعرانی۔

را جو شہید بن سید جلال ثالث بن حامد کبیر بن ناصر الدین محمود بن جلال الدین بخاری معروف بمخدوم جہانیاں جہاں گشت بن احمد کبیر بن جلال اعظم گل سرخ بن علی موید بن جعفر بن احمد بن محمد بن عبداللہ بن علی اشقر بن جعفر زکی بن علی نقی بن محمد تقی بن علی رضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق بن محمد باقر بن علی زین العابدین بن حسین سبط بن فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔"

گویا میرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین تینتیس ۳۳ نفوس کا واسطہ ہے۔ اور ان میں سے آٹھ ائمہ اہل بیت ہیں، جن کا شمار ائمہ اثنا عشریں میں ہوتا ہے۔ پھر جعفر زکی سے لے کر جناب مخدوم جہانیاں بلکہ جلال رابع تک غالباً تمام اولیاء و صلحاء تھے۔ اور سید تاج الدین سے لے کر جد امجد علی بن لطف اللہ تک تمام اہل دولت ہوئے ہیں۔ میرے دادا جو سید اولاد علی خاں کے نام سے مشہور ہیں، انہیں ریاست حیدر آباد دکن سے نواب انور جنگ بہادر کا خطاب ملا تھا، اور وہ پانچ لاکھ روپیہ سالانہ کا علاقہ اور ایک ہزار سوار و پیادہ رکھتے تھے۔ میرے نانا مفتی محمد عوض ساکن بانس بریلی عالم، عارف باللہ، صحیح النسب قریشی اور خلیفہ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ ان کا اپنی جگہ مضبوط نسب نامہ ہے۔ آصف الدولہ والی اودھ ان کو نذر دکھلاتے تھے۔

میرے والد سید اولاد حسن رحمہ اللہ نے شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہما سے علم حاصل کیا۔ شاہ عبدالقادر صاحبِ موضح القرآن کو دیکھا اور شاہ عبدالعزیزؒ کے خلیفہ حضرت سید احمدؒ ساکن رائے بریلی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ عالم باعمل تھے۔ کلکتہ سے لاہور اور شمال سے دکن تک کے اکثر علماء و امراء آپ سے واقف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے نصائح میں نہایت اثر

ودیعت فرمایا ہوا تھا۔ چنانچہ قنوج و اطراف قنوج کے دس ہزار سے زیادہ آدمی ان کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جن میں اہلِ حرفت کی اکثریت ہے۔ اور باقی شیخ، سید، مغل اور پٹھان ہیں۔

ولادت میں ۱۹ر جمادی الاولیٰ ۱۲۴۸ھ میں پیدا ہوا۔ ابھی چار پانچ برس ہی کا تھا کہ ۱۲۵۳ھ میں والد ماجد اللہ کو پیارے ہو گئے، اور والدہ محترمہ نے پرورش کی۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ تَوَالَدَا وَارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیَانِیْ صَغِیْرًا۔

شرافتِ نسب میں نے اپنے نسب کو جو شریف لکھا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کو تطہیر کی بشارت دی ہے۔ اور انسان کا سب سے بڑا شرف یہی ہے کہ وہ مطہر ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضہ سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بوقتِ صبح باہر تشریف لائے۔ اس وقت سیاہ بالوں کا منقش کمبل زیبِ تن تھا۔ اتنے میں حضرت حسنؓ بن علی رضہ آئے۔ آپؐ نے ان کو کمبل میں چھپا لیا۔ پھر حسینؓ آئے، آپؐ نے ان کو بھی حضرت حسنؓ کے ہمراہ کر لیا۔ پھر حضرت فاطمہ رضہ آئیں انہیں بھی اور پھر حضرت علی رضہ آئے تو انہیں بھی اس کمبل میں داخل کر لیا، اور فرمایا:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا۔	اے اہلِ بیت اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی دور کر دے اور تمہیں بالکل پاک صاف کر دے۔

اس حدیث میں گویا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ چاروں اور ان کی اولاد قرآن مجید کی نص کے ساتھ اہلِ بیت کے نام سے موسوم ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضہ

سے روایت ہے کہ جب آیت شریفہ "ندع ابناءنا وابناءکم" نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ، حضرت فاطمہ رضؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو بلا کر فرمایا:

اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِی [1] — اے اللہ! یہ میرے اہلِ بیت ہیں۔

اِس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہ رضؓ کی اولاد کا اہلِ بیت ہونا کتاب وسنّت کی نصوص سے ثابت ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ایک طویل حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یَا فَاطِمَۃُ اَلَا تَرْضَیْنَ اَنْ تَکُوْنِیْ سَیِّدَۃَ نِسَاءِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ اَوْ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِیْنَ [2] — اے فاطمہ رضؓ! تو اس بات سے خوش نہیں کہ تو اہلِ جنّت کی عورتوں یا (آپ نے یہ فرمایا کہ) مومنوں کی عورتوں کی سردار ہو جائے۔

مسور بن مخرمہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

فَاطِمَۃُ بَضْعَۃٌ مِّنِّیْ فَمَنْ اَغْضَبَھَا اَغْضَبَنِیْ [3] — فاطمہ رضؓ میرا ٹکڑا ہے جو اسے ناراض کرے اس نے گویا مجھے ناراض کر دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ ایک دن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نکلا تو آپ حضرت فاطمہ رضؓ کے حجرہ میں تشریف لے آئے اور فرمایا کیا یہاں لکع ہے؟ کیا یہاں لکع ہے؟ لکع کے معنی ہیں چھوٹا بچہ، اور آپ کی مراد حضرت حسن رضؓ سے تھی۔ اچانک وہ بھی دوڑتے ہوئے آ گئے تو آپ نے ان کو گلے لگا لیا۔ پھر فرمایا:

---

[1] رواہ مسلم [2] متفق علیہ

[3] متفق علیہ

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْۤ اُحِبُّهٗ فَاَحِبَّهٗ وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّهٗ [1]

اے اللہ! میں اس سے محبّت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبّت کر اور جو اس سے محبت کرے اس سے بھی محبت کر۔

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اہل بیت کے حق میں دُعا ہے۔ حضرت اسامہؓ بن زید سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی کام کی غرض سے آیا۔ آپؐ جب باہر تشریف لائے تو آپؐ نے کچھ اُٹھا رکھا تھا۔ مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کیا ہے۔ جب میں اپنے کام سے فارغ ہوا تو عرض کی حضور! آپؐ کیا اُٹھائے ہوئے ہیں۔ آپؐ نے کپڑا کھولا تو حسنؓ و حسینؓ آپؐ کے زانو پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا:

هٰذَانِ اَبْنَایَ وَابْنَا ابْنَتِیْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْۤ اُحِبُّهُمَا فَاَحِبَّهُمَا وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّهُمَا [2]

یہ دونوں میرے بیٹے ہیں (میری بیٹی کے لخت جگر ہیں) اے اللہ میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر اور جو ان سے محبت رکھے اس سے بھی محبت فرما۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہؓ کی اولاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہے۔ اگرچہ اولادِ دختر اپنی اولاد نہیں ہوتی۔ لیکن یہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔

حضرت انسؓ سے مرفوع روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ:

اَیُّ اَهْلِ بَیْتِكَ اَحَبُّ

آپ کو اپنے اہل بیت میں سب سے زیادہ

---

[1] متفق علیہ [2] رواہ الترمذی۔

محبوب کون ہے؟

آپ نے فرمایا:

اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ [1] حسنؓ اور حسینؓ۔

حضرت فاطمہ رضؓ سے آپ فرمایا کرتے تھے۔

اُدْعِیْ لِیْ اِبْنَیَّ۔ میرے بیٹوں کو تو ذرا بلاؤ۔

جب وہ آجاتے تو آپ ان کو سونگھتے اور گلے لگاتے [1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ سے بھی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسنؓ و حسینؓ کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔

هُمَا رَیْحَانَتَیَّ مِنَ الدُّنْیَا [2] کہ وہ دونوں میرے لیے دنیا کی چیزوں میں سے خوشبودار پودوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

اَنَا حَرْبٌ لِمَنْ حَارَبَهُمْ وَسِلْمٌ لِمَنْ سَالَمَهُمْ [3] جو ان سے لڑائی کرے اس سے میری لڑائی اور جو ان سے صلح سے رہے اس کی میری بھی صلح ہے۔

آپ کی مراد حضرت علیؓ، فاطمہؓ اور حسنؓ و حسینؓ سے تھی۔

حضرت ابوسعیدؓ سے مرفوع روایت ہے کہ:

اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ [4] حسنؓ و حسینؓ جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔

---

[1] رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث غریب۔

[2] رواہ البخاری۔

[3] رواہ الترمذی۔

[4] رواہ الترمذی۔

حضرت یعلیٰ بن مُرّہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ:

حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْ حُسَیْنٍ اَحَبَّ اللّٰہُ مَنْ اَحَبَّ حُسَیْنًا حُسَیْنٌ سِبْطٌ مِّنَ الْاَسْبَاطِ[1]

حسینؓ مجھ سے ہے اور میں حسینؓ سے ہوں، خدا اس سے محبت کرے جو حسینؓ سے محبت کرتا ہے حسینؓ اسباط میں سے ایک سبط ہیں۔

سبط پوتے کو کہتے ہیں یہ سَبَط سے ماخوذ ہے۔ سبط بہت سی شاخوں والے درخت کو کہتے ہیں۔ اس میں حضرت حسینؓ کی کثرتِ نسل کی طرف اشارہ ہے۔ بعض نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں حسینؓ امتوں میں سے ایک امت ہیں۔

حضرت ابنِ عباسؓ سے مرفوع روایت ہے کہ:

اَحِبُّوْنِیْ لِحُبِّ اللّٰہِ وَاَحِبُّوْا اَھْلَ بَیْتِیْ لِحُبِّیْ[2]

مجھے اللہ کی محبت کی وجہ سے اور میرے اہل بیت کو میری محبت کی وجہ سے محبوب سمجھو۔

معلوم ہوا کہ محبتِ سادات، عین سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے۔ حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درِ کعبہ پکڑے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَلَا اِنَّ مَثَلَ اَھْلِ بَیْتِیْ فِیْکُمْ مَثَلُ سَفِیْنَۃِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَھَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا ھَلَکَ[3]

خبردار! میرے اہل بیت کی مثال کشتیِ نوحؑ کی سی ہے جو اس پر سوار ہوا نجات پا گیا اور جو پیچھے رہا، ہلاک ہوا۔

حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] رواہ الترمذی۔ [2] رواہ الترمذی بطولہ۔ حضرت ابوذر کی یہ روایت اور اس کے علاوہ دیگر صحابہ سے مروی اس مضمون کی روایات سب سنداً مخدوش ہیں۔ (دیکھئے مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۶۸) ص۔ی

[3] رواہ احمد۔

نے مکہ و مدینہ کے درمیان بئر خم کے مقام پر خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنار اور وعظ و تذکیر کے بعد فرمایا:

لا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ یُوْشِكُ	لوگو! میں ایک انسان ہوں، ممکن ہے کہ
اَنْ یَّاْتِیَنِیْ رَسُوْلُ رَبِّیْ فَاُجِیْبَ وَاَنَا	جلد ہی میرے پاس میرے رب کا پیامبر
تَارِكٌ فِیْكُمُ الثَّقَلَیْنِ اَوَّلُھُمَا كِتَابُ	آجائے تو میں دعوت کو قبول کرلوں۔ میں تم
اللّٰهِ فِیْهِ الْھُدٰی وَالنُّوْرُ فَخُذُوْا	میں دو مضبوط گراں قدر چیزیں چھوڑ کر رخصت
بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاسْتَمْسِكُوْا بِهٖ فَحَثَّ	ہو رہا ہوں ان میں سے ایک کتاب اللہ
عَلٰی كِتَابِ اللّٰهِ وَرَغَّبَ فِیْهِ ثُمَّ قَالَ	ہے جس میں ہدایت و نور ہے لہٰذا کتاب اللہ
وَاَھْلُ بَیْتِیْ اُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِیْ اَھْلِ	کو مضبوطی سے تھام لو۔ الغرض آپؐ نے
بَیْتِیْ اُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِیْ اَھْلِ بَیْتِیْ [1]	کتاب اللہ کی طرف بہت توجہ دلائی۔ پھر فرمایا

کہ دوسری چیز جو ہے میرے اہلِ بیت ہیں۔ اپنے اہلِ بیت کے متعلق میں تمہیں خدا سے ڈراتا ہوں۔ اپنے اہلِ بیت کے متعلق میں تمہیں خدا سے ڈراتا ہوں۔"

اس حدیث میں آپ نے قرآن مجید اور اہلِ بیت کو "ثقلین" قرار دے کر دونوں کو ایک ہی سلک میں منسلک فرما دیا ہے۔ اہلِ بیت کے لیے یہ نہایت شرف کی بات ہے۔ حضرت زیدؓ ہی سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

اِنِّیْ تَارِكٌ فِیْكُمْ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهٖ	میں تم میں وہ کچھ چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر
لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ اَحَدُھُمَا اَعْظَمُ	انہیں مضبوطی سے تھام لوگے تو میرے بعد
مِنَ الْاٰخَرِ كِتَابُ اللّٰهِ حَبْلٌ مَّمْدُوْدٌ	کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ ان میں سے ایک دوسری
مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ وَعِتْرَتِیْ	سے بڑی ہے۔ ایک کتاب اللہ ہے جو اللہ

[1] رواہ مسلم۔

اَهْلُ بَيْتِيْ وَلَنْ يَّتَفَرَّقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ فَانْظُرُوْا كَيْفَ تَخْلُفُوْنِيْ فِيْهِمَا۔[1]

کی آسمان سے زمین تک پھیلی ہوئی ایک رسی ہے اور دوسری میری اولاد ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں ہوں گے۔ حتیٰ کہ مجھے حوضِ کوثر پر آ ملیں گے۔ سو خیال رکھو کہ تم میرے بعد ان کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہو۔"

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حج کے موقع پر عرفہ کے دن قصواء اونٹنی پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سُنا، جس میں آپؐ نے فرمایا تھا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّيْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا إِنْ أَخَذْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوْا كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِيْ أَهْلَ بَيْتِيْ۔[2]

لوگو! میں تم میں ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر مضبوطی سے اسے تھامے رکھو گے تو گمراہ نہ ہو گے۔ اور وہ کتاب اللہ ہے اور میرے اہل بیت میری اولاد ہیں۔"

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اہل بیت کے یہ مناقب حسنین، فاطمہ اور علی رضی اللہ عنہم کے ساتھ مخصوص ہیں یا ان کی اولاد کو بھی شامل ہیں۔ جمہور کے نزدیک وہ فضائل جو خاص اُن کے نام پر آئے ہیں مثلاً "حسنؓ و حسینؓ جوانانِ جنت کے سردار ہیں"۔ وہ تو متجاوز نہیں لیکن وہ الفاظ جو بصیغۂ عموم آئے ہیں۔ وہ متجاوز ہیں۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قیامت تک کی اولاد کو شامل ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امام مہدی علیہ السلام کو اہل بیت میں سے قرار دیا ہے۔ حالانکہ آنحضرت

---

[1] رواہ الترمذی۔

[2] " "

صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ اور حسب ونسب کا ایک عظیم سلسلہ ہے۔ جب وہ آلِ رسول ہیں تو وہ سادات جو حضرت فاطمہؓ کے زمانہ سے تا ظہورِ مہدی دُنیا میں گزر چکے ہیں یا گزریں گے یا فی الحال موجود ہیں، قلت وسائط کے باعث بالاولیٰ اہلِ بیت میں داخل ہیں۔ بشرطیکہ ان کا اعتقاد و عمل قرآن مجید کے مطابق ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا [1]	"اے ہمارے پروردگار ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دلوں میں اہلِ ایمان کے لیے کینہ نہ پیدا ہونے دے"

تو اس سے معلوم ہوا کہ جو اپنے دل میں سابقہ مومنوں کے لیے کینہ رکھتا ہو اور ان کے لیے دعا نہ کرتا ہو بلکہ بددعا کرتا ہو۔ جیسے روافض وخوارج کرتے ہیں۔ تو وہ مومن نہیں ہے بلکہ جس کو صحابہ کرامؓ پر غیظ وغضب آئے۔ اس کے لیے کفر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

"لیغیظ بھم الکفار"

اور صحابہ کرامؓ کے متعلق اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا ہے۔

"رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ"

اب جو کوئی ان سے ناراض ہو، وہ مخالفِ خدا ہے۔

یہ قید ہم نے دو وجہ سے ذکر کی ہے۔

اوّل تو اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ بیت کو ثقلِ قرآن کے

---

[1] الحشر: ۱۰

ہم مثل قرار دیا ہے۔ اور یہ ثقل اسی وقت معتبر ہوگا۔ جب کہ یہ دونوں ترازو کے پلڑوں میں ایک دوسرے کے ہم وزن ہوں۔ تو جو لوگ نسلِ نبوت میں ہو کر کتاب و سنت پر عمل پیرا نہیں بلکہ شیعہ، خوارج اور روافض کی طرح بدعت و ضلالت میں سرگرداں ہیں، وہ ان فضائل کے ہرگز مصداق نہیں ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے مخاطب ہو کر ان کے بیٹے کے بارے میں فرمایا تھا:

إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ ۖ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ [1]

بے شک وہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے۔ بے شک وہ ناشائستہ افعال کا حامل ہے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

پسرِ نوح با بداں بنشست خاندانِ نبوتش گم شد

سگِ اصحابِ کہف روزے چند پئے نیکاں گرفت مردم شد!

اور دوم اس لیے کہ قرآنِ مجید میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے حق میں فرمایا گیا ہے کہ تم میں سے اگر کوئی بُرا کام کرے تو اسے دوگنا عذاب ہوگا۔ اور یہ اس لیے کہ تعزیر بقدر کرامت ہوتی ہے۔ اگر سید سُنّی کبائر کا ارتکاب کرے تو وہ دوگنے عذاب کا مستحق ہوگا۔ اور پھر اگر عالم ہو کر اپنے علم کے مطابق عمل نہ کرے تو وہ اور زیادہ مستحق عقاب ہوگا۔ غرضیکہ سید اور ذریت نبی سے ہونا کوئی آسان بات نہیں۔ کیونکہ اگر عمل ٹھیک نہ ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہایت ذلت و خجالت ہوگی۔ ایک سید کو اس نسبِ مبارک کا اسی وقت نفع ہو سکتا ہے جب کہ وہ ہر صورت میں خواہ عالم ہو خواہ جاہل، کتاب و سنت

---

[1] ہود: ۴۶

کے مطابق عمل کرے۔ بہت سے لوگ محض اس غرور کے باعث ہلاک ہو گئے کہ ہم اہل بیت ہیں۔ اور ہمیں تمام امت پر شرفِ عظیم حاصل ہے۔ حالانکہ شیطان نے انہیں دھوکا دیا۔ اور صراطِ مستقیم سے انہیں دور لے گیا۔ امام محمد تستریؒ نے لکھا ہے کہ اسبابِ تکبر میں سے ایک سبب نسبت ہے۔ چنانچہ:

فَشَرِيْفُ النَّسَبِ يَسْتَحْقِرُ خَسِيْسَهٗ وَاِنْ كَانَ اَرْفَعَ مِنْهُ عِلْمًا وَعَمَلًا وَقَدْ يَرٰى بَعْضُهُمْ اَنَّ النَّاسَ لَهٗ عَبِيْدٌ وَيَاْنَفُ مِنْ مُجَالَسَتِهِمْ وَرُبَمَا اَظْهَرَ فِي اللِّسَانِ فَقَالَ لِغَيْرِهٖ مَنْ اَنْتَ وَمَنْ اَبُوْكَ وَاَنَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ وَاَنّٰى لِمِثْلِكَ اَنْ يُكَلِّمَنِيْ وَنَحْوَهَا وَهٰذَا دَاءٌ دَفِيْنٌ قَلَّ مَا يَنْفَكُّ عَنْهُ نَسِيْبٌ وَاِنْ كَانَ صَالِحًا لَبِيْبًا لٰكِنْ قَدْ لَا يُظْهِرُهٗ عِنْدَ اِعْتِدَالِ الْاَحْوَالِ فَاِنْ غَضِبَ اُنْطِفَ نُوْرُ بَصِيْرَتِهٖ فَظَهَرَ مِنْهُ قَالَ اَبُوْذَرٍّ قَاوَلْتُ رَجُلًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ لَهٗ يَا ابْنَ السَّوْدَاءِ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لَيْسَ لِابْنِ بَيْضَاءَ عَلَى ابْنِ سَوْدَاءَ

شریف نسب والا خسیس نسب والے کو حقیر سمجھتا ہے اگرچہ علم و عمل کے اعتبار سے وہ اس سے ارفع ہی کیوں نہ ہو۔ بعض تو اس قدر مغرور ہو جاتے ہیں کہ وہ لوگوں کو اپنا غلام سمجھتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ بیٹھنے سے بھی نفرت کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس نفرت کا اظہار ان کی زبان سے بھی اس طرح ہوتے لگتا ہے کہ..... وہ اپنے غیر سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ تو کون ہے اور تیرا باپ کون؟ تجھے معلوم نہیں کہ میں فلاں بن فلاں ہوں تیرے جیسے کمینے کو میرے ساتھ بات کرنے کا کوئی حق نہیں۔ یہ ایک ایسا مخفی مرض ہے کہ شاید ہی کوئی اچھے نسب والا اس سے محفوظ رہا ہو، نیک اور عقلمند لوگ اگرچہ اعتدالِ احوال کے وقت ایسی باتیں نہیں کرتے۔ لیکن جب

اَنَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ فَمَنْ اَنْتَ فَقَالَ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اِنْتَخَرَ رَجُلَانِ عِنْدَ مُوْسٰی فَقَالَ اَحَدُھُمَا اَنَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ حَتّٰی عَدَّ تِسْعَۃَ اٰبَاءٍ فَاَوْحَی اللّٰہُ اِلٰی مُوْسٰی قُلْ لَہٗ اَلتِّسْعَۃُ مِنْ اَھْلِ النَّارِ وَاَنْتَ عَاشِرُھُمْ[1]

جب تعصّب میں آجائیں قرآن کا بھی نورِ بصیرت بجھ جاتا ہے۔ اور وہ بھی ایسی باتیں شروع کر دیتے ہیں۔ حضرت ابو ذر رضؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی پر طعن کرتے ہوئے کہا اے سیاہ عورت کے بیٹے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سفید عورت کے بیٹے کو سیاہ عورت کے بیٹے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو آدمیوں نے ایک دوسرے پر فخر کرنا شروع کیا۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ میں تو فلاں بن فلاں ہوں، تو کون ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی دو آدمیوں نے فخر کیا۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ میں تو فلاں بن فلاں ہوں، حتیٰ کہ اس نے اپنے نو آباؤ اجداد کے نام شمار کر دیئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اسے کہہ دو، وہ نو کے نو جہنم میں ہیں۔ اور دسواں تو بھی جہنم میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ معزز انسان کون ہے؟ آپ نے فرمایا:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ[2]

اللہ کے ہاں تم میں سے سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔

---

[1] احیاء الاحیاء [2] الحدیث متفق علیہ۔

حضرت عیاض بن حمار مجاشعی سے مرفوع روایت ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اَوْحٰی اِلَیَّ اَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰی لَا یَفْخَرَ اَحَدٌ عَلٰی اَحَدٍ وَلَا یَبْغِیَ اَحَدٌ عَلٰی اَحَدٍ[1]	اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ تم سب اس قدر تواضع اختیار کرو کہ کوئی شخص کسی دوسرے پر فخر نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر زیادتی کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضہ سے مرفوع روایت ہے کہ:

لَیَنْتَهِیَنَّ اَقْوَامٌ یَفْتَخِرُوْنَ بِاٰبَآئِهِمُ الَّذِیْنَ مَاتُوْا اِنَّمَا هُمْ فَحْمٌ مِنْ جَهَنَّمَ اَوْلَیَكُوْنُنَّ اَهْوَنَ عَلَی اللّٰهِ مِنَ الْجُعَلِ الَّذِیْ یُدَهْدِهُ الْخُرَاَ بِاَنْفِهٖ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ وَفَخْرَهَا بِالْاٰبَآءِ اِنَّمَا هُوَ مُؤْمِنٌ تَقِیٌّ اَوْفَاجِرٌ شَقِیٌّ اَلنَّاسُ كُلُّهُمْ بَنُوْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ[2]	لوگ اپنے مردہ آباؤ اجداد پر فخر کرنے سے باز آجائیں۔ وہ تو جہنم کے کوئلے ہیں، یا پھر اللہ کے ہاں اس سیاہ کیڑے سے بھی زیادہ حقیر ہو جائیں گے جو اپنے ناک سے گندگی کو حرکت دیتا ہے۔ بلاشبہ اللہ نے تمہارا دورِ جاہلیت کا تکبر اور آباؤ اجداد کے ساتھ فخر کرنا ختم کر دیا ہے۔ وہ (فخر کرنے والا) یا تو مومن پرہیزگار رہے یا بدبخت گنہگار۔

تمام لوگ آدمؑ کے بیٹے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔"

حضرت حسن، سمرہ رضؓ سے ایک مرفوع روایت نقل فرماتے ہیں کہ:

اَلْحَسَبُ الْمَالُ وَالْكَرَمُ التَّقْوٰی[3]	حسب سے مراد مال و دولت اور عزت سے مراد تقویٰ ہے۔

---

[1] رواہ مسلم۔

[2] رواہ الترمذی وابوداؤد۔

[3] رواہ الترمذی وابن ماجہ۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ:

اَنْسَابُكُمْ هٰذِهٖ لَيْسَتْ بِمَسَبَّةٍ عَلٰى اَحَدٍ كُلُّكُمْ بَنُوْ آدَمَ طَفُّ الصَّاعِ بِالصَّاعِ لَمْ تَمْلَئُوْهُ لَيْسَ لِاَحَدٍ عَلٰى اَحَدٍ فَضْلٌ اِلَّا بِدِيْنٍ وَتَقْوٰى - الحدیث[۱]	تمہارے یہ نسب کسی کے لیے گالی اور عار کا محل نہیں تم سب آدم کے بیٹے ہو، اور نقص میں برابر ہو، کسی کو کسی پر دین و تقویٰ کے بغیر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔

صحاح و سنن کی ان احادیثِ مبارکہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ انسان اگرچہ کیسا ہی شریف النسب کیوں نہ ہو، اس کے لیے غیر شریف النسب پر فخر کرنا حرام ہے کیونکہ دینِ اسلام میں شرف کا انحصار محض دینداری اور تقویٰ پر ہے۔ لیکن افسوس کہ یہ مرض جاہل سادات اور صوفیاء کی اولاد میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ عام طور پر یہ لوگ علم و عمل سے محروم ہوتے ہیں۔ اور محض ذات اور شرافتِ نسب پر ناز و تکبر کرتے ہیں۔ قیامت کے دن یہی شرافت ان کے لیے شر و آفت ہو جائے گی۔ اللھم احفظنا۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میری نظر میں کوئی تقویٰ شعار مسلمان، خواہ وہ کیسا ہی کم ذات و کم نسب کیوں نہ ہو، قطعاً حقیر نہیں۔ میں ہر متقی کو اپنے سے ہزار درجہ بہتر سمجھتا ہوں۔ اس لیے میں نے آج تک کسی کے سامنے اپنے نسب پر فخر نہیں کیا، اور نہ میں نے کبھی اپنی شرافتِ نسب کو تحصیلِ رزق یا تعظیم کا وسیلہ ہی بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ میری اولاد بھی اسی راستے پر گامزن رہے گی۔ اور ہم سب کا ایمان پر خاتمہ ہو گا۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔ اللھم آمین!

---

[۱] رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان۔

امت کے بعض افراد میں یہ مرض بھی پایا جاتا ہے کہ وہ سید تو نہیں ہوتے۔ لیکن لوگوں سے طلبِ دنیا یا حصولِ صدقہ وخیرات کے لیے وہ اپنے آپ کو سید ظاہر کرتے ہیں۔ حالانکہ غیر باپ کی طرف انتساب حرام ہے۔ صحیح حدیث میں اس کذب بیانی پر لعنت آئی ہے۔ اور فرض صدقات تو تمام بنی ہاشم پر قطعاً حرام ہیں۔ یہاں تک کہ ہاشمی بھی کسی دوسرے ہاشمی کو فرض صدقہ نہیں دے سکتا۔ بلکہ سادات کی لونڈیوں اور غلاموں کے لیے بھی صدقہ کا مال لینا درست نہیں۔ عافانا اللہ تعالیٰ عن ذالک۔

ابتدائی حالات:

والد مرحوم کی وفات کے بعد اعزہ واقارب میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو میری پرورش کرتا۔ ہم دو بھائی اور تین بہنیں تھے۔ سب نے مادرِ مہربان کی آغوش میں تربیت پائی۔ آمدنی کا بھی بظاہر کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے خزانہ غیب سے رزق عنایت فرماتا رہا۔ والد مرحوم کے مرید بھی اگرچہ بکثرت تھے، جن کی اولاد ابھی تک باقی ہے۔ لیکن ان میں سے بھی کوئی ہمارا کفیل نہیں تھا۔ محض اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کے زیرِ سایہ پروان چڑھے ہیں۔ والد علیہ الرحمۃ کے بعد والدہ علیہا الرحمۃ نے ایک معلّم کا انتظام کر دیا تھا۔ جس سے ہم نے قرآن مجید اور گلستان و بوستان وغیرہ کتابیں پڑھیں۔

برادرِ اکبر سید احمد حسن مجھ سے دو برس بڑے تھے۔ اور بڑے ذہین تھے انہوں نے جلد فارسی سیکھ لی اور عربی پڑھنی شروع کر دی۔ گھر میں والد علیہ الرحمۃ کا کتب خانہ موجود تھا۔ ان کے خادم شیخ حسینی جب کتابوں کو دھوپ میں ڈالتے تو ہم محض دل لگی کے لیے ایک ایک کتاب کھول کر جگہ جگہ سے پڑھتے۔ کوئی مقام

سمجھ میں آتا اور کوئی نہ آتا۔ لیکن اس محض ورق گردانی کا فائدہ یہ ہوا کہ اس کی برکت سے دل میں علم کا شوق پیدا ہوگیا۔ سید احمد علی مرحوم[1] ساکن فرخ آباد، والد مرحوم سے ارادت کے باعث مجھے اپنے گھر لے گئے۔ میں کئی دفعہ ان کے ہاں کئی کئی ماہ تک رہا۔ اور وہاں کچھ عربی پڑھی۔ لیکن بے نیازی اور غفلت کے عالم میں۔ پھر والد صاحبؒ کے کچھ مرید مجھے تعلیم کے لیے کانپور لے گئے۔ اور وہاں بھی کچھ کتابیں پڑھیں۔ بچپن ہی سے مجھے علماءِ کرام کی مجلسِ وعظ میں شرکت کا شوق تھا۔ اگرچہ میں اچھی طرح سمجھ نہیں سکتا تھا تاہم مجالسِ وعظ میں شرکت ضرور کرتا تھا۔ بریلی میں مولانا محبوب علی مراد آبادی[2] کا وعظ سنا۔ فرخ آباد اور کانپور میں مجالسِ وعظ میں شرکت کی۔ مولانا محمد علی ٹونکی[3] کا ایک مرتبہ قنوج سے گزر ہوا، آپ نے وہاں جو وعظ فرمایا، مجھے بھی اس کے سننے کا شرف نصیب ہوا۔ آپ بڑے خوش بیان واعظ، حضرت سید احمد شہید[4]رح کے خلیفہ اور مولانا حیدر علی ٹونکی[5] کے برادرِ اصغر تھے۔

مولانا ولایت علی[6]رح اور مولانا عنایت علی[7]رح جب قنوج میں تشریف لائے تو انہوں

---

[1] سنہ — سنہ —

[2] سنہ ۱۲۰۰ھ سنہ ۱۲۸۰ھ

[3] سنہ ۱۱۹۵ھ سنہ ۱۲۶۶ھ

[4] سنہ ۱۲۰۱ھ سنہ ۱۲۴۶ھ

[5] سنہ — سنہ ۱۲۷۳ھ

[6] سنہ ۱۲۰۵ھ سنہ ۱۲۶۹ھ

[7] سنہ — سنہ ۱۲۷۳ھ

نے میرے مکان میں بھی قدم رنجہ فرمایا اور اپنے اہل بیت کو والدہ مرحومہ کی ملاقات کے لیے گھر میں بھیجا۔ دونوں بزرگوں نے جامع مسجد قنوج میں چند جمعہ تک وعظ فرمایا۔ رخصت ہوتے وقت انھوں نے مجھے وصیت فرمائی کہ تم بلوغ المرام ضرور پڑھنا۔ میری عمر اس وقت بارہ تیرہ برس ہوگی۔ ان کے فرمانے کا نتیجہ ایک مدت دراز کے بعد یہ ظاہر ہوا کہ میں نے بلوغ المرام کی شرح بھی لکھی۔ مولانا ولایت علی مرحوم کے وعظ میں جو شدتِ تاثیر تھی، وہ کسی دوسرے کے وعظ میں نہ پائی۔ آپ کے پاس بیٹھنے سے دل دنیا سے بالکل بیزار ہو جاتا تھا۔ اور دین کا جوش تہہ دل سے اٹھتا تھا۔ یہ مصرعہ میں نے آپ ہی سے سنا تھا ؎

ہم طرزِ جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

کانپور میں مولانا خرم علی صاحب[1] اور مولانا عبدالحلیم صاحب لکھنوی[2] کو بھی دیکھا تھا۔ اور مولانا سلامت اللہ صاحب بدایونی[3] کا وعظ بھی سنا تھا۔ آپ کا وعظ عالمانہ تھا۔ بہت خوش بیان مقرر تھے۔ میں نے کانپور میں شاہ غلام رسول[4] کانپوری اور مولانا زین العابدین الٰہ آبادی[5] کو بھی دیکھا ہے۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب[6] بارک اللہ فی حیاتہم بھی بارہا قنوج میں تشریف

---

[1] سنہ ۱۲۷۶ھ

[2] سنہ ۱۲۸۵ھ سنہ ۱۳۰۹ھ

[3] سنہ ۱۲۸۱ھ

[4] سنہ سنہ

[5] سنہ سنہ

[6] سنہ ۱۲۰۸ھ سنہ ۱۳۱۳ھ

لا کر جامع مسجد میں ٹھہرتے تھے۔ اور میرے گھر بھی آتے جاتے تھے۔ ہم دونوں بھائیوں سے بہت محبت کرتے تھے۔ اور والد علیہ الرحمۃ کی قبر پر بھی جایا کرتے تھے۔ آج کل مولانا صاحب کی شخصیت قناعت اور زہد و تقویٰ کے اعتبار سے یادگار روزگار ہے۔ میرے بڑے فرزند نور الحسن خاں کو ان سے بہت زیادہ اُنس اور عقیدت ہے۔

پھر کانپور سے قاضی کلو[1] ساکن چھپرامئو مجھے تعلیم کا شوق دلا کر دہلی لے گئے اور میں تقریباً دو برس وہاں رہا۔ ان دنوں مولانا بشیر الدین قنوجی[2] بن ناظر کریم الدین وہاں تشریف فرما تھے۔ اُنھوں نے دو تین روز مجھے اپنے ہاں مہمان رکھا۔ پھر مفتی محمد صدر الدین خانؒ صاحب[3] آکر مجھے لے گئے۔ اور نواب مصطفیٰ خانؒ[4] مرحوم کے مکان میں مجھے ٹھہرا دیا۔ یہ مکان چتلی قبر کے متصل ہی تھا۔ مفتی صاحب سے میں نے سبق لینا شروع کر دیا۔ اور علوم آلیہ کی کتابیں آپ سے پڑھیں۔ دہلی میں میں نے مولانا نوازش علی واعظ[5]، مولانا قطب الدین مرحوم کے شاگرد خواجہ ضیاء الدین واعظ[6]، مولانا عبد الخالق[7]، مولانا حفیظ اللہ واعظ[8]، مولانا عبد الکریم، مولانا محبوب

---

[1] سنہ ـــ سنہ ـــ

[2] سنہ ۱۲۳۴ھ سنہ ۱۲۹۶ھ

[3] سنہ ۱۲۰۴ھ سنہ ۱۲۸۵ھ

[4] سنہ ۱۲۲۱ھ سنہ ۱۲۸۶ھ

[5] سنہ ـــ سنہ ـــ

[6] سنہ ـــ سنہ ـــ

[7] سنہ ـــ سنہ ۱۲۶۱ھ

[8] سنہ ـــ سنہ ۱۲۳۵ھ

میں، مولانا قطب الدین مترجم مشکوٰۃ شریف، مولانا سیّد نذیر حسین صاحب محدث دہلوی اور ہر گروہ کے علمار موجودین کو دیکھا۔ لیکن زیادہ دیر تک کسی کے ساتھ بھی رہنے کا موقع میسر نہیں آیا۔ نیز حضرت سیّد احمد صاحبؒ کے رفقار میں سے مولانا نصیر الدین صاحب واعظ جامع مسجد کی بھی زیارت نصیب ہوئی۔ مستعد طلبہ میں سے مولانا فیض الحسن سہارنپوری اور ملّا نواب صاحب حال مقیم مکۃ معظمہ کو دیکھا۔ مولانا فضل حق خیر آبادی کو بھی دیکھا اور ان کے فرزند مولانا عبد الحق سے بھی جلسۂ قیصر یہ دہلی میں ملاقات ہوئی۔ خانقاہ مرزا مظہر جانجاناں قدس سرہٗ میں شاہ احمد سعید اور شاہ عبد الغنی کی زیارت ہوئی۔ شعرار میں سے مرزا غالب، شیخ ابراہیم ذوقؔ اور امام بخش صہبائی اس وقت تک بقید حیات تھے۔ امرار میں سے نواب مصطفٰے خان، نواب امین الدین خان، ضیار الدین خان اور ان کی اولاد کو دیکھا نواب امین الدین خان نے اپنی دختر نیک اختر کو میرے حبالۂ عقد میں دینا چاہا تھا اور مفتی صاحب کے ذریعہ سے تحریک بھی کی تھی۔ مگر ان کے مُغل ہونے کے باعث میں نے ان کی اس پیش کش کو منظور نہ کیا۔

دہلی میں قیام کے زمانہ میں قلعہ کے اندر بہادر شاہ اور ان کے ولی عہد مرزا فخر الدین وغیرہ شہزادگان کو دیکھا۔ اور حکمار میں سے حکیم امام الدین خان اور حکیم احسان اللہ خان کو دیکھا۔ الغرض ان سب کو دیکھا مگر ایسا کوئی نہ دیکھا جو صحیح معنوں میں دنیا سے دست بردار اور خداوند تعالیٰ کا اطاعت گزار ہو ؎

در مسجد و خانقاہ بسے گردیدم
بس شیخ و مرید را کہ پا بوسیدم
نی یک ساعت ز ہستی خود رستم
نی آنکہ ز خویش رستہ باشد دیدم

مفتی صاحبؒ ہر اتوار کو اکثر قطب صاحب جایا کرتے تھے۔ میں بھی ان کے ہمراہ چلا جایا کرتا تھا۔ اس وجہ سے بارہا دہلی کے فوت شدہ صلحاء کی زیارت نصیب ہوئی۔ میں عصر، مغرب اور جمعہ کی نمازیں اکثر جامع مسجد دہلی میں پڑھا کرتا تھا۔ اس وجہ سے میرے زیادہ تر اوقات علماء، عقلاء، امراء، اور صلحاء کی صحبت میں گزرے ہیں۔

مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی پتنگ اُڑائی ہو، مُرغ لڑایا ہو، بٹیر پالا ہو، شطرنج گنجفہ، نردشیر یا کوئی سا کھیل کھیلا ہو یا کبھی شُہدوں کی صحبت میں بیٹھا ہوں، حالانکہ کوئی بزرگ سر پر نہ تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ مجھ پر احسان فرمایا کہ مجھے کبھی بھی مکروہ اُمور کا شوق پیدا نہ ہوا۔ اور میں ہمیشہ اچھے لوگوں کی صحبت کا طالب رہا اور اور اگر اتفاقاً کسی صحبتِ بد میں پھنس گیا تو جلد متنبّہ ہو کر باز آگیا۔ وللہ الحمد۔

میں سات برس کا تھا۔ میرے گھر کے دروازہ پر مسجد تھی۔ مجھے خوب یاد ہے کہ صبح کے وقت اذان ہوتے ہی والدہ مرحومہ مجھے بیدار کرا دیتیں، اور وضو کرا کے مسجد میں بھیج دیتی تھیں۔ اور گھر میں نماز کبھی نہ پڑھنے دیتی تھیں۔ اگر نیند کی سستی کی وجہ سے نہ اُٹھتا تو منہ پر پانی ڈال دیتی تھیں۔ اس وجہ سے بچپن ہی سے نماز کی عادت پڑ گئی۔ شاید دس برس کی عمر میں والدہ نے روزہ رکھوایا اور اس وقت سے روزہ رکھنے کی عادت پڑ گئی۔ یاد رہے کہ دہلی کا یہ مذکورہ سفر میں نے بلوغت کے بعد کیا تھا۔

والدہ مرحومہ کی یادیں:

مجھے اپنی والدہ سے بہت محبت تھی۔ میرے پاس جو روپیہ پیسہ یا کوئی چیز ہوتی میں ان کو دے دیتا تھا۔ اپنے پاس نہیں رکھتا تھا اور ضرورت کے وقت ان سے

لے لیتا تھا۔ وہ بھی مجھ سے بہت محبت فرماتی تھیں۔ اولاد پر ماں کی خدمت اور تعظیم کا حق باپ کی نسبت تین گنا زیادہ ہوتا ہے۔

حدیث ابوہریرہ رضؓ میں آیا ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ :

"میرے حُسنِ سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا تیری والدہ! اس نے عرض کیا" پھر کون؟ آپؐ نے فرمایا تیری والدہ! اس نے کہا پھر کون؟ آپؐ نے فرمایا تیری والدہ! اس نے عرض کیا" پھر کون؟ آپؐ نے فرمایا تیری والدہ! اس نے کہا پھر کون؟ آپؐ نے فرمایا تیرا والد"

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا تھا:

أُمَّكَ ثُمَّ أُمَّكَ ثُمَّ أُمَّكَ ثُمَّ أَبَاكَ ثُمَّ أَدْنَاكَ أَدْنَاكَ [1] — تیری والدہ، پھر تیری والدہ، پھر تیری والدہ، پھر تیرا باپ، پھر تیرا قریبی، پھر تیرا قریبی۔

میں نے اپنے باپ کو نہیں دیکھا۔ ورنہ حتی المقدور ان کی خدمت بجالانے میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا۔ میری والدہ مرحومہ جب دنیا سے رخصت ہوئیں تو وہ مجھ سے راضی تھیں۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

رَغِمَ أَنْفُهُ قِيلَ مَنْ يَا رَسُولَ اللهِ؟ — "اس شخص کی ناک خاک آلودہ ہوئے" عرض

---

[1] متفق علیہ۔

قَالَ مَنْ اَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلَاهُمَا ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ[1]

کیا گیا ۔ اے اللہ کے رسول! کس شخص کی؟ آپ نے فرمایا جو بڑھاپے کی حالت میں اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو پائے اور پھر (ان کی خدمت کر کے) جنت میں داخل نہ ہو۔"

حضرت عائشہ رضہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"میں جنت میں گیا تو میں نے وہاں قرات کی آواز سُنی تو پوچھا یہ کون ہے؟ جواب ملا کہ یہ حارثہ بن نعمان ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں! یہ اپنی والدہ کے ساتھ بڑے نیکوکار تھے۔"[2]

حضرت عبداللہ بن عمرو سے مرفوع روایت ہے کہ:

رِضَى الرَّبِّ فِي رِضَى الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ[3]

اللہ کی رضا والد کی رضا میں ہے، اور اللہ کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے"

حضرت بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ اَبَرُّ قَالَ اُمَّكَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمَّكَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمَّكَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ اَبَاكَ ثُمَّ الْاَقْرَبَ فَالْاَقْرَبَ[4]

اے اللہ کے رسول! میں کس سے نیکی کروں؟ فرمایا اپنی والدہ سے۔ میں نے عرض کی پھر کس سے؟ فرمایا اپنی والدہ سے۔ میں نے عرض کیا پھر کس سے؟ فرمایا اپنی والدہ سے

---

[1] رواہ مسلم۔

[2] رواہ فی شرح السنۃ والبیہقی فی شعب الایمان۔

[3] رواہ الترمذی۔ [4] رواہ الترمذی وابوداؤد

میں نے عرض کیا پھر کس سے ؟ فرمایا اپنے

باپ سے اور پھر جو جتنا زیادہ قریبی ہو اس سے "

معلوم ہوا کہ باپ کی نسبت ماں نیکی اور حُسنِ سلوک کی سہ چند زیادہ مستحق ہے۔

اور جن احادیث میں صلہ رحمی کے فضائل بیان کئے گئے ہیں، ان کے اعتبار سے والدین کے ساتھ صلہ رحمی دیگر تمام لوگوں کی نسبت مقدّم ہے جیسا کہ حضرت انس رضؓ سے مروی مرفوع روایت میں ہے کہ:

"مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّبْسَطَ لَهٗ فِيْ رِزْقِهٖ وَيُنْسَأَ لَهٗ فِيْ اَثَرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ"[1]

جو شخص پسند کرے کہ اس کا رزق فراخ اور اس کی عمر زیادہ ہو، اسے صلہ رحمی کرنی چاہیئے۔

میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو مجھے اس قدر بکثرت مال عطا فرمایا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ میں نے حتی الامکان اپنی والدہ ماجدہ کو خوش رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اور میں ان کے سامنے اس طرح رہا ہوں جیسے کوئی کنیز یا غلام اپنے آقا کے سامنے رہتا ہے۔

حضرت ابنِ عمر رض سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ:

"مجھ سے ایک بڑے گناہ کا ارتکاب ہوگیا ہے کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تیری والدہ موجود ہے؟ اس نے جواب دیا۔ جی نہیں" آپ نے فرمایا کیا تیری خالہ ہے؟

---

[1] متفق علیہ۔

اس نے کہا جی ہاں! آپؐ نے فرمایا جاؤ اس کے ساتھ نیکی کرو۔[1]

یہ حدیث گویا اس بات کی دلیل ہے کہ والدہ یا خالہ کے ساتھ نیکی کرنا کبیرہ گناہوں کی مغفرت کا سبب ہے۔

حضرت ابوامامہ رضؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ والدین کا اولاد پر کیا حق ہے؟ آپؐ نے فرمایا:

هُمَا جَنَّتُكَ وَنَارُكَ [2] وہ تیری جنت اور جہنم ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے مرفوع روایت ہے کہ:

"جب بھی کوئی نیک بچہ اپنے والدین کی طرف نظرِ رحمت سے دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک حج مبرور کا ثواب لکھ دیتا ہے۔ عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول! اگر ایک شخص ہر دن سو مرتبہ اپنے والدین کو نظرِ رحمت سے دیکھے؟ فرمایا اسے اسی حساب سے اجر و ثواب ملتا ہے کیونکہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَاَطْيَبُ۔[3]

میں نے والدۂ محترمہ سے سنا ہے کہ والد مرحوم مجھ سے بہت محبت کیا کرتے تھے۔ بلکہ ساری اولاد میں سے میرے ساتھ زیادہ محبت کرتے تھے۔ اور میرے لیے علم اور نیکی کی بکثرت دعائیں فرمایا کرتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ یہ ان کی دعاؤں کا اثر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے علم وافر اور رزقِ واسع سے نوازا ہے۔ میں نے اپنے والدین، بھائی اور بہنوں کی طرف سے حج کرا دیا ہے۔

---

[1] رواہ الترمذی۔

[2] رواہ ابن ماجہ۔

[3] رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حنفیہ کے نزدیک میت کی طرف سے کسی اجنبی کو حج بدل کرانا درست ہے۔ پھر مجھے معلوم ہوا کہ فتوئ حدیث کے مطابق قریبی رشتہ دار کی طرف سے کسی قریبی رشتہ دار کو حج کرنا چاہیئے۔ میت کی طرف سے کسی غیر رشتہ دار واجنبی کو نہیں کرنا چاہیئے۔ اور یہی راجح ہے۔ بہرحال نفقات اور دیگر نیکیوں کا اجر انہیں انشاء اللہ ضرور ملے گا۔

والدین کے لیے دُعائے مغفرت :

جب سے میں سنِ شعور کو پہنچا ہوں، والدین کے لیے نماز میں تشہد اور درود کے بعد دُعا کیا کرتا ہوں۔ اگرچہ میں کیا اور میری دُعا کیا۔ تاہم حکمِ شریعت کی بجا آوری ضروری ہے۔ اور والدین کی محبت کا تقاضا بھی یہی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلٰثَةٍ اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهٗ[1]

"انسان جب فوت ہو جاتا ہے تو تین کے سوا اس کے باقی سب اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔ اوّل صدقہ جاریہ۔ دوم علم نافع اور سوم نیک بچہ جو اس کے لیے دعا کرتا ہو"

حضرت ابو اسید ساعدی رضؓ سے روایت ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے کہ بنو سلمہ میں سے ایک آدمی آیا اور

---

[1] رواہ مسلم۔

کہنے لگا:۔ اے رسولِ خدا!

هَلْ بَقِيَ مِنْ بِرِّ اَبَوَيَّ شَيْءٌ اَبَرُّهُمَا بِهٖ بَعْدَ مَوْتِهِمَا قَالَ نَعَمْ اَلصَّلٰوةُ عَلَيْهِمَا وَالْاِسْتِغْفَارُ لَهُمَا وَاِنْفَاذُ عَهْدِهِمَا مِنْ بَعْدِهِمَا وَصِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِيْ لَا تُوْصَلُ اِلَّا بِهِمَا وَاِكْرَامُ صَدِيْقِهِمَا[1]

کیا کوئی نیکی باقی ہے جو میں اپنے والدین کی وفات کے بعد کر سکوں؟" فرمایا ہاں! ان کے لیے دُعا، استغفار، ان کے بعد ان کے وعدہ کا ایفا، وہ صلہ رحمی جو صرف ان کی وجہ سے ہی ہو سکتی ہو اور ان کے دوستوں کی عزت۔"

میں نماز میں اپنے مرحوم والدین کے لیے یہ دُعا کیا کرتا ہوں۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ تَوَالَدَا وَارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا وَلِجَمِيْعِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ الْاَحْيَاءِ مِنْهُمْ وَالْاَمْوَاتِ اِنَّكَ مُجِيْبُ الدَّعَوَاتِ۔

اے اللہ مجھے، میرے والدین اور ان کی تمام اولاد کو معاف فرما، اور ان پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش فرمائی۔ نیز تمام مومن اور مسلمان مردوں اور عورتوں، زندوں اور مُردوں کو بھی معاف فرما۔ تو ہی دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔

اس دعا میں والدین کے علاوہ بھائی بہن وغیرہ بھی آجاتے ہیں۔ میں نے والدہ مرحومہ کی طرف سے ایک سرائے اور کنواں بنوایا تھا۔ اب ان کی طرف سے بھوپال شہر میں ایک مسجد بھی تعمیر کرادی ہے۔ اُمید ہے کہ انہیں اس کا اجر ان شاء اللہ ضرور ملے گا۔ اور اگر لاعلمی میں یا بھول چوک سے والدہ کی کوئی نافرمانی ہوئی ہو تو یہ اس کا کفارہ بن جائے گا۔ اور میرا دعا اور استغفار کرنا اس سلسلہ میں ان شاء اللہ

---

[1] رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ۔

نفع بخش ثابت ہوگا ۔ کیونکہ حضرت انسؓ سے مرفوع روایت ہے کہ :

إِنَّ الْعَبْدَ لَيَمُوتُ وَالِدَاهُ أَوْ أَحَدُهُمَا وَإِنَّهُ لَهُمَا لَعَاقٌّ فَلَا يَزَالُ يَدْعُو لَهُمَا وَيَسْتَغْفِرُ لَهُمَا حَتَّى يَكْتُبَهُ اللّٰهُ بَارًّا [1]	جس آدمی کے والدین یا ان میں سے کوئی فوت ہو جائے اور وہ ان کا نافرمان ہو لیکن ان کے لیے دعا اور استغفار کرتا رہے تو اللہ اسے نیکوکار لکھ دیتا ہے ۔

میری والدہ ماجدہ علیہا الرحمۃ کا انتقال بھوپال میں آکر ہوا ۔ تاریخ وفات برمذ پیر بوقت یکپاس شب ۲۴ ، محرم ۱۲۸۵ھ ہے ۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اس دن اُنہوں نے مغرب کی نماز لیٹ کر کے پڑھی اور حالتِ مرض میں سورۃ اخلاص پڑھتی رہی تھیں ۔ زندگی عمر صرف اس دن عشار کی نماز وقتِ اجل کے آجانے کے باعث فوت ہوئی ۔ غسل اور تکفین کے بعد جب میں نے ان کی پیشانی پر بوسہ دیا تو ان کے چہرہ کا رنگ زرد تھا ۔ اہلِ علم کی صراحت کے مطابق یہ حُسنِ خاتمہ کی علامت ہے ۔ آپ کی قبر میرے خُسر مدار المہام صاحب بہادر کے باغ کے متصل ہے ۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَلَهَا مَغْفِرَةً ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً لَا تُغَادِرُ ذَنْبًا ۔

تحصیلِ علم :

میں نے علم کو طلبِ دنیا یا حصولِ عزت و جاہ کے لیے حاصل نہیں کیا ، بلکہ نجات اور ایمان کا سبب سمجھتے ہوئے حاصل کیا ہے ۔ اور پھر کسی کی تحریک یا تشدید کے بغیر محض اپنے شوقِ خاطر سے سیکھا ہے ۔ بچپن میں معلّم سے

---

[1] رواہ البیہقی فی شعب الایمان ۔

قرآن مجید کے دو ایک پارے پڑھے تھے۔ سارا قرآن مجید پڑھنا یاد نہیں۔ البتہ عمرِ بلوغت تک پہنچنے کے قریب میں نے از خود سارا قرآن مجید پڑھ لیا تھا۔

فارسی میں بوستان کے دو چار ورق اور گلستان کے دو ایک باب میاں جی سے پڑھے تھے۔ پھر خود ہی انشائاتِ فارسی اور کتبِ فارسی کا بغیر کسی استاد کے مطالعہ کر لیا۔ اس زمانہ میں ہر کتاب کے دیکھنے سمجھنے کا شوق دامن گیر رہتا تھا۔ حتیٰ کہ قصہ و داستان کی بھی کوئی کتاب خواہ نظم ہو یا نثر ایسی نہیں جس کا ایک بار اوّل سے آخر تک مطالعہ نہ کیا ہو۔ حتیٰ کہ فسانہ عجائب، مثنوی میر تقی میر، شعراء ہند کے دواوین اُردو، شعراء فارسی کے متداول دواوینِ فارسی، مثنوی غنیمت زلیخا، سکندر نامہ، ابوالفضل، توقیعات اور سہ نثر ظہوری وغیرہ کا بھی مطالعہ کیا اور ان تمام کتب سے بحکم "خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدَرَ" اچھے اچھے فقرے اور جملے یاد کر لیے۔ فنونِ فارسی میں تحصیل ترتیب وار نہیں ہوئی بلکہ وقتاً فوقتاً کتابوں کا مطالعہ کیا۔ جس سے فارسی سمجھنے کا ملکہ راسخہ اور فارسی انشاء میں قدرت کاملہ حاصل ہو گئی۔

میں نے لکھنے کی تعلیم بچوں کی طرح حاصل نہیں کی، اور نہ ہی کسی سے خط کی اصلاح ہی لی۔ میرا خط محض طبعی ہے۔ لیکن اس کے باوصف میں سالہا سال تک ہشت ورق کا ایک جز روزانہ لکھتا رہا ہوں۔ اور اپنی تصنیفات کی متوسط و کلاں صدہا مجلدات لکھی ہیں۔ اور سابقہ مصنفین کی بعض کتابوں کو بھی شوق سے اپنے لیے نقل کیا ہے۔

عربی کتابیں میں نے معمول کے مطابق اساتذہ کرام سے پڑھی ہیں۔ مفتی صاحب مرحوم[1]

---

[1] ۱۲۰۴ھ — ۱۲۸۵ھ

سے علوم آلیہ، ادب، منطق، حکمت، تفسیر اور فقہ وغیرہ حاصل کئے۔ فراغت کے بعد مفتی صاحبؒ نے مجھے سند بھی مرحمت فرمائی۔ وہ سند میں نے اپنی کتاب "سلسلۃ العسجد" میں نقل کردی ہے۔ دہلی سے جب بھوپال واپس آیا تو یہاں فقہ السنۃ اور صحاح ستہ کو شیخ زین العابدین اور شیخ حسینؒ سے پڑھا۔ اور ان سے سند حاصل کی۔

اسی جگہ سے مولانا محمد یعقوبؒ صاحب مرحوم نواسۂ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ مہاجر مکہ معظمہ کو خط لکھ کر ان کے خاندانِ عالی شان کے علوم کی سند حاصل کی۔

مولانا عبدالحقؒ صاحبؒ ساکن نیوتنی جو کہ امام محمد بن علی شوکانیؒ وغیرہ محدثین ہندو یمن کے بلا واسطہ شاگرد ہیں۔ ان سے میں نے اساتذۂ حدیث و تفسیر کی جملہ مؤلفات و مرویات کی سند حاصل کی۔

اولاً۔ اس اجمال کی تفصیل میں نے اپنی کتاب "الحطہ" میں۔ اور ثانیاً۔ "سلسلۃ العسجد" میں بیان کی ہے۔

جب سے اللہ تعالیٰ نے کتبِ تفسیر و حدیث کا ذوق و شوق نصیب فرمایا ہے میں نے سب علوم فلسفیہ و حکمیہ سے دستبردار ہو کر اپنے اوقات کو کتاب و سنت

لے سنہ ۱۳۲۶ھ

ئے سنہ ۱۲۰۰ھ سنہ ۱۲۸۳ھ

سے سنہ ۱۱۵۹ھ سنہ ۱۲۳۹ھ

ٹے سنہ ۱۲۰۶ھ سنہ ۱۲۸۶ھ

ھے سنہ ۱۱۷۳ھ سنہ ۱۲۵۰ھ

کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ اس خدمت سے مجھے بے پایاں فیوض و برکات نصیب ہوئے ہیں۔

تفسیر و حدیث کے بعد میں نے دیگر علوم شرعیہ میں بھی کمال اتقان کے ساتھ عبور حاصل کیا۔ اور کبھی کبھی از راہِ تفنن طبع دیگر فنونِ رسمیہ مثلاً تاریخ، ادب، شعر اور نحو وغیرہ میں بھی تصنیف و تالیف کا اتفاق ہوا لیکن بہت کم، چنانچہ رسالہ "نصب الذریعہ" کے آخر میں جو میری مؤلفات کی فہرست درج ہے۔ اس سے یہ بات بخوبی واضح ہے۔

ابتدائے عمر میں طلبِ علم کے لیے جو ہمت و حوصلہ تھا بحمد اللہ وہ اب تک باقی ہے۔ کوئی سال و ماہ ایسا نہیں جو علمی مشاغل یا تصنیف و تالیف سے خالی رہا ہو۔ کیونکہ طلبِ علم کا وقت مہد سے لے کر لحد تک ہے۔ اور طلبِ صادق کا ثمرہ گناہوں کی بخشش ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے حدیث مروی ہے:

مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللَّهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ[1]

جو کوئی طلبِ علم کے راستہ پر چلے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کی راہ کو آسان بنا دیتا ہے۔

حضرت ابو الدرداءؓ سے مرفوع روایت ہے کہ:

"مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ فِيهِ عِلْمًا سَلَكَ اللَّهُ بِهِ طَرِيقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ

جو کوئی طلبِ علم کے لیے کسی راستے پر چلے اللہ تعالیٰ اسے جنت کی راہ پر چلا دیتا ہے۔ اور ملائکہ طالبِ علم کی

---

[1] رواہ مسلم۔

لَتَضَعُ اَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ[1] رضا جوئی کے لیے اپنے پروں کو اس کے پاؤں کے نیچے رکھتے ہیں"

حضرت ابو سعید خدریؓ سے مرفوع روایت ہے کہ:

لَنْ يَشْبَعَ الْمُؤْمِنُ مِنْ خَيْرٍ يَسْمَعُهُ حَتّٰى يَكُوْنَ مُنْتَهَاهُ الْجَنَّةَ[2] مومن خیر سنتے سنتے سیر نہیں ہوتا، حتیٰ کہ جنت میں پہنچ جاتا ہے۔

الحمدللہ کہ میرا نفس طلب خیر یعنی علم سے ہرگز سیر شکم نہیں ہوتا۔ اگرچہ بوڑھا ہو گیا ہوں۔ لیکن دینی کتب کے مطالعہ اور علوم حقہ کی تالیف میں جوان ہوں۔ اللّٰھم زد فزد!

حضرت حسنؓ سے مرسلاً روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْإِسْلَامَ فَبَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّيْنَ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ[3]" جس انسان کو اس حال میں موت آئے کہ وہ احیائے اسلام کی غرض سے طلب علم میں مصروف ہو تو جنت میں اس کے اور انبیاء کرام کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا"

میری دعا بھی اللہ تعالیٰ سے یہی ہے کہ مجھے طلب علم کی حالت میں موت آئے۔

حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

---

[1] رواہ احمد و اہل السنن الا النسائی و الدارمی۔

[2] رواہ الدارمی۔

[3] رواہ الدارمی۔

إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى أَوْحٰى إِلَيَّ أَنَّهُ مَنْ سَلَكَ مَسْلَكًا فِي طَلَبِ الْعِلْمِ سَهَّلْتُ لَهُ طَرِيقَ الْجَنَّةِ[1]

اللہ تعالیٰ نے میری طرف یہ وحی فرمائی ہے کہ جو کوئی طلبِ علم کے راستہ پر چلے میں اس کے لیے جنّت کی راہ آسان کردوں گا۔

حضرت ابن عباس رضؓ کا قول ہے:

تَدَارُسُ الْعِلْمِ سَاعَةً مِنَ اللَّيْلِ خَيْرٌ مِنْ إِحْيَائِهَا[2]

رات کی ایک گھڑی میں علمی مذاکرہ شب بھر کی بیداری سے بہتر ہے۔

حضرت انس بن مالک رضؓ سے مرفوع روایت ہے۔

مَنْهُومَانِ لَا يَشْبَعَانِ مَنْهُومٌ فِي الْعِلْمِ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ وَمَنْهُومٌ فِي الدُّنْيَا لَا يَشْبَعُ مِنْهَا[3]

دو شائق سیر نہیں ہوتے، علم کا شائق علم سے سیر نہیں ہوتا اور دنیا کا شائق دنیا سے سیر نہیں ہوتا۔

حضرت ابن مسعود رضؓ کی موقوف حدیث میں اس اجمال کی تفصیل ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

مَنْهُومَانِ لَا يَشْبَعَانِ صَاحِبُ الْعِلْمِ وَصَاحِبُ الدُّنْيَا وَلَا يَسْتَوِيَانِ أَمَّا صَاحِبُ الْعِلْمِ فَيَزْدَادُ رِضًا لِلرَّحْمٰنِ وَأَمَّا صَاحِبُ الدُّنْيَا فَيَتَمَادَى فِي الطُّغْيَانِ[4]

دو مشتاق، صاحبِ علم اور صاحبِ دنیا کبھی سیر نہیں ہوتے۔ لیکن مرتبہ کے اعتبار سے یہ دونوں ہرگز برابر نہیں کیونکہ صاحبِ علم تو خدا کی رضا جوئی میں ترقی کرتا ہے اور صاحبِ دنیا سرکشی میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔

---

[1] رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

[2] رواہ الدارمی۔

[3] رواہ البیہقی۔

[4] رواہ الدارمی۔

یعنی دُنیا دار صاحبِ مال ہوتا ہے اور عالم صاحبِ کمال علم سے اللہ تعالیٰ کی رضا ملتی ہے۔ جب کہ دنیا سے سرکشی حاصل ہوتی ہے۔ غرضنکہ طلبِ علم اور طالبِ علم کے فضائل کثرت ہیں، جو شخص طلبِ علم میں مشغول ہے اور اسے خاص اللہ کی رضامندی اور دین کی سربلندی کے لیے طلب کرتا ہے۔ وہ بڑا خوش بخت ہے۔ یہ فضائل تو طلبۂ علم کے ہیں۔ علماء کے فضائل تو اس سے بھی زیادہ ہیں۔ ان کا یہاں ذکر کرنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ہم جیسے لوگوں کو طالبِ علم ہونا ہی کفایت کرتا ہے۔ مرتبہ علم تک رسائی ہمارے سلف صلحاء کا کام تھا خلف میں نہ وہ ہمت ہے اور نہ اشتیاق۔ سلف و خلف کے علوم میں بہت زیادہ تفاوت ہے۔ اس بارہ میں علامہ ابن رجب[1] نے ایک نہایت مفید اور نفیس تقریر تحریر فرمائی ہے۔ جزاہ اللہ عنا خیراً۔

علاوہ ازیں ہم لوگ علماء نہیں ہیں۔ بلکہ محض حمّال (علم اُٹھانے والے) نقال (نقل کرنے والے) اور قوّال (زبان سے بیان کرنے والے) ہیں۔ پھر یہ حملِ علم بھی عدمِ عمل کی وجہ سے بے اثر ہے آہ ؎

طاعتِ ناقصِ ما موجبِ غفران نشود!
راضیم گر مدد علتِ عصیان نشود!

میں نے علومِ دین کے تمام ابواب کی خوب چھان پھٹک کر کے عربی، فارسی اور اُردو میں بہت سی کتابیں تالیف کی ہیں۔ میں نے ائمہ سلف اور علماءِ سابقین کی کتب سے استفادہ کیا ہے۔ کتبِ خلف سے بہت کم اخذ کیا ہے۔ اور بالخصوص معاصرین کی کتب کے مطالعہ کا تو بہت ہی کم اتفاق ہوا ہے۔ اس لیے کہ جو

---

[1] سنہ ۷۹۵ھ

امانت ودیانت سلف اہلِ علم میں تھی خلف میں نہیں ہے۔ سلف کا اختلاف مکابرہ مجادلہ، عصبیت یا خواہشِ نفسانی پر نہیں بلکہ مبنی بر تحقیق تھا۔ وہ لوگ دین کے معاملہ میں بڑے متقی، متدین اور محقق تھے۔ ہر علم، مسئلہ اور حکم میں وہ ہمیشہ اتباعِ حق کو ملحوظِ خاطر رکھتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے خلف کی بکواسات سے انہیں محفوظ رکھا تھا۔ اس لیے ان کے طریقہ کی پیروی موجبِ نجات ہے۔ اس کے برعکس خلف کا اختلاف سب وشتم اور عصبیت وخواہشاتِ نفس پر مشتمل ہے۔ جس کی بنیاد محض جہالت پر ہے۔ چنانچہ حدیث میں بھی آیا ہے کہ:

ان من العلم جهلاً

میری مستقل تصانیف کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہے، پھر بعض کتابیں کئی کئی مجلدات پر مشتمل ہیں مثلاً تفسیر "فتح البیان" متوسط درجہ کی دس جلدوں میں ہے "عون الباری شرح تجرید صحیح بخاری" متوسط درجہ کی چار جلدوں میں ہے...... "سراج وہاج شرح تجرید صحیح مسلم بن الحجاج" دو ضخیم جلدوں میں ہے "مسک الختام شرح فارسی بلوغ المرام" دو ضخیم جلدوں میں ہے۔ اگر چھوٹے بڑے تمام رسائل کا شمار کیا جائے تو پھر میری تالیفات تین سو سے بھی زیادہ ہیں۔

وذٰلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

میرے خیال میں ہر تالیف عربی، فارسی یا اُردو کسی زبان میں بھی ہو، اپنے باب میں "اجمع ما فی الباب" اور "خطیب فی المحراب" ہے۔ اور تحقیق ومدلل ہونے کے اعتبار سے دیگر لوگوں کی تصنیفات کی نسبت فائق ہے، بلکہ اس فن کی دیگر کتب سے مستغنی کر دینے والی ہے۔

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ

ہر چند میں نے یہ کتابیں اپنے استفادہ کے لیے لکھی ہیں، کسی کے افادہ

کے لیے نہیں لکھیں ۔ لیکن اس کے باوجود دوسروں کے لیے نہایت مفید ہیں ۔ ان کی تصنیف سے

اوّلاً مقصود اپنا نفع ہے کہ ہر حکم اور مسئلہ میں حق کا باطل سے اور صحیح و اصح کا اضعف و ضعیف سے امتیاز ہو جائے ۔ اور دلیل سے ثابت شدہ اور محض رائے سے لکھی گئی بات میں فرق نمایاں ہو جائے ۔

ثانیاً اس سے ان مسلمانوں کا فائدہ بھی مقصود ہے جو کسی قسم کے تعصب کے بغیر حق کے طالب ہیں ۔ اور جادۂ مستقیم پر چلنا چاہتے ہیں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا :

لَأَنْ يَّهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَّاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ ۔[1]	"تیری وجہ سے اللہ تعالی ایک آدمی کو ہدایت دے دے تو تیرے لیے سرخ اونٹوں کی دولت سے بھی بہتر ہے ۔"

حضرت عبداللہ بن عمرو رض سے مروی حدیث میں لفظ ہے :

"بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً ۔"[2]	"میری طرف سے آگے پہنچاؤ اگرچہ ایک آیت ہی ہو ۔"

اس حدیث میں علم حدیث کی اشاعت اور فضیلت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ۔ حدیث پر لفظِ آیت کا اطلاق خاص طور پر قابلِ توجہ ہے ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رض سے مرفوع روایت ہے کہ :

لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ	دو آدمیوں کے سوا کسی پر رشک نہیں کرنا

---

[1] متفق علیہ

[2] رواہ البخاری ۔

اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهُ عَلٰى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا[1] چاہیئے۔ ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا ہوا اور اس بات پر مقرر کر دیا ہو کہ وہ اسے راہ حق میں بے دریغ خرچ کرے اور دوسرا وہ جسے حکمت عطا کی ہو۔ چنانچہ وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا اور اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔"

اس جگہ حکمت سے مراد علمِ سنّت ہے۔ اس کی دلیل یہ فرمانِ خداوندی ہے۔

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ[2] (وہ رسولؐ جو) انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔"

اس لیے سلف کی کتبِ تفسیر مثلاً تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں ہر جگہ لفظ حکمت کو بمعنی حدیث لکھا ہے۔ حکمت کی لفظ سنّت سے تفسیر اکابر صحابہ کرام رضؓ اور تابعینؒ و تبع تابعینؒ سے بھی مروی ہے۔ حدیثِ ابوامامہ باہلی رضؓ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ وَأَهْلَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ حَتَّى النَّمْلَةَ فِي جُحْرِهَا وَحَتَّى الْحُوتَ لَيُصَلُّونَ عَلٰى مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ[3] اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے، ساکنینِ ارض و سما حتیٰ کہ اپنی بل میں چیونٹی اور مچھلی بھی لوگوں کو بھلائی سکھانے والے کی خیرخواہی کرتے ہیں۔

تعلیم کے دو طریقے ہیں

اول تدریس۔

دوم تصنیف و تالیف

؎ متفق علیہ ؎ البقرہ: ۱۲۹۔

؎ رواہ الترمذی۔

تدریس کی نسبت تالیف کا کام دیرپا ہے۔ اور باقیاتِ صالحات میں شمار ہوتا ہے۔ حدیثِ ابو ہریرہؓ میں ہے کہ:

"جب انسان مر جاتا ہے تو تین کے سوا اس کا ہر عمل منقطع ہو جاتا ہے۔ ایک صدقہ جاریہ، دوسرا علم جس سے فائدہ اُٹھایا جائے اور تیسرا ولدِ صالح جو اس کے لیے دُعا کرے[1]"

اس سے معلوم ہوا کہ موت کے بعد باقی رہنے والا علم بھی ایک ایسی بھلائی ہے جو اس علم والے کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی مفید ہے۔ اور تصنیف و تالیف ہی اس کا بہترین ذریعہ ہے۔ اسی وجہ سے سلف و خلف حضرات علمار کرام تصنیف و تالیف اور علوم و فنون کے جمع و تدوین میں نہایت سرگرم رہے ہیں۔ اگر ان کی تالیفات نہ ہوتیں تو امت گمراہ ہو جاتی۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے اہلِ علم سے عہد لیا ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے اللہ کے احکام کو بیان کریں۔ اور صرف زبانی بیان کر دینا یقیناً ناکافی ہے۔ بلکہ اس سلسلہ میں تصنیف و تالیف بھی ایک ضروری امر ہے۔ اگرچہ علمِ دین تو صرف وہی ہے جو کتاب و سنّت میں ہے۔ لیکن زمان و مکان اور لغت و زبان کے اعتبار سے اندازِ بیان بدلتے رہتے ہیں۔ اسی علم کو جب مختلف زبانوں اور متنوع اسالیبِ نگارش میں، زمانہ کے تقاضوں کے مطابق عالم، محقق اور خوش بیان مصنّف بیان کرتا ہے تو اس سے دل بہت متأثر ہوتا ہے حتیٰ کہ ہر قاری بے ساختہ پکار اُٹھتا ہے ؎

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے (غالب)

---

[1] رواہ مسلم۔

اسی وجہ سے ہر زمانہ میں علماء کرام نے اسلام، ایمان اور احسان کے حقائق کو مختلف الفاظ و عبارات میں بیان کیا ہے۔ مثلاً مواعظ میں احیاء علوم الدین[1] بہترین کتاب ہے، حدیث میں فتح الباری[2] شرح صحیح البخاری بے مثل، فقہ سنت میں "نیل الاوطار"[3] "السیل الجرار"، "وبل الغمام"[5]، "مسک الختام"[6] "فتح العلام"[7] اور "الروضۃ الندیہ"[8]، تفسیر میں تفسیر ابن کثیر، فتح القدیر[9]، فتح البیان[10] اور ترجمان القرآن[11]" طبقات اولیاء میں امام شعرانی رح کی کتاب، منن میں ان کی کتاب لطائف المنن"، تراجم علماء میں الدرر الکامنۃ[12]"، البدر الطالع[13] اور التاج المکلل[14]" وغیرہ بہترین کتابیں ہیں۔ حضرت

---

[1] امام غزالی رح کی مشہور کتاب۔

[2] حافظ ابن حجر کی شہرۂ آفاق تصنیف۔

[3] امام شوکانی رح کی تصنیف۔

[4] " " " "

[5] " " " " " " "

[6] حضرت نواب صاحب کی تصنیف

[7] نواب صاحب کے بیٹے نورالحسن کی تصنیف۔

[8] حضرت نواب کی تصنیف

[9] امام شوکانی رح کی تفسیر۔

[10] حضرت نواب صاحب کی عربی تفسیر۔

[11] " کی اردو تفسیر

[12] از حافظ ابن حجر عسقلانی رح

[13] از امام شوکانی رح

[14] از نواب صدیق حسن خان

ابوہریرہ رض سے روایت ہے کہ:

إِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهِ وَحَسَنَاتِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ عِلْمًا عَلَّمَهُ وَنَشَرَهُ وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهُ أَوْ مُصْحَفًا وَرَّثَهُ أَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ أَوْ بَيْتًا لِابْنِ السَّبِيلِ بَنَاهُ أَوْ نَهْرًا أَجْرَاهُ أَوْ صَدَقَةً أَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهِ فِي صِحَّتِهِ وَحَيَاتِهِ تَلْحَقُهُ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِ۔	مومن کو اس کی وفات کے بعد اس کے درج ذیل اعمال و حسنات کا ثواب پہنچتا رہتا ہے۔ علم جس کی اس نے اشاعت کی ہو، نیک لڑکا جسے وہ چھوڑ کر فوت ہوا ہو یا قرآن مجید جو اس نے کسی کو دیا ہو یا مسجد جسے اس نے بنایا ہو یا سرائے بنائی ہو یا نہر جاری کی ہو یا وہ صدقہ جسے اس نے اپنی صحت و حیات کے زمانہ میں اپنے مال سے ادا کیا ہو۔[1]

اس حدیث میں باقیاتِ صالحات کا ذکر ہے۔ اور ان میں سے ایک نشرِ علم بھی ہے۔ علم کی نشر و اشاعت تدریس یا تصنیف سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا گیا۔ ان میں سے اوّل الذکر فانی اور مؤخر الذکر باقی ہے۔ حضرت انس بن مالک رض سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کیا تم جانتے ہو کہ سب سے زیادہ سخاوت کرنے والا کون ہے؟" عرض کیا گیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔" آپؐ نے فرمایا سب سے زیادہ سخی اللہ تعالیٰ ہے، پھر میں ہوں، اور پھر وہ شخص جو میرے بعد علم سیکھ کر اس کی نشر و اشاعت میں سرگرم عمل ہو جائے، یاد رہے ایسے شخص کو قیامت کے دن ایک امت کی حیثیت میں اٹھایا

---

[1] رواہ ابن ماجہ

جائے گا"۔[1]

یہاں بھی نشر و اشاعت سے مقصود تدریس اور تالیف دونوں ہیں، لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان احادیث میں جس علم کے سیکھنے سکھانے، پڑھنے پڑھانے، اور نشر و اشاعت کے فضائل بیان کئے گئے ہیں، وہ کون سا علم ہے؟ اس کا جواب حضرت ابنِ عمرو رضؓ سے مروی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل ارشاد میں موجود ہے۔

اَلْعِلْمُ ثَلَاثَۃٌ اٰیَۃٌ مُّحْکَمَۃٌ اَوْ سُنَّۃٌ قَائِمَۃٌ اَوْ فَرِیْضَۃٌ عَادِلَۃٌ وَمَا کَانَ سِوٰی ذٰلِکَ فَھُوَ فَضْلٌ[2]	علم تین ہیں اول آیتِ محکمہ، دوم سنتِ قائمہ اور سوم فریضۂ عادلہ۔ اس کے علاوہ سب کچھ زائد ہے۔

اگرچہ یہاں حصر کا کوئی لفظ تو استعمال نہیں ہوا، لیکن عبارت کی ترکیب حصر کی مقتضی ہے۔ یہ حدیث اس سلسلہ میں نصِ قاطع ہے کہ علم (جس کے فضائل بیان ہوئے ہیں) سے مراد فنونِ حکمت اور علومِ فلاسفۂ یونان نہیں بلکہ علومِ کتاب و سنّت ہیں۔ اس لیے ان فنون کا کوئی ماہر اگر یہ گمان کرے کہ یہی مذکورہ فضائل و مناقب کا مصداق ہوں تو وہ درایت سے جاہل ہے۔ اس کا علم جو غیر طریقۂ نبوت سے ماخوذ ہے وہ اس کے لیے موجبِ نجات ہونے کے بجائے وبالِ عظیم اور باعثِ ہلاکت ہوگا۔

علمے کہ نہ ماخوذ ز مشکوٰۃ نبی ست
واللہ کہ سیرابی ازاں تشنہ لبی ست

---

[1] رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

[2] رواہ ابوداؤد وابن ماجہ۔

جائیکہ بود جلوۂ حق حاکم وقت!
تابع شدنِ حکمِ خرد بوالہبی ست!

بلکہ جب عارف باللہ علماء کرام کے نزدیک علم فقہ علوم دنیا میں داخل ہے جیسا کہ امام غزالیؒ نے "احیا" میں اور دوسرے علماء نے اپنی اپنی کتابوں میں اس کی صراحت کی ہے۔ تو پھر ان فنون کا ذکر ہی کیا، جن کا اسلام سے دُور کا واسطہ بھی نہیں؟ حضرت معاویہؓ سے مرفوع روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْأُغْلُوطَاتِ[1]؟ — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اغلوطات سے منع فرمایا۔

مرقاۃ میں اغلوطات کی تشریح اس طرح کی گئی ہے کہ:

"أَيْ عَنْ سُؤَالِ الْمَسَائِلِ الَّتِي يُغَالَطُ بِهَا الْعُلَمَاءُ لِإِشْكَالٍ فِيهَا۔ — اس سے مراد ایسے مسائل کے متعلق سوال کرنا ہے، جن میں اشکال ہونے کی بناء پر علماء کو مغالطہ میں مبتلا کیا جا سکے۔"

چنانچہ تمام علوم فلاسفہ اور فنونِ باطلہ، اس حدیث کے مصداق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے بچائے۔

علم کے موتی:

اللہ تعالیٰ نے جب مجھے کتاب وسنت کا علم عطا فرمایا اور تمام علوم متداولہ اور فنونِ رسمیہ سے نفرت بخشی ہے تو اپنے خزانۂ کرم سے مجھے علماء سلف اور ائمہ ملت کی وہ کتابیں عنایت فرمادیں جو اس زمانہ میں نہایت کمیاب یا نایاب تھیں۔ ان

---

[1] رواہ ابوداؤد۔

میں سے کچھ کتابوں کو تو میں نے نہایت کوشش سے خاطر خواہ قیمت دے کر بلادِ عرب و عجم سے خریدا مثلاً "فتح الباری" کا مکمل نسخہ ہندوستان میں کہیں دیکھا سُنا نہ گیا تھا۔ میں نے حدیدہ سے چھ سو روپیہ میں خریدا۔ وہ ابنِ علان کا قلمی نسخہ تھا۔ پھر اسی نسخہ کو پچاس ہزار روپیہ صرف کر کے مطبع بولاق، مصر سے زیورِ طبع سے آراستہ کرایا۔ اور اب تو اسی نسخہ کو سامنے رکھ کر ہندوستان کے بہت سے پریس جا بجا شائع کر رہے ہیں۔ اسی طرح نظر ثانی کر کے تفسیر ابن کثیر کو "فتح البیان" کے ساتھ طبع کرایا۔ اور یہ ابن کثیر کی طبع دوم تھی۔ اور کچھ کتابیں بصرہ اور بغداد سے میرے مطالبہ کے بغیر ہی آگئیں۔

جب دُور دراز کے لوگوں کو علوم قرآن و حدیث کے متعلق میرے شوق کا پتہ چلا تو انہوں نے کچھ کتابیں برائے فروخت بھیجدیں اور ان کی حیثیت سے زیادہ قیمت وصول کی۔ میں نے بھی دیدہ و دانستہ کمال شغف سے ان کو خرید لیا ؎

جمادی چند دادم جان خریدم
بحمداللہ بسے ارزاں خریدم

میرے پاس ابنِ حجر عسقلانیؒ، ذہبیؒ، شعرانیؒ، منذری، سفارینیؒ، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، حافظ ابن قیمؒ، ابن رجب حنبلیؒ، ابن الجوزیؒ، سیوطیؒ اور ائمہ یمن اور دیگر علماء کی تالیفات کی ایک کثیر تعداد موجود ہے۔ خصوصاً سید محمد بن اسمٰعیل امیرؒ اور قاضی محمد بن علی شوکانیؒ کی تالیفات تو میرے پاس بکثرت موجود ہیں۔ یہ کتب کبریتِ احمر اور عنقائے مغرب کی طرح اس وقت دنیا میں مفقود ہیں۔ میں نے لاکھوں روپے صرف کر کے ان کتابوں کو حاصل کیا ہے۔ اور ان تمام متبرک کتابوں سے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔ وللہ الحمد ؎

وَاجْعَلْ عَلَيْكَ دَفْتَرًا فِي نَشْرِهِ ... لِلْمَيْتِ مِنْ حِكَمِ الْعُلُومِ نُشُورُ
وَكِتَابُ عِلْمٍ لِلْأَدِيبِ مُؤَانِسٌ ... وَمُؤَدِّبٌ وَمُبَشِّرٌ وَنَذِيرُ
وَمُفِيدُ آدَابٍ وَمُؤْنِسُ وَحْشَةٍ ... وَإِذَا انْفَرَدْتَ فَصَاحِبٌ وَسَمِيرُ

پھر ان میں بعض کتابیں ایسی بھی ہیں جن پر ان کے مؤلفین کے دستخط ہیں۔ یا خود مصنف کے قلم سے ہی لکھی ہوئی ہیں۔ اس سلسلہ میں حافظ ابن حجرؒ، امام شوکانیؒ اور سید امیرؒ کی کتابیں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ بعض کتابوں کے سو، دو سو، تین سو، چار سو، حتیٰ کہ چھ، سات، آٹھ سو برس کے قدیم نسخے بھی ہیں۔ وہ قدیم و جدید کتب جو اس وقت مصر اور استانبول وغیرہ سے طبع ہو رہی ہیں۔ ان کا تو ایک عظیم ذخیرہ میرے پاس موجود ہے۔ اگرچہ ان میں سے بھی اکثر کتابیں ابھی تک ہندوستان میں نہیں پہنچی ہیں۔ میرا کتاب خانہ ہزاروں نہیں تو صدہا کتابوں سے ضرور منجاوز ہے۔ اور علومِ حقّہ کی روح رواں ہے۔

خدا جانے میرے بعد میری ان کتابوں کا کیا انجام ہوگا۔ اس لیے کہ میری اولاد اگرچہ بقدرِ ضرورت تحصیلِ علم کر چکی ہے۔ لیکن میری طرح کتبِ نفیسہ اور علومِ مختلفہ کا اسے شغف نہیں ہے۔ یفعل اللہ ما یشاء و یحکم ما یرید۔

اپنے کتب خانہ کی کچھ کتابوں کے نام میں نے اپنے رسالہ "سلسلۃ العسجد" میں لکھ دیئے ہیں۔ اس فہرست کے بعد جو نفیس کتب مجھے حاصل ہوئی ہیں۔ ان کا یہاں تذکرہ نہایت طوالت کا باعث ہوگا۔ میری اکثر کتابیں علوم تفسیر، حدیث، فقہ سنت، تصوف اور ادب سے متعلق ہیں۔ فقہ مصطلح کی کتابیں بالکل نہیں ہیں۔ کیونکہ مجرد رائے لائقِ تدوین نہیں ہوتی۔ اور شریعت کا مطلوب اور علماء کا مقصود بھی ہمیشہ کتب ادلّہ و براہین ہوتی ہیں۔ چنانچہ وہ بحمد اللہ بکثرت موجود ہیں۔ اسی وجہ سے کتبِ مروّجہ کی نسبت میری تالیفات کو ترجیح حاصل ہے الصباح یعنی

عن المصابح۔ میرا خیال ہے کہ اگر کسی صاحب دین اور صاحب شوق کے پاس کوئی دینی کتاب نہ ہو تو ہر موضوع پر میری کتاب اسے اہلِ علم سے استفتا اور کتبِ مذہب سے مستغنی کر سکتی ہے۔

كُلُّ الصَّيْدِ فِي جَوْفِ الْفَرَا۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ عَلٰى ذٰلِكَ۔

خلقِ خدا کی غائبانہ شہادت:

میری تصنیفات جب بلادِ عرب و عجم میں منتشر اور مروج ہوئیں تو دور دراز کے بہت سے علمائے کرام نے کسی تعارف یا راہ و رسم کے بغیر، غائبانہ طور پر ہی ان پر تقاریظ لکھیں، اور صدہا خطوط بھیج کر کتابیں طلب کیں۔ چنانچہ میری کتابیں عدن، یمن، صنعاء، زبید، بیت الفقیہ، حدیدہ، بغداد، حرمین شریفین، مصر، قدس، دمشق، بیروت، قازان، قسطنطنیہ اور فارس تک پہنچ چکی ہیں۔ اہلِ علم و فضل نے ان کو نہایت پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ اور کسی نے ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ حالانکہ ان کتب میں دلیل کا اتباع کیا گیا ہے۔ تقلید کی پابندی نہیں کی گئی۔ سو یہ ان لوگوں کا انصاف ہے۔ اگرچہ وہ حنفی، شافعی، مالکی یا حنبلی ہیں۔ لیکن ان کے اعتراض نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ میں نے اپنی کسی تصنیف میں بھی ادب کے دامن کو نہیں چھوڑا۔ ائمہ کرام کے مختلف فیہ مسائل اور ان کے دلائل ذکر کرنے کے بعد میں نے قیل و قال سے نہیں بلکہ قوتِ دلیل سے ترجیح دی ہے کسی امام یا ماموم کے متعلق کوئی نازیبا کلمہ میرے قلم کی زبان سے نہیں نکلا۔ اور نہ میں نے کسی مخاطب کو اپنے ردو قدح کا ہدف ہی بنایا ہے۔ آخرت کے طلبگار علماء کی یہی شان ہوتی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمایئے کہ کسی مذہبِ فقہ کی کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں اختلافِ مذاہب کا ذکر نہ ہو لیکن کسی نے آج

تک اپنے مخاطب کو برا نہیں کہا۔ اگرچہ بعض مسائل کی تردید یا اپنے مذہب مختار کی توضیح ضروری جاتی ہے۔ مثلاً کتب حنفیہ، شافعی و مالکی مذہب سے اختلاف پر مشتمل ہیں، لیکن ہمیں جابجا اس قسم کے الفاظ نظر آتے ہیں:

"خلافاً للشافعي وخلافاً لمالك وخلافاً لفلان الامام۔

اسی طرح کتبِ شافعیہ میں:

"خلافاً للحنفية اولابي حنيفة رح۔

کے الفاظ نظر آتے ہیں۔ بلکہ ایک مذہب کی اپنی کتابوں میں ہی ہمیں حد سے زیادہ اختلاف نظر آتا ہے۔ مثلاً حنفیہ و شافعیہ کی کتب تفریعات ملاحظہ فرمائیے، ان میں کس قدر تعارضِ اقوال موجود ہے۔

اختلاف تو بذاتِ خود مذموم نہیں، بلکہ سلف و خلف اور متقدمین و متاخرین نے جس بات کو مذموم قرار دیا ہے، وہ یہ ہے کہ مخالف پر تبرّا بازی، لعن طعن اور دشنام طرازی کی جائے یا اس کی تکفیر و تضلیل کی جرأت کی جائے۔ متاخرین نے اس تیرہویں صدی میں یہ کام خوب سرانجام دیا ہے۔ روافض اور شیعہ کی ہمسائیگی کی وجہ سے ان میں بھی یہ خصلت پیدا ہوگئی ہے۔ وما اشبه الليلة بالبارحة

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی
خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبتِ زاغ

اس زمانہ میں تو تکفیر اس حد تک سستی ہوگئی ہے کہ ایک ذرا سے بے حقیقت جزئی فروعی فقہی مسئلہ کے اختلاف پر ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوے لگائے جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ مسئلہ عقائد سے متعلق ہوتا ہے۔ نہ ضروریاتِ دین سے۔ افسوس کہ یہ لوگ کیوں نہیں سمجھتے کہ بسا اوقات کفر کی تکفیر خود مکفر پر لوٹ آتی ہے۔ کیونکہ جب تک علانیہ کفر صادر نہ ہو، کوئی شخص محض تاویل سے کافر

نہیں ہوتا۔ اِلّا یہ کہ تاویل لہو و لعب کے طور پر کی جائے۔ یہ جرأت صرف ایسے لوگ کرتے ہیں، جو عوام ہو کر عالم بن گئے ہیں یا حرف شناس ہو کر فاضل بن گئے ہیں، نہ ادب رکھتے ہیں اور نہ تمیز!

بہر کیف میں ذکر یہ کر رہا تھا کہ بہت سے لوگوں نے غائبانہ طور پر میری کتابوں پر تقریظیں لکھی ہیں۔ اس رسالہ میں میری کتاب "قرۃ الاعیان و مسرۃ الاذہان" خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ جو صاحب جوائب جناب احمد فارس متوفی ۱۳۰۵ھ محرم نے میری فرمائش کے بغیر ہی طبع کر دی تھی۔ اس پر نظم و نثر میں بہت سی تقاریظ ہیں۔ جو وہاں کے علماء کرام نے غائبانہ طور پر لکھی تھیں۔ عربی ممالک سے آئی ہوئی صدہا تقاریظ میرے پاس موجود ہیں۔ جو کہ ابھی تک غیر مطبوع ہیں۔ اور جنہیں میں نے ابھی تک کتابوں کے ساتھ ملحق نہیں کیا۔ اِلّا ما شاء اللہ۔

مجھے ان تقاریظ سے کچھ فخر و فرحت نہیں۔ کیونکہ من آنم کہ من دانم، البتہ اس بات کی خوشی ضرور ہے کہ ان تقاریظ کے لکھنے والوں میں سے اکثر شخصیتیں ایسی ہیں۔ جن کی دیانت، علم اور تقویٰ مسلمہ امر ہے، شاید ان کی ثناء اور دعا میری مغفرت کا موجب بن جائے۔ لہٰذا ان تقاریظ پر میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

دوسری قسم کی تقاریظ وہ ہیں جو شعراء، صاحبِ طرز انشاء پردازوں، اور ادیبوں نے میری اردو اور فارسی کتابوں پر لکھی ہیں، بعض نے محض اپنی کوشش سے اور بعض نے تالیف یا طباعت کی تاریخ ضبط کرنے کی غرض سے یہ کام سر انجام دیا ہے۔ میں نے ان کو اس لیے درج کر دیا ہے کہ ان تحریروں سے لکھنے والوں کے کلام کی فصاحت و بلاغت ظاہر ہوتی ہے۔ میں نے انہیں اس لیے ہرگز درج نہیں کیا کہ میں ان فرضی مدائح کا مستحق ہوں۔ یا وہ دینی و دنیاوی اوصاف مجھ میں موجود ہیں۔ جو انہوں نے بیان کئے ہیں۔ کیونکہ اپنے نقائص

وعیوب کی حقیقت جو مجھے معلوم ہے، وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہے، اگر انہیں بھی معلوم ہو جائے تو شاید وہ مدح کے بجائے کمال ہجو کرتے۔ اس کے باوجود بتقاضائے بشریت میرے دل میں کبھی اس نظم ونثر سے مسرت آئی ہو تو میں بارگاہِ الٰہی میں ہزار زبان ودل سے توبہ کرتا ہوں۔

دینی کتب کی اشاعت:

میرا اکثر مال علوم کتاب وسنّت کی اشاعت میں صرف ہوا ہے۔ میں نے ہر کتاب کو ایک ہزار کی تعداد میں طبع کرا کے قریب وبعید کے تمام ممالک میں تقسیم کیا ہے۔ اگرچہ ان پر ہزاروں روپے صرف ہوئے ہیں۔ تاہم کبھی کسی سے کسی کتاب کی قیمت وصول نہیں کی۔ میری اولاد نے بھی بعض کتب ورسائل کو تصنیف کیا ہے۔ ان کتب کا ذخیرہ اس قدر ہوگیا ہے کہ اب آیندہ مجھے یا میری اولاد کو کوئی کتاب تالیف کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور پھر اب زمانہ بھی ایسا آگیا ہے کہ گھروں میں خلوت نشیں ہو کر سکون کے ساتھ زندگی بسر کرنا فرض ہے۔

عَلَيْكَ بِخَاصَّةِ نَفْسِكَ وَدَعْ أَمْرَ الْعَوَامِ[1]

ایک طالب آخرت مسلمان کے لیے اسی قدر کافی ہے کہ علم حق معلوم کر کے خود بقدرِ استطاعت عمل کرے اور مناظرہ، مکابرہ اور تالیفات سے بچے، اور بحث ومجادلہ سے دُور رہے۔

اُسْتُرْ ذَهَبَكَ وَذَهَابَكَ وَمَذْهَبَكَ ؎

دانی کہ چنگ وعود چہ تقریر می کنند
پنہاں خورید بادہ کہ تکفیر می کنند

آجکل دین ودنیا کے فتنے اس قدر بکثرت ہیں کہ اگر اپنا ایمان محفوظ

---

[1] رواہ الترمذی وابن ماجہ

رہے، تو اسے بہت بڑی غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ اب کسی کی دینی اعانت ونصرت یا امورِ دنیا میں شرکت کا موقع نہیں۔ فالحذر الحذر والنجا النجا والوحا الوحا ۔

غالب بریدم از ہمہ خواہم کہ زیں سپس
کنجے گزینم و بپرستم خدائے را!

میں دیکھتا ہوں کہ خصوصاً اس جگہ میرا کوئی دوست نہیں۔

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ[1] اللہ رب العالمین کے سوا یہ سب میرے دشمن ہیں۔

مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کیوں کہ میں اللہ تعالیٰ کو دین و دنیا میں اپنے اخلاف کے لیے کافی سمجھتا ہوں نہ کسی کی دوستی کا طالب ہوں اور نہ کسی کی دشمنی کے لائق ہوں ۔

شائستگیٔ عداوتم نیست!
بس منفعلم ز کینہ ور ہا

مناظرہ ومباحثہ سے نفرت:

ابتدائے طالب علمی سے اب تک عمر کی پچپن بہاریں دیکھ چکا ہوں۔ اس عرصہ میں میں نے کبھی کسی طالب علم، عالم یا درویش سے مناظرہ، مباحثہ، مجادلہ یا مکابرہ نہیں کیا اور نہ کسی معین شخص کی ردو قدح میں کوئی کتاب یا رسالہ ہی لکھا۔ کیونکہ حدیثِ ابوامامہ رضؓ میں فرمایا گیا ہے:

مَا ضَلَّ قَوْمٌ بَعْدَ هُدًى كَانُوْا عَلَيْهِ اِلَّا اُوْتُوا الْجَدَلَ ثُمَّ قَرَءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ

جو قوم بھی ہدایت پر قائم ہونے کے بعد گمراہی میں گرتی ہے، اس میں جدل وجدال اور جھگڑے کی عادت پیدا ہو جاتی ہے پھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] الشعرآء: ۷۷

مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ؁[1]

یہ آیت پڑھی: انہوں نے تیرے لیے یہ مثال محض جھگڑے کے لیے بیان کی ہے بلکہ واقعہ یہ ہے ہی جھگڑالو قوم۔

اس حدیث کے ذیل میں شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ:

اَلْمُرَادُ بِالْجَدَلِ هُنَا الْعِنَادُ وَالْمِرَاءُ وَالتَّعَصُّبُ لِتَرْوِيْجِ مَذْهَبِهِمْ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمْ نُصْرَةٌ عَلٰى مَا هُوَ الْحَقُّ وَذٰلِكَ مُحَرَّمٌ۔

جدل سے یہاں مراد ناحق طور پر اپنے مذہب کی ترویج واشاعت کے لیے عناد، جھگڑے اور تعصب سے کام لینا ہے اور یہ حرام ہے۔

حضرت انس رضؓ سے مروی حدیث میں ہے:

مَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بُنِيَ لَهٗ فِيْ وَسْطِ الْجَنَّةِ۔[2]

"جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے، اس کے لیے جنت کے وسط میں گھر بنایا جائے گا۔"

حدیث بلال بن حارث میں ہے:

اِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنَ الشَّرِّ مَا يَعْلَمُ مَبْلَغَهَا يَكْتُبُ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْهِ سَخَطَهٗ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَاهُ۔[3]

"آدمی کبھی کبھی ایسا شرانگیز کلمہ کہہ دیتا ہے کہ اس کے شر کا اسے اندازہ نہیں ہوتا لیکن اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ قیامت تک اس پر ناراض ہو جاتا ہے۔"

حدیث عبداللہ بن عمرو رضؓ میں ہے:

---

[1] رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ۔

[2] رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث حسن وکذا فی شرح السنۃ وفی المصابیح قال غریب۔

[3] رواہ فی شرح السنۃ وروی مالک والترمذی وابن ماجہ نحوہ۔

مَنْ صَمَتَ نَجَا[1] خاموش رہنے والا نجات پا گیا۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ نجات کس چیز میں ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

اِمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ[2] اپنی زبان پر قابو رکھو، گھر میں بیٹھے رہو اور گناہوں پر آنسو بہاؤ۔

تمام عرب و عجم میں صرف تین چار آدمیوں نے میرے بعض رسائل پر اعتراضات کئے، اور پھر انہیں بالا بالا طبع کرا کے مشہور بھی کیا۔ لیکن میں نے ان کا خاموشی کے سوا اور کوئی جواب نہ دیا۔ اور نہ کسی کے سامنے بے جا شکوہ کیا۔ حالانکہ ان کا مباحثہ غلط تھا۔ اور اس کی بنیاد تحقیقِ حق پر نہیں بلکہ مذہبی حسد و عصبیت پر تھی۔ مدراس کے ایک کم علم شخص نے مسئلہ استوا علی العرش پر میرے رسالہ "مدا جنوبلو" کا رد لکھا تھا۔ لیکن میرے علم کے بغیر ہی بعض لوگوں مثلاً مولانا عبدالقادر آرکاٹی اور سید نظام الدین نقوی میلا دپوری سلمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا شافی جواب لکھ کر اسے عاجز و ساکت کر دیا۔

سلہٹ کے ایک عبدالقادر نامی شخص نے میرے رسالہ "نہج مقبول" پر حدیث کے دو ایک مسائل مثلاً مالِ تجارت پر زکوٰۃ کے عدم وجوب کے سلسلہ میں اعتراض کیا تھا۔ اس کا بھی بعض علماء نے نہایت تسلی بخش جواب لکھ دیا تھا۔ مشکل یہ ہے کہ میں تقلید کو نہیں بلکہ دلیل کو مذہب کہتا ہوں۔ لیکن لوگ از روئے تقلید مجھ پر اعتراض کرتے ہیں۔

---

[1] رواہ احمد والترمذی والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان۔

[2] رواہ احمد والترمذی۔

اسی طرح لکھنؤ کے ایک صاحب نے "اتحاف" اور دہلی کے ایک شخص نے رسالہ "فتح المغیث" کے سنوات وفیات پر عدم صحت کے اعتراضات کئے تھے۔ حالانکہ یہ امور محلِ اعتراض سے بالکل بعید ہیں۔ کیونکہ وفیات وغیرہ کا اختلاف سلف سے برابر کتابوں میں منقول چلا آ رہا ہے۔ میں نے یہ سنوات وفیات "کشف الظنون" وغیرہ سے نقل کئے تھے اور ناقل پر صرف تصحیح نقل لازم ہے اور بس۔

فقہ سنّت کے مسائل جو نصوصِ صریحہ و صحیحہ سے مستنبط کئے گئے ہیں، اُن کا علماء مذاہب کے اقوال سے مقابلہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اور نہ وہ اقوال کسی اہلِ سنّت فقیہ کے لیے حجت ہو سکتے ہیں۔

دلیل کو ماننے والا اور دلیل سے استدلال کرنے والا تو اسی وقت کسی اعتراض کو در خورِ اعتنار سمجھ سکتا ہے، جب اس کے قول کو کسی مقدم یا مساوی نص کے خلاف ثابت کیا جائے۔ ورنہ اگر تمام دنیا بھی دلیل کے خلاف کہتی ہے تو کہتی رہے، معترض علیہ پر اس کا جواب واجب نہیں ہوگا۔ جس شخص کا علم محض اللہ کے لیے یا آخرت کی بہتری کے لیے ہوتا ہے۔ وہ ہرگز اس طرح کا نخر نشار نہیں کرتا۔ یہ گاؤ زوری، یہ گردن کی رگوں کا پھول جانا اور یہ بلند آوازی انہی لوگوں کا کام ہے، جو علم اور طلبِ آخرت کی لذّت سے محروم ہیں۔ یاد رہے اس فعل کو حدیثِ شریف میں نفاق کا ایک شعبہ قرار دیا گیا ہے۔

اختلافِ اُمّت:

میں صرف اہلِ سنّت کو فرقہ ناجیہ سمجھتا ہوں۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، ظاہری، اہلِ حدیث اور اہلِ سلوک میں سے کسی کے متعلق گمان بد نہیں رکھتا، اگرچہ مجھے معلوم ہے کہ ان میں سے ہر گروہ کے کچھ مسائل خلافِ دلائل ہیں۔ اور کچھ موافق نصوص، ان

کے بعض فتاویٰ صحیح اور بعض ضعیف یا مردود ہیں۔ لیکن حکم اکثر کے مطابق ہوتا ہے۔
اتن کے مطابق نہیں ۔ائمہ سلف سے بعض احادیث پر عمل متروک ہوگیا ہے۔اس کے
بیس وجوہات ہیں، جو کہ جلب المنفعۃ ، میں لکھے گئے ہیں ۔ائمہ سلف پر مخالفت سنّت
کا طعن کرنا، انصاف کا خون بہانا ہے۔ البتّہ ان کے جو مقلّد کتاب و سنّت کے دلائل
کے واضح ہو جانے کے بعد بھی ان کی محض رائے کی تقلید پر جمے ہوئے ہیں، میں ان کو
خاطی سمجھتا ہوں، مگر وہ نہیں، ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار نہیں کرتا، اور نہ معاذاللہ
انہیں کافر کہتا ہوں۔

عبادات و معاملات کے مسائل میں اہل علم کا اختلاف کفر و اسلام کا اختلاف نہیں
اسے زیادہ سے زیادہ اجتہاد یا فہم کی غلطی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اور اسے صرف علماء راسخین
ہی معلوم کر سکتے ہیں، جن کا کام تحریفِ محالین، انتحال مبطلین اور تاویلِ جاہلین کی نفی
ہے۔ اللہ سے اُمید ہے کہ ایسی خطا کا قائل و فاعل اگر دین میں مخلص اور غیر متعصب
ہو اور کسی قوی شُبہ کی وجہ سے گرفتار ہو گیا ہو تو اس کی خطا معاف ہو جائے گی۔ اگر
خطا پر جمود خدا و رسول کی مخالفت اور عناد کے باعث دانستہ ہے تو یہ نہایت اندیشہ
کی بات ہے۔ تاہم کسی راجی و خائف مسلمان کی نسبت ایسی بدگمانی کرنا اچھی بات نہیں
نَحْنُ نَحْكُمُ بِالظَّوَاهِرِ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالسَّرَائِرِ۔

اصولِ دین کا اختلاف غالباً کفر تک لے جاتا ہے۔ اسلام کے بہتّر فرقے فروعی اختلاف
کے باعث ناری اور غیر ناجی نہیں ہوئے، بلکہ وہ اصول و عقائد میں اختلاف کے سبب
دائرہ نجات سے نکل کر ہلاکت کے گڑھے میں جا گرے ہیں۔ میں نے رسالہ "کشف الغمّۃ
فی افتراق الامّۃ" میں ان سب فرقوں کے اصول و عقائد کا ذکر کر دیا ہے۔

مُتّبع دلیل کا مرتبہ مقلّد کی نسبت بلند ہے یا نہیں ؟ یہ ایک ایسی بات ہے جو
آفتابِ نصف النہار سے زیادہ روشن اور ماہ و شب چہاردہم سے زیادہ درخشاں ہے

اور عقلی، عرفی اور شرعی ہر اعتبار سے لوگوں پر واضح ہے۔ اس کا انکار امرِ بدیہی کا انکار ہے۔ مقتدی کی فضیلت کا اندازہ مقتدا کی فضیلت سے لگایا جاتا ہے۔ مثلاً امتِ مسلمہ کا مقام و مرتبہ صرف اسی وجہ سے بلند و بالا ہے کہ اس امت کا رسول دیگر تمام امتوں کے رسولوں کی نسبت اکرم و افضل ہے تو بھلا رسول کی اتباع کرنے والا افرادِ امت کی اتباع کرنے والوں سے کس طرح کم مرتبہ ہو سکتا ہے؟ ؎

فرق ست میانِ آنکہ یارش در بر
با آنکہ دو چشم انتظارش بر در

عوام میں (علماء میں نہیں) ایمان تو عصرِ نبوت ہی سے تقلیدی چلا آرہا ہے[1] لیکن عملِ تقلیدی چوتھی صدی ہجری میں تھوڑا تھوڑا شروع ہوا اور پھر چھٹی صدی ہجری کے بعد تو اہلِ علم کی قلت اور جہلاء کی کثرت کی وجہ سے تمام دنیا میں عام

---

[1] آیت مبارکہ "فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے لیے بھی علم کا ہونا ضروری ہے۔ اور تقلیدی ایمان نا قابلِ قبول ہے۔ چنانچہ امام کرمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

مَذْهَبُ أَكْثَرِ الْمُتَكَلِّمِينَ أَنَّ إِيمَانَ الْمُقَلِّدِ فِي أُصُولِ الدِّينِ غَيْرُ صَحِيحٍ

اکثر متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ اصول دین میں مقلد کا ایمان درست نہیں ہے۔

اسی طرح انہوں نے امام محی السنۃ رحمہ اللہ کا قول بھی ذکر فرمایا ہے کہ:

يَجِبُ عَلَى كُلِّ مُكَلَّفٍ مَعْرِفَةُ عِلْمِ الْأُصُولِ وَلَا يَسُوغُ فِيهِ التَّقْلِيدُ لِظُهُورِ دَلَائِلِهِ

دلائل کے واضح ہونے کے پیشِ نظر ہر مکلف پر اصولِ دین کا علم حاصل کرنا واجب ہے اور اس سلسلہ میں تقلید قطعاً ناقابلِ التفات ہے۔

(شرح البخاری، للکرمانی جلد ۲ ص ۳۰)

ہو گیا۔ چونکہ اکثر لوگ آرام طلب اور راحت پسند ہوتے ہیں۔ اس لیے اُنہوں نے علم کی طرف توجہ مبذول نہ کی اور نہ علومِ ادلّہ کو سیکھا بلکہ حُسنِ ظن کی بنا پر تقلید کو اختیار کر لیا۔ علماء نے بھی، جو کہ علم و دین کی انتہائی منزلوں کو طے کر چکے تھے، عوام اور حکام کے ڈر سے اپنے مرتبۂ اجتہاد یا مرتبۂ اتباع پر فائز ہونے کا اظہار نہ کیا۔ بلکہ مصلحتِ عامہ کا خیال رکھتے ہوئے شافعی، مالکی اور حنفی وغیرہ کہلاتے رہے۔ لیکن اس کے باوجود اعتقاد و عمل کے اعتبار سے وہ لوگ مقلدِ جامد نہ تھے اور یہ بات خود ان علماء کی کتابوں ہی سے ثابت ہے۔ چنانچہ ہم نے "التاج المکلل"[1] میں علمائے مجتہدین میں سے ایک عظیم جماعت کا نام بنام ذکر کر کے بتا دیا ہے کہ وہ کسی کے مقلد نہ تھے، بلکہ فقہاء کے نام سے مشہور اور مذاہبِ اربعہ میں سے کسی ایک کی طرف منسوب تھے۔ اور جو لوگ خالص محدث اور عامل بالحدیث تھے وہ اس قدر بکثرت تھے کہ ان کی صحیح تعداد کا خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں، کیونکہ امام بخاریؒ اور ان کے ہم عصر محدثین کرام کے زمانہ میں ایک ایک مجلسِ حدیث میں ستر ستر ہزار آدمی سماعِ حدیث کے لیے شرکت کیا کرتے تھے، اور ان میں سے کوئی شخص بھی تقلیدِ شخصی کا قائل نہیں ہوا کرتا تھا۔ البتہ عامی اور مقلدِ جاہل جو قرآن و حدیث کے دلائل نہ جاننے کی بنا پر کتاب و سنّت پر براہِ راست عمل نہیں کر سکتا۔ اور کتبِ فقہ سے بھی منتفع نہیں ہو سکتا، اس کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار

---

[1] کتاب کا پورا نام "التاج المکلل من جواہر مآثر الطراز الآخر والاول" ہے۔ پہلا ایڈیشن ۱۲۹۸ھ میں طبع ہوا تھا۔ جب کہ دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۳ء میں عبدالحکیم شرف الدین کی تصحیح و تعلیق کے ساتھ نہایت سلیقہ کے ساتھ بمبئی سے زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکا ہے۔ (م، خ، س، ر)

نہیں کہ وہ مسائل میں قولِ غیر کو قبول کرلے۔ یاد رہے محقق علماء نے اگرچہ ایسے انسان کے لیے اس کی جہالت کی وجہ سے تقلید کو جائز قرار دیا ہے۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ کسی خاص مذہب کی اس انداز میں تقلید نہ شروع کردے کہ دوسرے مذاہب سے وابستہ علماء کی بات کو غلط سمجھے۔ تقلیدِ شخصی کے وجوب پر قوی یا ضعیف کوئی دلیل نہیں ہے۔ لیکن یہ بات ہر زمانہ میں ہر جاہل کو میسر آسکتی ہے کہ وہ کسی عالم سے کہے کہ آپ اس مسئلہ میں کتاب وسنت یا آثارِ صحابہؓ کی روشنی میں میری راہنمائی فرمائیں۔ لہٰذا اسے خواہ مخواہ اختلاف وشبہات میں پڑنے اور یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ اس مسئلہ میں مجھے فلاں امام کا فتویٰ بتا دیں۔ ممکن ہے یہ بات پہلے میسر نہ ہو۔ لیکن آج تو ہر عامی کو ہر شہر اور ہر قریہ میں میسر ہے۔ کیونکہ آجکل نفقہ السنۃ کے فروعی اور اصولی مسائل پر مشتمل رسالے اُردو میں بھی لکھے جا چکے ہیں۔ جن سے ہر حرف شناس فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

یہ اعتراض بالکل بے بنیاد اور باطل ہے کہ ان رسائل پر عمل کرنا ان کے مصنفین کی تقلید کے مترادف ہے۔ اور ان کی تقلید کے بجائے ائمہ مجتہدین کی تقلید بہر آئینہ بہتر ہے۔ کیونکہ دلیل کو تسلیم کرنا اور ثقہ راویوں سے روایت قبول کرنا، اہلِ علم وعقل کے نزدیک تقلید نہیں۔ تقلید تو غیر کی رائے کو قبول کرنے کا نام ہے۔ شارع کی روایت قبول کرنے کو تقلید نہیں کہا جا سکتا۔ یہ فقط ابلیس کا ایک مغالطہ ہے۔ اور اس دامِ تلبیس میں ایک جہان کو مبتلا کر کے اس نے صراطِ مستقیم سے گمراہ کر دیا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ کتب ورسائل کے مصنف کتاب وسنت سے دلائل نقل کرتے ہیں۔ اور وہ بھی ان علماء کی کتابوں کے حوالہ سے جو علومِ روایت کے حامل، سنت کے حافظ اور صحیح وغلط کے درمیان بخوبی تمیز کرنے والے تھے۔ وہ نہ اپنا اجتہاد ذکر کرتے ہیں اور نہ اپنی رائے کا اظہار۔ لہٰذا ان کتب ورسائل

پر اعتقاد رکھنے اوران کے مندرجات کے مطابق عمل پیرا ہونے سے کوئی شخص ان کے مؤلفین کا مقلد کیسے ہو سکتا ہے؟

میرا مذہب:

مجھے وہ مذہب پسند ہے جو دلائل کے اعتبار سے سب سے زیادہ صحیح، قوی، اور احوط ہو۔ اور اس بات کو میں ہرگز پسند نہیں کرتا کہ اہل علم کے اقوال کے مقابلہ میں کتاب و سنت کے دلائل کو ترک کر دیا جائے۔ بلکہ اس بات کو زیادہ پسند کرتا ہوں کہ حتی الامکان مختلف مذاہب کے درمیان جمع و تطبیق کی راہ کو تلاش کر لیا جائے اور اس سب کچھ سے صرف یہ مقصود ہے کہ میری عبادت تمام یا اکثر مذاہب کے اعتبار سے صحیح ہو۔ اور یہ احتیاط کی بات ہے کہ مکروہ سے اس طرح بچا جائے جس طرح حرام سے بچا جاتا ہے۔ اور سنن کی اس طرح نگہداشت کی جائے گویا کہ وہ واجب ہیں دین میں احتیاط کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ شبہات سے اجتناب کیا جائے۔

تفریعات فقہیہ میں شبہات بکثرت پیش آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کے فتاوٰی میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ اس کے برعکس کتاب و سنت کے ظاہر اور واضح احکام میں نہ کوئی اختلاف ہے نہ شبہہ

"وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا"[1]

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ
چون ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

شیخ محی الدین بن عربی رہ ظاہری مذہب سے وابستہ تھے۔ جبکہ شیخ عبدالقادر جیلانی رہ حنبلی مشرب سے پیوستہ۔ ظاہری اور حنبلی حضرات گو بظاہر

---

[1] النساء: ۸۲

امام داؤد ظاہری رح اور امام احمد بن حنبل رح کی طرف منسوب ہیں۔ لیکن درحقیقت متبعِ کتاب وسنّت ہیں۔ کیونکہ ان دونوں اماموں نے اپنے اجتہاد سے کوئی فقہ مدوّن نہیں فرمائی بلکہ وہ عمل بالحدیث کے قائل تھے۔ اور یہی وہ بہترین راستہ ہے، جس پر اہلِ اسلام کو رشک کرنا چاہیئے۔ وباللہ التوفیق!

میرے خیال کے مطابق ان بزرگوں کے علاوہ اور بھی کوئی شیخ طریقت کسی خاص مذہب کا مقلّد نہیں تھا۔ اگر کسی نے اپنے آپ کو کسی مذہب کی طرف منسوب کیا ہے۔ تو وہ عوام الناس کی زبان و دست درازی سے محفوظ رہتے یا کسی اور مصلحت کے پیشِ نظر کیا ہے۔

حضرت جنیدؒ نے جب توحید و معرفت کے حقائق بیان فرمانا شروع کیے تو اُن پر ہر طرف سے دشمنوں کا ہجوم ہونے لگا تو اُنہوں نے جان کی حفاظت کے لیے مجبوراً اپنے آپ کو فقہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے اپنے آپ کو امام سفیان ثوریؒ کا ہم مذہب قرار دیا۔ لیکن گھر کی چار دیواری میں پوشیدہ طور پر بدستور توحید بیان فرماتے رہے۔

اکثر اہلِ علم و دین کو ہر دور میں اسی قسم کے حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ محدّثین، شافعی کہلاتے رہے حالانکہ وہ مجتہد تھے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کے مقلّد و تابع نہ تھے، ان کا مسلک عمل بالحدیث تھا۔ الغرض دین میں جو فتنہ بھی آیا ہے، انہی جہال مقلّدین کی طرف سے آیا ہے ؎

دیوانگی و مستی از بوئے تو می خیزد
ہر فتنہ کہ می خیزد از کوئے تو می خیزد

مذاہبِ اربعہ میں حق دائر ہے، منحصر نہیں:

اللہ تعالیٰ کا مجھ پر احسان ہے کہ میں کسی دوسرے مذہب سے وابستہ انسان سے جاہلانہ تعصب نہیں رکھتا۔ اور نہ میں اہلِ سنّت وجماعت کے دوسرے مکاتبِ فکر کے لوگوں کو گمراہ ہی سمجھتا ہوں۔ کیونکہ ائمہ اربعہ کے اصول ایک ہیں۔ اور فروعی اختلاف ضلالت وکفر کا موجب نہیں ہوتا۔ بلکہ اسے صرف تشدید وتخفیف پر محمول کیا جاتا ہے جیسا کہ علامہ شعرانی رح نے "میزان" میں بیان فرمایا ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ میں متبع ہوں مبتدع نہیں، اور یہ بھی دلیل کے اعتبار سے کہہ رہا ہوں۔ اس لیے کہ اُمّت کو ظاہری اور باطنی اعتبار سے کتاب وسنت کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اللہ ورسول کے سوا کوئی متبوع نہیں ہے۔ امت کے جس قدر بھی علماء ومشائخ ہیں، ان کے اقوال مقبول بھی ہیں اور مردود بھی، اگر کوئی بات رد نہیں کی جا سکتی تو وہ صرف خدا کا ارشاد اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ پس متبعِ سنّت بلا شک وشبہ افضل ہے اور مقلد (اگر مشاقِ خدا ورسول نہیں تو) مفضول ہے۔ اس بات میں تعصب اور حمیتِ نفسانیہ کو دخل نہیں۔ بلکہ یہ تو سراسر حقائق امور کا بیان ہے۔ واللہ اعلم!

بقولِ مصطفےٰ زائر زراتے دیگراں ماندم
شہودِ یار مانع گردد از اغیار عاشق را

"قولِ جمیل" میں شاہ ولی اللہ رح نے فرمایا ہے:

"وَمِنْهَا أَنْ لَا يَتَكَلَّمَ فِي تَرْجِيحِ مَذَاهِبِ الْفُقَهَاءِ بَعْضِهَا عَلَى بَعْضٍ بَلْ يَضَعُهَا كُلَّهَا عَلَى الْقَبُولِ مُجْمَلَةً وَيَتَّبِعُ مِنْهَا مَا وَافَقَ صَرِيحَ السُّنَّةِ	مذاہبِ فقہاء میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کے متعلق گفتگو نہیں کرنی چاہیئے بلکہ ہر ایک کو فی الجملہ قبول کرنا چاہیئے البتہ اس مذہب کا اتباع کرنا چاہیئے جو

وَمَعْرُوْفِهَا فَإِنْ كَانَ الْقَوْلَانِ كِلَاهُمَا مُخْرَجَيْنِ اِتَّبَعَ مَا عَلَيْهِ الْاَكْثَرُوْنَ فَاِنْ كَانَ سَوَاءً فَهُوَ بِالْخِيَارِ وَيَجْعَلُ الْمَذَاهِبَ كُلَّهَا كَمَذْهَبٍ وَّاحِدٍ مِنْ غَيْرِ تَعَصُّبٍ (انتھی)

صریح اور معروف سنّت کے مطابق ہو۔ اگر دونوں قول سنّت کے مطابق ہو تو اس پر عمل کرنا چاہیئے، جس پر اکثر علماء عمل پیرا ہوں، اگر دونوں برابر ہوں تو اختیار ہے، لیکن تمام مذاہب کو کسی قسم کے تعصب کے بغیر ایک جیسا سمجھنا چاہیئے۔

مجھے معلوم ہے کہ حق ان مذاہب اربعہ میں دائر ہے، مگر منحصر نہیں۔ اس لیے کہ اہلِ حدیث، ظاہریہ اور صوفیہ بھی حق پر ہیں۔ بلکہ یہ لوگ اہلِ حق میں سب سے افضل ہیں۔ اور ترجیحِ مذاہب کے سلسلہ میں ترکِ گفتگو کی وجہ یہ ہے کہ ایک مذہب کو ترجیح دینا اکثر لوگوں کے نزدیک باقی مذاہب کی تنقیص کا باعث بنتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض حنفی حضرات مذہبِ شافعی کو، اور بعض شافعی حضرات مذہبِ حنفی کو بُرا کہنے لگتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (سب سے افضل ہونے کے باوجود) اسی لیے ارشاد فرمایا کہ:

"مجھے یونس علیہ السلام سے افضل نہ کہو"

واللہ اعلم!

مذاہبِ اربعہ کا مطالعہ:

ابتدائے طالبِ علمی میں اس ملک کے رواج کے مطابق میں نے فقہ حنفی کی کتابیں بھی پڑھی تھیں۔ پھر جب شعور بڑھا تو مذاہبِ ائمہ ثلاثہ پر بھی عبور حاصل کیا، اور مذاہبِ اربعہ کے فروعی مسائل کے دلائل تک بخوبی معلومات حاصل کر لیں۔ اور راسخ علماء کے قاعدہ کے مطابق ہر مذہب کے دلائل کا میزانِ تحقیق میں

وزن کیا اور جس بات کو دلیل کے اعتبار سے راجح پایا، اسی کا قائل ہو گیا۔ چنانچہ "مسک الختام شرح بلوغ المرام"، "روضہ ندیہ"، "بدور اہلہ"، "منہج مقبول"، "عرف الجادی" اور "بنیانِ مرصوص" وغیرہ کے مطالعہ سے ہر منصف مزاج کو یہ ملکہ حاصل ہو سکتا ہے۔ ایک ہی مذہب وطریقے پر جمود کرنے والا انسان دین کے فیوض و برکات سے محروم رہ جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی اپنی کتاب "الانصاف فی سبب الاختلاف" میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔

راہِ اعتدال:

ائمہ اربعہ کے مذاہب پر عبور حاصل کرنے کے بعد میں نے اپنے لیے دلیل کے اتباع کو پسند کیا ہے، یعنی دلیل کے اعتبار سے جو مذہب قوی اور صحیح ہو، میں اسے اختیار کرتا ہوں، خواہ وہ مذہب حنفی ہو یا شافعی، مالکی ہو یا حنبلی۔ میں کسی مذہب کو محض تعصب کے پیشِ نظر رد نہیں کرتا اور نہ کسی مذہب کو محض خواہشِ نفس کے مطابق اخذ کرتا ہوں۔ مثلاً مسئلہ آب میں مذہبِ مالکؒ زیادہ قوی ہے، تشہد کے صیغوں کے مسئلہ میں امام ابو حنیفہ رہ کا مذہب زیادہ صحیح ہے اور مسئلہ صفات میں امام احمد بن حنبل رہ کا مسلک سب سے قوی ہے۔ لہٰذا میں نے انہیں اختیار کیا ہے۔

علیٰ ہٰذا القیاس میں نے اپنی تمام تالیفات میں اسی قاعدہ کو پیشِ نظر رکھا ہے اس اعتبار سے میں اپنے آپ کو حنفی کہوں یا شافعی، مالکی کہوں یا حنبلی تو کذب لازم نہیں آئے گا۔ اور اگر محض سنّی کہوں تو بھی بالکل صحیح ہے۔ ائمہ اربعہ اور دیگر ائمہ مجتہدین کا محب اور خادم ہونے کی حیثیت سے اگر میں اپنے آپ کو ان میں سے کسی امام کی طرف منسوب کردوں تو بھی درست ہے، چنانچہ سلف امت کی طرف ائمہ علم کی اکثر نسبتیں

اسی قبیل سے ہیں۔ لیکن ؎

مردم اندر حسرت فہم درست
اینکہ میگویم بقدر فہم تست!

میں خوب جانتا ہوں کہ کسی امام کا کوئی مقلد بھی ایسا نہیں ہے، جو کسی مسئلہ میں بھی امام کے مذہب واقوال کی مخالفت نہ کرتا ہو، خواہ مسئلہ کا تعلق اصول سے ہو یا فروع سے، جب یہ بات ہر مذہبِ خاص کے مقلدوں میں موجود ہے، اور اس کا مشاہدہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ تو پھر مجھ پر یا کسی اور متبع پر کوئی الزام کب عائد ہو سکتا ہے؟ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ کسی نے ایک دو مسئلوں میں اپنے امام کے مذہب کے خلاف کیا اور کسی نے پانچ دس مسئلوں میں۔ تو یہ تفاوت فقط قلت وکثرت کا ہے، تقلید واتباع کا نہیں۔ مثلاً شیخ عبدالحق دہلوی رح نے سماعِ موتیٰ میں مذہبِ شافعی اختیار کیا ہے۔ اور جمہور حنفیہ کے مذہبِ عدمِ سماعِ موتیٰ کو چھوڑ دیا ہے۔ اسی طرح وہ مشرب میں قادری الطریقہ تھے۔ حالانکہ شیخ جیلانی رح حنبلی المذہب تھے۔ یا اس کی مثال یہ دی جا سکتی ہے کہ حنفیہ کی ایک جماعت شیخ محی الدین بن عربی کی ولایت بلکہ قطبیت کی معتقد ہے۔ حالانکہ وہ ظاہری المذہب اور محض متبع تھے یا مثلاً امام غزالی رح نے "احیاء العلوم" میں زکوٰۃ کی اصنافِ ثمانیہ میں مذہبِ حنفی کو جائز رکھا ہے حالانکہ امام شافعیؒ اس مسئلہ میں سخت ہیں یا مثلاً ملا علی قاری حنفی رح نے بعض فروعی مسائل میں جمہور حنفیہ سے اختلاف کیا ہے۔ کتب کی ورق گردانی سے اس قسم کی صدہا مثالیں مل سکتی ہیں۔

ابن رجب حنبلی رح نے "طبقات" میں علماء کے تراجم ذکر کرتے ہوئے ان کے مختاراتِ متفردہ بھی ذکر کئے ہیں، جو ان کے مشہور مذہب کے خلاف ہیں ...

"حجۃ اللہ البالغہ" کو دیکھو، اس میں بہت سے مقامات پر مذہبِ شافعی کو راجح

کہا گیا ہے۔

"معمولاتِ مظہریہ" کی سیر کرو۔ اس میں بھی جا بجا ظاہر حدیث کو اختیار کیا گیا ہے۔ عدمِ رفع سبابہ میں مذہبِ مجدّد کو چھوڑ دیا ہے۔ حنفیۂ ہند کو دیکھو، مذہبِ شوافع کے مطابق مجالسِ میلاد منعقد کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ قدیم علماء حنفیہ سے ثابت نہیں۔ اسی وجہ سے حضرت مجدّدؒ نے اسے اپنے "مکتوبات" میں بدعت قرار دیا ہے۔ اور اس کی بہت سخت تردید کی ہے۔

وَهٰذَا الْبَابُ وَاسِعٌ جِدًّا لَا يَأْتِي فِي الْحَصْرِ۔

اس سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ اگلے اہلِ علم اور اہلِ مذہب اس طرح کا تعصب نہیں رکھتے تھے، جس طرح کا تعصب اس تیرہویں صدی میں ہے بلکہ وہ لوگ آپس میں موافق، محب، طالبِ حق اور متبعِ صدق تھے۔ اسی لیے شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ نے "قولِ جمیل" میں لکھا ہے کہ:

"مذاہبِ فقہاء اور مشاربِ صوفیاء میں سے کسی مذہب و مشرب کو کسی دیگر مذہب و مشرب پر ترجیح نہیں دینی چاہیئے بلکہ ظاہرِ کتاب اور سنّتِ معروف کا اتباع ہی کافی ووافی ہے؛ چنانچہ بلغیر کسی قسم کی کمی وبیشی کے ہمارا طریقہ بھی یہی ہے۔" وباللہ التوفیق!

اللہ تعالیٰ نے مجھے قرآن وحدیث میں فہمِ صحیح اور درکِ لطیف عطا فرمایا ہے اور ذہنِ صافی وقلبِ سلیم سے نوازا ہے ؎

چہ می پرسی ز حالِ نسخۂ دل چیست تحریرش
کتابے در بغل دارم کہ قرآن ست تفسیرش

میں کسی آیت کی تفسیر یا حدیث کی شرح میں جب اہلِ علم کے مختلف اقوال پاتا ہوں تو ان میں سے راجح اور صحیح قول کو پہچان لیتا ہوں۔ اِمّعہ نہیں ہوں

کہ جس کی تقریر یا تحریر سنی دیکھی اور بظاہر چست و درست اور بر جستہ نظر آئی، اسی کی طرف جھک گیا۔ بلکہ اپنے فکر سے کام لیتا ہوں، اور مختلف اقوال و مذاہب کو کتاب و سنّت کی میزان میں تول کر جائزہ لیتا ہوں۔ جو موافق ہوا سے قبول کرتا ہوں اور جو تاویل بعید یا توجیہ ضعیف ہو اس کو پسند نہیں کرتا، اگرچہ اس کا قائل بہت بڑا عالم یا شیخ ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ حق ہی سب سے بڑا اور عظیم ہے اور اور ہمارا طریقہ کتاب و سنّت کا پابند ہے۔ جس طرح کہ جنید رح نے فرمایا ہے:

طریقتنا هذه مشیدة بالکتب والسنّة۔

اور تمام مشائخ، علمائے سلف اور متبعین خلف کا یہی قول اور حال تھا۔

سرورِ خاطرِ احباب زاثر از رائے ست!
من و تفرج باغِ محدثان تنہا

علوم و فنون میں مہارت:

مجھے علوم دین کی جملہ انواع سے ایک طرح کی مناسبتِ طبعی حاصل ہے۔ اور میں علم کی فقط کسی خاص نوع کا ذائقہ گیر نہیں ہوں ؎

مِنْ کُلِّ شَیْءٍ لَذِیْذٍ اَعْتَنِیْ قَدَمًا وَکُلُّ نَاطِقَۃٍ فِی الْکَوْنِ یُطْرِبُنِیْ

"نصب الذریعہ" میں جتنے علوم شرعیہ کا میں نے ذکر کیا ہے، ان سب میں مہارتِ ضروری اور فہم کفائی رکھتا ہوں۔ اگرچہ میرا زیادہ تر شغف علم تفسیر، شروحِ حدیث اور متونِ حدیث سے ہے۔ فقہ سنّت کو ویسا ہی جانتا، سمجھتا ہوں جس طرح مقلدین اپنے مذاہب کی فقہ کو سمجھتے ہیں، اور ان کے علماء مذہب حنفی، شافعی کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں۔ احکام و مسائل کے دریافت کرنے کے لیے میں اپنے دین میں کسی عالم کا محتاج نہیں ہوں۔ بلکہ عبادات، معاملات اور اخرویات کے

ہر مسئلہ کو قرآن و حدیث کے مطابق، تفاسیر مکرمہ و سننِ مطہرہ کے معادن سے نکال کر تحقیقاً و دلیلاً بتا سکتا ہوں۔ چنانچہ میری مؤلفات اس دعویٰ پر شاہدِ عدل ہیں۔ وَذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ!

جز بہ بندت نقشِ خاطرِ آزادۂ ما

غیرِ نقشت نہ پذیرد ورقِ سادۂ ما

معاصرین میں سے کسی کو بھی ائمہ اسلام کی کتابوں پر اس قدر عبور حاصل نہیں ہے جتنا کہ مجھے ہے۔ کیونکہ میں نے ہزارہا کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ اور ہر موضوع کی اکثر کتابوں کو اوّل سے آخر تک گہری نظر سے پڑھا ہے۔ فقہِ سنّت، اصولِ فقہ اور علم تفسیر میں جو دستگاہ مجھے حاصل ہے وہ کسی اور کو نہیں۔ معاصرین کی کیفیتِ استدلال کو دیکھ کر مجھے تعجب ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو علمارِ دین کے نام سے مشہور ہیں، وہ اخبار کی ایڈیٹری تو خوب جانتے ہیں اور بحثِ مسائل میں بھی اسی (ایڈیٹرانہ) روش پر چلتے ہیں۔ لیکن جو بات مقصودِ شرع اور مطلوبِ دین ہے۔ اس کے علم و فہم سے کوسوں دُور ہیں۔ اسی وجہ سے اس زمانہ میں دین لہو و لعب بلکہ عبث ٹھہر گیا ہے نہ کسی کا حفظِ ادب ہے، نہ کسی مسئلہ میں انصاف ہے۔ اِلّا ما شاء اللہ! یہ سب آخری زمانہ کے فتنے ہیں۔ معلوم نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوگا ؎

من ز وضعِ زمانہ در فکرم

کہ مبادا ازیں بتر گردد!

میں نے یہ بات بطورِ فخر نہیں لکھی بلکہ اس امرِ واقعی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ اس کے باوصف میری یہ عادت نہیں کہ علم و فضل کی وجہ سے کسی پر مباہات کروں، کسی کی بات کاٹوں، اپنے فہم کے لیے تعقب کروں یا کسی کو اپنے طریقہ کی طرف دعوت دوں بلکہ میں تو کسی شخص کے سامنے علم کی بات تک نہیں کرتا اور نہ کسی حنفی،

شافعی سے متنفر ہوتا ہوں اور نہ مجھے علم و فضل پر کوئی غرور ہے ؎

تلاشِ فخر ندارم بعار سوگند ست
زگل شگفتہ نگردم بخار سوگند ست
چراغ عاریتی تیرگی زیادہ کند
بروشنائی شبہائے تار سوگند ست!

میرے عربی و فارسی رسائل موجود ہیں، ان کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی معلوم ہو سکتی ہے کہ مسائلِ دین اور ادلّہ شرع کی تحریر و تقریر کے اعتبار سے ان کے اور معاصرین کی کتابوں کے درمیان کس قدر واضح فرق ہے اور کون کتاب و سنت بلکہ فقہِ ملت پر زیادہ عبور رکھتا ہے۔ وَلٰكِنَّ مَفَاسِدَ الْجَهْلِ وَالتَّعَصُّبِ كَثِيْرَةٌ لَا تُحْصٰى وَالْمُعَاصَرَةُ أَصْلُ الْمُنَافَرَةِ۔

اندازِ بیان اور:

میں نے عربی، فارسی اور اُردو میں مطول و مختصر بے شمار دینی کتابیں تصنیف کی ہیں اگرچہ ان کے ابواب، فصول اور مطالب علماء راسخین و محققینِ سلف و خلف سے منقول و ماثور ہیں۔ لیکن ہر کتاب و رسالہ میں طرزِ بیان اور ترتیب مقاصد و مواقف جدید ہے اور پھر اس لطف و خوبی کے ساتھ یہ بیان ہم عصر علماء کے رسائل و مؤلفات میں شاید ہی نظر آئے۔ پھر ان میں سے بعض کتابیں بالکل جدید ہیں۔ جیسے "التاج المکلل" اور "رسالہ تیقظہ" وغیرہ۔

اُردو و فارسی کے اکثر رسائل میں دوسرے لوگوں کی عبارتیں نقل کرتے وقت میں نے دو امور کا بطورِ خاص خیال رکھا ہے۔ ایک یہ کہ جس کی وہ عبارت ہو اس کا نام لکھا جائے۔ میں کسی عالم کی تحقیق کو تدلیساً یا تلبیساً اپنی طرف منسوب کرنا خیانت سمجھتا

ہوں۔ اور دوسرے یہ کہ نقل مذکور صحیح اور اصل کے مطابق ہو۔ ابوابِ شرع میں سے شاید ہی کوئی ایسا باب ہو جس میں میں نے کوئی مستقل رسالہ یا کتاب نہ لکھی ہو، تفسیر حدیث، فقہ، علوم آخرت، عقائد، تاریخ اور نحو وغیرہ کون سا موضوع ہے جس پر میں نے قلم نہیں اٹھایا۔ اور پھر ہر رسالہ ادلّہ صحیحہ کے ساتھ مزیّن ہے۔ ایسی کوئی کتاب نہیں جو کتاب وسنّت کے دلائل مع تخریج سے خالی ہو۔ یہ بات تالیفاتِ معاصرین میں نایاب ہے۔

اس زمانہ میں اکثر طرزِ تصنیف یہ ہے کہ چند معروف کتبِ فقہ سے اقوال و حکایات اور قیل وقال بغیر دلیل کے نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اور اسے بڑی تحقیق سمجھا جاتا ہے۔ پھر اگر کسی قول کو ترجیح بھی دی جاتی ہے تو دلیل کی رو سے نہیں بلکہ انہی روایاتِ فقہ کی رو سے۔ یہ طریق ان لوگوں کا ہے جو علومِ اصول سے آگاہ نہیں ہیں۔ استدلال کا ملکہ نہیں رکھتے اور کیفیتِ استدلال واستنباط کو نہیں پہچانتے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اصولِ علوم پر کافی عبور بخشا ہو۔ وہ ہرگز اس خسارت وندامت کو اپنے لیے پسند نہیں کرے گا۔ علاوہ ازیں ادلۂ کتاب وسنّت کی جو کثرت تنقیح وتوضیح کے ساتھ میرے رسائل وکتب میں ہے۔ معاصرین کی تالیفات میں اس کی نظیر نہیں ملے گی۔ بلکہ اکثر رسائل میں ابواب و فصول کے ذیل میں آیات کا استقراء کیا گیا ہے بلکہ ایک دلیل کا دوسری کے ساتھ باہمی ربط بھی بیان کیا گیا ہے جیسا کہ کتب فقہ سنت کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی ثابت ہوگی۔ فارسی اور اردو میں بعض رسائل دو دو چار چار کاپی تک ایک ہی حدیث کی شرح میں لکھے گئے ہیں۔ مثلاً شرح حدیث "حلاوۃ الایمان"، شرح حدیث "ولی"، اور شرح حدیث "بنی الاسلام علی خمس" وغیرہ۔

یہ سب افاضہ مبدأ فیاض کی طرف سے ہے کیونکہ میں کوئی مختار عامل نہیں

بلکہ ایک غلام ہوں جس سے کام لیا جاتا ہے۔ میں کیا اور میری تالیفات کیا، اور میرا سلیقہ کیا۔ اگر یہ خدمت قبول ہو گئی تو زہے سعادت ورنہ ؏

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اَللّٰهُمَّ اَحْيِنَا مُسْلِمِيْنَ وَاَمِتْنَا مُسْلِمِيْنَ۔

شرفِ قبولیت:

اختلاف لغات کے باوجود میری تمام تصنیفات اطراف واکنافِ عالم خصوصًا بلادِ حجاز و عرب و مغرب وغیرہ میں میری زندگی میں ہی شرفِ قبولیت سے نوازی گئی ہیں۔ ہندوستان کے بعض لوگوں کے سوا کسی نے ان کی تردید میں کچھ نہیں لکھا اور ہندوستان کے جن لوگوں نے مخالفت کی ہے وہ بھی معاصرت، اتحادِ وطن اور تحاسدِ باطن کے باعث ہے۔ میں اس امر پر بھی خدا کے حضور سجدۂ شکر بجا لاتا ہوں۔ اس لیے کہ سلف نے کہا ہے کہ:

لَا بُدَّ لِكُلِّ فَقِيْهٍ مِنْ سَفِيْهٍ يَنْقُصُهٗ۔ ہر فقیہ کا کسی نہ کسی بیوقوف سے لازمًا سامنا ہوتا ہے جو اس کی تنقیص کرتا ہے۔

اور یہ بات بھی واضح ہے کہ اشیاء کی شناخت اضداد ہی سے ہوا کرتی ہے۔ کون ایسا عالم، امام یا درویش گزرا ہے، جس کا کوئی حاسد نہ ہو، علماء امت اور مشائخ ملت کو جانے دو۔ خود کتاب اللہ اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ہر دور میں دشمن رہے ہیں۔ کسی نے قرآن کا معارضہ کیا، کسی نے قرآن کو غیر معجز بتایا، کسی نے صفات، برزخ اور حشر و نشر کی آیات و احادیث میں صدہا شبہات نکالے، کسی نے کتاب و سنت میں تناقض کا دعویٰ کیا، اور کسی نے قرآن کی فصاحت و بلاغت پہ اعتراض کیا اور اب تک ایسے لوگ موجود ہیں جو کتاب و

سنت کی بیخ کنی کرنا چاہتے ہیں۔ اور نفخ صور تک ان کا وجود باقی رہے گا۔ اس جگہ ضابطہ یہ ہے کہ جو عمل خالص اللہ کے لیے کیا جاتے۔ وہ باقی رہتا ہے اور جو حصولِ جاہ اور ریاکاری کے لیے کیا جاتے، اس کی صولت و ہیبت بہت جلد مضمحل ہو جاتی ہے۔ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؛

اتباعِ کتاب و سنّت:

میں اظہارِ حق میں کسی یار و اغیار کا لحاظ نہیں کرتا۔ میرا دل اتباعِ سنن پر مطمئن ہے۔ اور شک و شبہ کی کوئی گرد میرے دامنِ خاطر پر نہیں جمتی۔ میں اس سلسلہ میں علماء ربانی کا ہم زبان ہوں، علامہ شعرانی رح فرماتے ہیں:

وَمِمَّا مَنَّ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَلَيَّ	اللہ تعالیٰ کا ایک احسان مجھ پر یہ بھی ہے
اِنْشِرَاحُ صَدْرِيْ لِاتِّبَاعِ السُّنَّةِ	کہ اس نے قول، فعل اور اعتقادی طور پر
الْمُحَمَّدِيَّةِ قَوْلًا وَفِعْلًا وَاعْتِقَادًا	سنّتِ محمدیہ کے اتباع کے لیے میرے سینہ
وَانْقِبَاضُ خَاطِرِيْ مِنْ ضِدِّ ذٰلِكَ	کا انشراح فرما دیا ہے اور اس کے برعکس
مِنْ حِيْنَ كُنْتُ صَغِيْرًا حَتّٰى اَنِّيْ	کے لیے میرے دل میں انقباض ہے اور یہ
بِحَمْدِ اللّٰهِ اَتَوَقَّفُ فِيْ بَعْضِ الْاَوْقَاتِ	نعمت مجھے بچپن ہی سے حاصل ہے حتیٰ
عَنِ الْعَمَلِ بِبَعْضِ مَا اسْتَحْسَنَهٗ	کہ میں بحمد اللہ بعض اوقات ان امور پر بھی
بَعْضُ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى يَظْهَرَ لِيْ	عمل سے توقف کرتا ہوں جنہیں بعض علماء
وَجْهُ مُوَافَقَتِهٖ لِلْكِتَابِ	نے مستحسن سمجھا ہوتا ہے۔ جب تک کہ میرے
وَالسُّنَّةِ ۔"	لیے کتاب و سنّت سے اس کی موافقت
	ظاہر نہ ہو جاتے ۔"

طالب علمی کے ابتدائی دور میں جس قدر علوم درسیہ و متداولہ پڑھے تھے، قرآن و حدیث کے مسلسل گہرے مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ ان میں اخلاص نام کی کوئی چیز نہیں بلکہ وہ خواہشاتِ نفسانی کے ساتھ خلط ملط ہیں۔ کیونکہ علم خالص کی علامت یہ ہے کہ اس کے ساتھ اشتغال کے وقت دل کلی طور پر اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اور یہ بات مجھے کسی علم آلی، درسی یا فن متداول میں حاصل نہ ہوئی۔ بلکہ میرا دل تو ہر وادی میں پریشان اور ہر صحرا میں سرگرداں رہتا تھا۔ صرف کتاب اللہ کے علم ہی میں مجھے جمعیتِ خاطر میسر آئی۔

أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۔[1]

یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم اور حدیثِ رسول رؤف و رحیم کی خدمت مجھ سے بار بار عمل میں آئی اور میں نے مختلف پیراؤں میں فقہِ کتاب و سنّت کو اہلِ عصر کے سامنے پیش کیا ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۔[2]

اسی طرح سنّتِ مطہرہ کے صحائف کے علاوہ اور کسی علم میں میں نے وقت ضائع نہیں کیا۔ کیونکہ صحائفِ سنّت کی مزاولت سے بصیرتِ تامہ حاصل ہوتی ہے۔

وَمَنْ أَتْعَبَ نَفْسَهُ فِي جَمْعِ الْعُلُومِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْظُرَ فِي دَلَالَتِهَا عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ لِأَنَّهُ هُوَ الْمَقْصُودُ الْأَعْظَمُ بِهَا حُجِبَ عَنْ مَوَاضِعِ الدَّلَالَةِ الَّتِي فِيهَا عَلَى الْحَقِّ جَلَّ وَعَلَا۔

ہیچ کار کتب خوانیت نمی آید
ز جمع خاطر خود نسخۂ فراہم کن

میں جب اپنے اعمال پر غور کرتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ یقینی طور پر مجھے ناپسند فرماتا ہے۔ اس لیے کہ کتاب و سنّت کے علم کے باوجود

[1] الرعد: ۲۸ [2] البقرہ: ۱۲۷

مجھ سے کوئی عمل خالص اور فعلِ صادق صادر نہیں ہوتا۔ میں اپنے خیال میں مکار یا ریاکار نہیں ہوں۔ اس لیے کہ ریاکاری عام طور حصولِ جاہ ومال کے لیے ہوا کرتی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے مجھے میرے حوصلہ سے بڑھ کر مال وجاہ سے نوازرکھا ہے۔ اگر کوئی عمل مرضی حق تعالیٰ کے موافق صادر ہوگیا ہو تو مجھے اس کا علم نہیں۔ اللہ کی محبت یا کراہت دریافت کرنے کے لیے میزان صرف کتاب وسنّت کی ظاہری وباطنی اتباع وموافقت، قول وعمل اور حال کے اعتبار سے مخالفت ہے۔ یہ میزان کبھی بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹنا چاہیئے۔ اگر ہر وقت اور ہر گھڑی یہ وزن نہ ہو سکے تو کم از کم صبح وشام تو اپنے نفس کو اس معیار پر ضرور پرکھنا چاہیئے اور معلوم کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ اپنے اس غلام سے خوش ہے یا ناخوش۔ ولا تنتظر احداً غیرک ینبھک علیٰ مثل ذٰلک فانہ مفقود فی ھٰذا الزمان۔

اِس دَور میں نام کے اہلِ علم اور مشتغل بعلم فقہ تو بہت ہیں۔ لیکن حقیقت میں یہ خلافِ آدم ہیں آدم نہیں؛

أَمَّا الْخِيَامُ فَإِنَّهَا كَخِيَامِهِمْ ؛
لٰكِنْ نِسَاءُ الْحَيِّ غَيْرُ نِسَائِهَا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

بَلِ الْإِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۙ وَلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ؕ

بلکہ انسان اپنے آپ پر خود ہی دلیل (یا گواہ) ہے۔ اگرچہ اپنے عذر پیش کرتا رہے۔

شعرانی رح فرماتے ہیں:

فَعُلِمَ اَنَّهٗ يَتَاَكَّدُ عَلٰى كُلِّ شَخْصٍ لَيْسَ لَهٗ شَيْخٌ اَوْ اَخٌ صَادِقٌ اَنْ يَزِنَ اَفْعَالَهٗ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ

پس معلوم ہوا کہ جس شخص کا کوئی شیخ یا برادر صادق ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے افعال کتاب وسنّت اور کلام ائمہ کے

۱۔ القیامۃ ۱۴، ۱۵

وَكَلَامِ الْأَئِمَّةِ يَنْظُرُ فِي رِبْحِهِ وَخُسْرَانِهِ۔ میزان پر تولتا رہے تاکہ اسے اپنے نفع و نقصان کا اندازہ ہو سکے۔

میرا حال یہ ہے کہ میں نے کسی کے ہاتھ پر بیعتِ ارادت نہیں کی اس لیے کہ مجھے قرآن و حدیث اور سلف صالح کی شروط کے موافق کوئی شیخ میسر نہیں آیا۔ میں بیعت کے وجوب کا قائل تو نہیں البتہ اسے مستحب ضرور جانتا ہوں۔ اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اگر شیخ صالح نہ ملے تو اخلاصِ نیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود شریف کے ساتھ قرآن و حدیث کا اتباع ہی کافی ہے۔ چنانچہ حدیثِ مالک بن انس رضؓ میں مرسلاً آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللهِ وَسُنَّةُ رَسُولِهِ۔ (رواہ فی الموطا)

میں تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں جب تک انہیں مضبوطی سے تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ وہ ہیں کتاب اللہ اور سنّت رسول۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کتاب و سنّت کو مضبوطی سے تھامے رکھنا مانع ضلالت ہے۔ اور حضرت ابنِ عباس رضؓ نے فرمایا ہے کہ:

مَنْ تَعَلَّمَ كِتَابَ اللهِ ثُمَّ اتَّبَعَ مَا فِيهِ هَدَاهُ اللهُ مِنَ الضَّلَالَةِ فِي الدُّنْيَا وَوَقَاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سُوْءَ الْحِسَابِ۔

جس نے کتاب اللہ کا علم حاصل کیا پھر اس کے مطابق عمل کیا۔ دنیا میں اسے اللہ تعالیٰ ضلالت سے بچا کر ہدایت سے نوازے گا اور قیامت کے دن برے حساب سے محفوظ رکھے گا۔

دوسری روایت اس طرح ہے:

مَنِ اقْتَدٰی بِکِتَابِ اللّٰہِ لَا یَضِلُّ فِی الدُّنْیَا وَلَا یَشْقٰی فِی الْاٰخِرَۃِ۔	جس نے کتاب اللہ کی اقتداء کی وہ دنیا میں ضلالت اور آخرت میں شقاوت کا شکار نہیں ہوگا۔

پھر یہ آیت پڑھی:

فَمَنِ اتَّبَعَ ھُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی[1]	پس جس نے میری ہدایت کا اتباع کیا وہ نہ تو گمراہی کا شکار ہوگا اور نہ شقاوت سے دوچار۔
(رواہ رزین)	

اس سے ثابت ہوا کہ بیعت واجب نہیں ہے اور عمل کے لیے کتاب و سنت ہی کافی ہے۔ یاد رہے عصرِ نبوت میں جو بیعت ماثور تھی، وہ کبھی ہجرت پر، کبھی جہاد پر، کبھی ادائے واجبات پر اور کبھی ترکِ کبائر پر ہوتی تھی۔ مقاماتِ عرفان کے حصول اور منازلِ احسان کے وصول کے لیے نہیں ہوتی تھی۔ کیونکہ جب انسان شرعاً متقی بن جائے تو اسے یہ سب مقامات اپنے مقدر کے مطابق خود بخود حاصل ہو جاتے ہیں۔ یہ سب اعمالِ صالحہ کے نتائج و ثمرات ہیں۔ نفسِ اعمال و عین افعال نہیں اور نہ مطلوبِ شارع ہی ہیں۔ مومن آدمی کے لیے سب سے بڑی کامیابی و کامرانی یہ ہے کہ وہ نار سے بچ کر گلزار میں جا پہنچے۔

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّۃَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ[2]	پس جو شخص (جہنم کی) آگ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا، پس وہ کامران ہوا، اور دنیوی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے۔

اور یہ مقصد شیخ کے بغیر بھی اکلِ حلال، صدقِ مقال اور اتباعِ سنت سے حاصل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حدیث ابو سعید خدری رض میں مرفوعاً آیا ہے:

مَنْ اَکَلَ طَیِّبًا وَعَمِلَ فِیْ سُنَّۃٍ	جس نے طیب کھایا، سنت کے مطابق

[1] طٰہٰ ۱۲۳ [2] آل عمران ۱۸۵

وَأَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ هٰذَا الْيَوْمَ لَكَثِيرٌ فِي النَّاسِ قَالَ وَسَيَكُونُ فِي قُرُونٍ بَعْدِي۔

(رواہ الترمذی)

عمل کیا اور لوگ اس کی شرارتوں سے محفوظ رہے تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ! یہ تو آجکل لوگوں میں بکثرت ہے۔ آپؐ نے فرمایا اور میرے بعد بھی کچھ صدیوں تک یہ چیز رہے گی۔"

باب دوم

میں یتیم ہوگیا تھا، خدائے پاک پر توکل کے علاوہ گھر میں اور کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔ حاجاتِ بشری کے باوجود کبھی کسی امیر فقیر سے طعام، لباس، نقدی یا کسی اور چیز کا سوال نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہمیشہ اس ذلت سے محفوظ رکھا، اسی طرح سفر و حضر میں میں نے کبھی کسی شخص سے کچھ قرض بھی نہیں لیا۔

غدرِ ہندوستان کے زمانہ میں جب میرا گھر فوج نے تاراج کر دیا۔ اور میں وہاں سے جان و آبرو کی حفاظت کے لیے قصبہ بلگرام میں جاکر رہنے لگا۔ تو چند ماہ تک صرف ایک وقت کی خشک روٹی پر قناعت کرتا رہا، اور مدت تک ایک موٹے جامہ میں گزر بسر کرتا رہا۔ شام کو چٹنی روٹی ملتی، پھر اس کے بعد اللہ نے اس تکلیف کو دور فرمادیا۔ اس تکلیف کے باوجود میں نے کبھی لبِ سوال نہیں کھولا۔ اور نہ کسی سے پیسہ ہی طلب کیا۔ و للہ الحمد!

بلکہ بچپن سے اٹھارہ بیس برس کی عمر تک ضیقِ معیشت دامن گیر رہی۔ جب نوکری ہاتھ آگئی تو قدرے کشائش ہوگئی۔ مگر پھر بھی سامانِ معیشت کافی نہ تھا۔ کیونکہ والدہ، ہمشیرگان، کنیزگان و خدام بلکہ بعض اقارب کا بارِ گراں بھی میرے سر پر تھا۔ اب جو وسعتِ رزق نظر آرہی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حج کے بعد

عطا فرمائی۔ وللہ الحمد!

دینی اعتبار سے میں اس سابقہ حالت کو موجودہ حالت سے بہتر سمجھتا ہوں۔ اس لیے کہ دُنیا جس قدر کم ہو گی، اتنا ہی حساب بھی روزِ حساب کم دینا پڑے گا۔ جس کا جمع خرچ زیادہ ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ تفتیش کی خطرناک حالت میں پھنسا رہتا ہے۔ اہلِ دین دنیا کو بقاءِ دین اور حفظِ شریعت کے لیے اختیار کرتے ہیں، فخر و مباہات اور اسبابِ فسق و فجور کے لیے نہیں۔ اس لیے بعض اہلِ علم حضرات پر دنیا کی وسعت کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں ہے۔ کیونکہ جس طرح غنا (تونگری) کے نقصانات بکثرت ہیں۔ اسی طرح اس کے فوائد بھی بکثرت ہیں۔ اگرچہ فی الجملہ فقر ہی کو غنا پر فضیلت ہے۔ حدیثِ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ میں آپؐ نے فرمایا:

"قُمْتُ عَلٰی بَابِ الْجَنَّةِ فَكَانَ عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا الْمَسَاكِيْنَ وَاَصْحٰبُ الْجَدِّ مَحْبُوْسُوْنَ"

(متفق علیہ)

میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا تو دیکھا کہ داخل ہونے والوں کی اکثریت مساکین پر مشتمل ہے۔ اور اصحابِ ثروت روکے ہوئے ہیں۔ یعنی قیامت کے دن مالدار لوگوں کو روک دیا گیا ہو گا۔ اور مساکین جنّت میں جا چکے ہوں گے"

اور ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے مرفوعًا کہا ہے:

"اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَسَنَتُهٗ فَاِذَا فَارَقَ الدُّنْيَا فَارَقَ السِّجْنَ وَالسَّنَتَہٗ"

(شرح السنہ)

دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور قحط سالی ہے۔ جب دنیا کو چھوڑتا ہے، تو گویا قید خانہ و قحط سالی کو چھوڑتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دوست مبتلائے فقر رہتے ہیں۔ حدیثِ قتادہ

بن نعمان رضؓ میں مرفوعاً آیا ہے:

إِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا حَمَاهُ الدُّنْيَا كَمَا يَظَلُّ أَحَدُكُمْ يَحْمِيْ سَقِيْمَهُ الْمَاءَ۔	جب اللہ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو دنیا سے اس کو اس طرح بچاتا ہے جس طرح کہ تم میں سے کوئی اپنے بیمار کو پانی سے بچاتا ہے۔
(احمد والترمذی)	

حضرت معاذ بن جبل رضؓ کو جب یمن کی طرف روانہ کیا تو فرمایا تھا:

إِيَّاكَ وَالتَّنَعُّمَ فَإِنَّ عِبَادَ اللّٰهِ لَيْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِيْنَ۔	ناز و نعم سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ اللہ کے بندے متنعم نہیں ہوا کرتے۔
(احمد)	

حضرت علی رضؓ کی مرفوع روایت ہے:

مَنْ رَضِيَ مِنَ اللّٰهِ بِالْيَسِيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ مِنْهُ بِالْقَلِيْلِ مِنَ الْعَمَلِ۔	جو اللہ کی طرف سے تھوڑی نعمت پر راضی ہو گیا، اللہ اس کے تھوڑے عمل سے راضی ہو جائے گا۔
(بیہقی فی شعب الایمان)	

حضرت ابن عباس رضؓ سے مرفوع حدیث ہے:

مَنْ جَاعَ أَوِ احْتَاجَ فَكَتَمَهُ النَّاسَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يَرْزُقَهُ رِزْقَ سَنَةٍ مِنْ حَلَالٍ۔	جس آدمی کو بھوک یا کوئی احتیاج پیش آئی اور اس نے اسے لوگوں سے چھپایا تو اللہ کا حق ہے کہ اسے ایک سال کا حلال رزق عنایت فرمائے۔
(بیہقی فی شعب الایمان)	

علاوہ ازیں تجربہ سے بھی یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ خاندانِ نبوت

کے افراد کو دُنیا سے محفوظ رکھتا ہے۔ اگرچہ ان کے نفوس اس کا تقاضا ہی کرتے ہوں۔ اس لیے کہ آخرت میں اُن کے لیے اجرِ عظیم اور فوزِ کبیر ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔
پہلاان میں سے کسی کو اگر اتفاقاً کچھ کشائش رزق نصیب ہو بھی جاتی، تو وہ ان فساق اصحابِ ثروت جیسی نہیں ہوتی جو دین سے محروم ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دُعا فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ كَفَافًا[1] — اے اللہ! آلِ محمدؐ کو بقدرِ کفایت رزق عنایت فرما۔"

چنانچہ اس دعا کے مطابق میری عمر کا ایک تہائی حصہ اسی حالتِ کفاف ہی میں گزرا۔ اس وقت ہمارا خاندان سات آٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ جب میں نے نکاح کیا، اولاد ہوئی، ازواج و اخوات کے مصارف کا بوجھ بھی سر پر پڑا تو اللہ تعالیٰ نے کسی کا منت کش نہیں ہونے دیا۔ بلکہ اپنے فضل وکرم سے مجھ پر رزق کا دروازہ کھول دیا۔ اس نعمت کا شکر میرے امکان سے باہر ہے۔

عاجزی وانکساری:

اللہ تعالیٰ نے مجھے بچپن ہی سے متواضع اور خاکسار بنایا ہے۔ مخلوق خدا کے لیے میں طبعی طور پر شفقت، رحمت، رأفت اور رقت کے جذبات رکھتا ہوں۔
حضرت جابر بن عبداللہ رضؓ سے مرفوع روایت ہے:

لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَّا يَرْحَمُ النَّاسَ۔ (متفق علیہ) — جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا خدا اس پر رحم نہیں فرمائے گا۔"

---

[1] متفق علیہ

اور فرمایا کہ:

اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ۔ [۱]	کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

اور مجھے یہ حدیث مسلسل پہنچی ہے۔ اور حدیثِ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں فرمایا کہ:

اِنَّ اللّٰہَ رَفِیْقٌ یُحِبُّ الرِّفْقَ وَیُعْطِیْ عَلَی الرِّفْقِ مَا لَا یُعْطِیْ عَلَی الْعُنْفِ وَمَا لَا یُعْطِیْ عَلٰی مَا سِوَاہُ۔	اللہ تعالیٰ نرم ہے، نرمی کو پسند فرماتا ہے۔ نرمی پر اس چیز سے نوازتا ہے۔ جس سے سختی یا کسی اور چیز پر نہیں نوازتا۔

(مسلم)

میں ہمیشہ سے اپنی فطرت میں ہیّن، لیّن اور سہل قریب ہوں۔ جدل و غضب، کبر و حقد اور حسد و حرص وغیرہ اخلاقِ ذمیمہ سے بالطبع متنفّر رہتا ہوں۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے مارا ہو، یا کسی کو گالی دی ہو، یا کسی کو اس کے منہ پر سخت سُست کہا ہو، یا اعداء سے انتقام لینے کا قصد کیا ہو۔ بلکہ ہمیشہ اپنے لیے تحمّل و صبر و بے چارگی، خاموشی و عاجزی اور فروتنی کو پسند کیا ہے۔ اور دوسروں سے بھی اخلاقِ حسنہ کا خواہش مند رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے غضب و غرور، کبرِ باطن اور ظلمِ صریح سے بچایا ہے۔ میں نے اپنے آپ کو ہمیشہ مظلوم و مجبور ہی پایا۔ وللہ الحمد!

مجھ پر اگر کوئی شخص غصّہ یا ظلم کرتا ہے تو مجھے حضرتِ ابوہریرہؓ سے مروی حدیث یاد آجاتی ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرَعَۃِ اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِکُ نَفْسَہٗ	بہادر پچھاڑ دینے والا نہیں ہے، بلکہ بہادر تو وہ ہے جو غصّہ کے وقت اپنے

عِنْدَ الْغَضَبِ۔ نفس پر قابو رکھ سکے۔

(متفق علیہ)

اسی طرح ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے کچھ وصیت فرمائیے۔ آپؐ نے فرمایا:

لَا تَغْضَبْ ——— غصے میں نہ آیا کرو۔

اس نے بار بار استفسار کیا۔ آپؐ ہر بار یہی فرماتے رہے۔ (رواہ البخاری)

حضرت شیخ سعدیؒ نے بوستان میں لکھا ہے ؎

زخاک آفریدت خداوندِ پاک!
پس اے بندہ افتادگی کن چو خاک
حریص و جہاں سوز و سرکش مباش
زخاک آفریدندت آتش مباش
چو گردن کشید آتشِ ہولناک
بہ بیچارگی تن بنیداخت خاک
چو ایں سرفرازی نمود آں کمی
ازیں دیو کردند وزاں آدمی

میں اپنے شہر کی جامع مسجد میں بچپن ہی سے امام و خطیب اور واعظ تھا اور یہ اُجرت و خدمت کے بغیر صرف آبائی جاہ و عزت کے لیے تھا۔ جب طلبِ رزق میں بھوپال آیا تو یہاں بھی گاہے گاہے بعض مساجد میں وعظ کہا کرتا تھا لیکن پھر زمانہ کی حالت دیکھ کر ترک کر دیا۔ لیکن حضر ہو یا سفر، وطن ہو یا غربت کبھی بھی علم، نسب یا وعظ کو ضیافتِ طعام یا اخذِ حطام و نذر کے لیے وسیلہ نہیں بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آلودگی سے مجھے ہمیشہ بچا کر رکھا، و للہ الحمد!

اسبابِ فسق سے روٹی کما کر کھانا اس سے بہتر ہے کہ آدمی دین کو حصولِ دنیا کے لیے جال بناتے یا علمِ دین کو تحصیلِ معاش یا سوال و قرض کے لیے وسیلہ ٹھہرائے۔ ایسے لوگ عام طور پر علمِ دین کی برکات سے دنیا و آخرت میں محروم ہوتے ہیں۔

استعانت باللہ:

جب بھی کوئی فکر، خوف، حزن یا اندوہ دامن گیر ہوا تو میں نے کسی شخص کے سامنے اس کا اظہار نہیں کیا اور نہ کبھی کسی سے امداد یا اعانت طلب کی بلکہ اپنے ہی جی میں اللہ تعالیٰ کے سامنے دعا و تضرع کی اور توبہ و استغفار بجا لایا اور اپنے کام کو اس کے علم و ارادہ پر چھوڑ دیا۔ اور اس سے ہمیشہ خیر و نجات کی توقع رکھی ؎

کارِ خود را بخدا باز گزار
کن نمی بینم ازیں بہتر کار

اس طرح اللہ تعالیٰ نے میری ہر مشکل آسان کر دی اور مجھے ہر خوف و دہشت سے بچا لیا اور مجھے کسی کا منت کش نہ ہونا پڑا۔ علامہ شعرانی رح نے لکھا ہے:

مِنْ اَعْوَنِ شَیْءٍ عَلٰی قَضَاءِ الْحَوَائِجِ مِنْ طَرِیْقِ الْخَلْقِ اِنْزَالُ الْحَاجَۃِ بِمَنْ بَصَرُہٗ مَقْصُوْرٌ عَلَی الدُّنْیَا مِنَ الْعِبَادِ وَالْاُمَرَاءِ وَغَیْرِھِمْ لِاَنَّہٗ مَحْجُوْبٌ عَنْ اَحْوَالِ

مخلوق کے ذریعے حاجات پوری کرانے کا ایک آسان ترین راستہ یہ ہے کہ انہیں ایسے شخص کے سامنے پیش کر دیا جائے جس کی نگاہیں صرف دنیا پر لگی ہوئی ہیں خواہ وہ کوئی عام شخص ہو یا حاکم وغیرہ۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ لوگ

أَحْوَالِ الْآخِرَةِ۔ آخرت کے احوال سے بالکل حجاب میں ہوتے ہیں"۔

اہلِ باطن کا تجربہ ہے کہ جو شخص مخلوق کے مطلع ہونے سے قبل اپنی مصیبت کا اظہار اپنے خالق کے سامنے کرتا ہے۔ وہ بلا جلد دُور ہو جاتی ہے۔ مجھے بھی اس کا تجربہ ہوا ہے۔ حدیثِ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ۔ "جب سوال کرو تو اللہ سے اور جب مدد مانگو تو اللہ سے!"

(احمد و ترمذی)

اور یہی معنی ہیں اس آیت شریفہ کے:

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔

عام لوگوں کا دستور یہ ہے کہ کسی ضرورت یا مصیبت کے وقت ہر خسیس و خسیس اور نفیس سے ملتجی ہوتے ہیں۔ خواہ دین و دنیا کی آبرو سلامت رہے یا دست بردِ ذلت ہو جائے۔ لیکن مجھ پر جب کبھی غم و الم اور تفکر کا ہجوم ہوتا ہے تو اپنے آپ کو سب تدابیر میں عاجز پاکر، اللہ ہی سے فریاد رسی کرتا ہوں۔ نہ کسی سے زیادہ اظہارِ شکوہ و شکایت کرتا ہوں اور نہ کسی سے حفاظت و حمایت چاہتا ہوں۔ بلکہ اپنی تقدیر پر رضا مند رہتا ہوں۔ یعنی حتی الامکان! ورنہ رضا بالقضا ہم جیسے کم ہمتوں کا کام نہیں۔ یہ مقام تو صدیقین کا ہے لیکن بحکم ع

برمن منگر برکرم خویش نگر

اللہ تعالیٰ مجھ سے نالائق عاصی عاجز ذلیل نہیں کرتا۔ ہر بلا و ابتلاء سے

محفوظ فرما دیتا ہے۔ وللہ الحمد والمنّۃ۔

فقر و غنا :

اگرچہ میں فقر سے ڈرتا ہوں خصوصاً اس اعتبار سے کہ فقر اکثر زوالِ دین کا موجب اور بالیقین باعثِ سوال و ذلّت ہوتا ہے۔ لیکن میرے دل میں دنیا کی محبت اتنی نہیں جتنی کہ اہلِ دنیا کو ہوتی ہے۔ بچپن سے آج تک کبھی کسی لذیذ طعام، نفیس لباس یا عمدہ سواری وغیرہ کا شوق نہیں ہوا۔ جو ملا وہ کھا لیا، جو ہاتھ آیا وہ پہن لیا۔ وللہ الحمد!

کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ باطنی اعتبار سے دنیا سمومِ قاتلہ، اباطیلِ مفتعلہ، خدائعِ کثیر، مصائد و مکائدِ بسیار پر مشتمل ہے اور لوگ اس کی وجہ سے ایک دوسرے سے بغض رکھتے ہیں، حسد کرتے ہیں، دشمنی، قطعِ تعلقی اور انقباض کرتے ہیں۔ دنیا کی خاطر خواہ مقدار مکر و زور اور فریب و دروغ کے بغیر ہاتھ نہیں آتی، اور یہ سب امورِ دین کی جڑ کاٹ دیتے ہیں۔ اس لیے مقدّر پر شاکر اور مقدار میسّر پر قانع رہنا خیر و برکت کی علامت ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝[1]

ہاں اسراف و تبذیر کو بہت بُرا جانتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مبذرین کو قرآن پاک میں اخوان الشیاطین فرمایا ہے اور اسراف سے منع فرمایا ہے، میانہ روی کا حکم دیا ہے۔ ہر شخص اس قاعدہ کا خیال نہیں رکھتا، وہ دنیا و آخرت میں نقصان اُٹھاتا ہے۔ بعض لوگ اسراف کو جود و سخا سمجھتے ہیں۔ یہ ان کی غلط فہمی اور شریعت سے جہالت کا نتیجہ ہے۔ جب کسی کی قسمت میں رزق کی فراوانی ہو تو عیب سے

[1] القصص: ۸۳

اس کے سامان جمع ہو جاتے ہیں۔ انسان کتنا ہی کیوں نہ بھاگے، وہ دولت اسے مل کر رہتی ہے۔ اور اگر تقدیر میں تنگیٔ عیش ہو تو خواہ آسمان و زمین کے سارے طبقے ملا ڈالے، ایک درہم ہاتھ نہیں آتا۔ انسان کو چاہیئے کہ اپنی چادر سے زیادہ پاؤں نہ پھیلائے، اور سُنن صحیحہ کے بموجب ہمیشہ "اوّل خویش بعدہٗ درویش" اپنا نصب العین بنائے رکھے ؎

اے بحکم شرع آب خوردن خطا ست!
وگر خوں بفتوی بریزی روا ست

میں اگر صاحب اہل وعیال نہ ہوتا، یا میرے اہل وعیال تدبیرِ منزل اور تحصیل رزق میں میرے محتاج نہ ہوتے تو میں اپنے آپ کو بالکل زاہد و قانع پاتا ہوں۔ تاہم حضرت ابوذرؓ سے مروی یہ حدیثِ مرفوع خاطرِ شکستہ کے لیے باعثِ تسلی ہے۔

"اَلزَّهَادَةُ فِى الدُّنْيَا لَيْسَتْ بِتَحْرِيْمِ الْحَلَالِ وَلَا اِضَاعَةِ الْمَالِ وَلٰكِنَّ الزَّهَادَةَ فِى الدُّنْيَا اَنْ لَّا تَكُوْنَ بِمَا فِىْ يَدَيْكَ اَوْثَقَ بِمَا فِىْ يَدَيِ اللّٰهِ" الحدیث۔

دنیا میں زہد، حلال کو حرام قرار دینا یا مال کو ضائع کرنا نہیں ہے بلکہ دنیا میں زہد تو یہ ہے کہ اس چیز پر جو تمہارے ہاتھوں میں ہے اس چیز کی بہ نسبت جو خدا کے ہاتھ میں ہے، زیادہ اعتماد نہ کرو۔

(الترمذی وابن ماجہ)

حضرت صہیبؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَهٗ كُلَّهٗ لَهٗ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّاءُ

مومن کا معاملہ تعجب انگیز ہے کہ اس کے تمام امور اس کے حق میں بہتر ہیں۔ اور یہ صرف مومن ہی کی امتیازی شان ہے۔ اگر اسے

هُ شُکْرٌ فَکَانَ خَیْرًا لَہٗ وَاِنْ اَصَابَتْہُ ضَرَّآءُ صَبَرَ فَکَانَ خَیْرًا لَّہٗ ؎ (مسلم)

مسرت نصیب ہو تو شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہے اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچے تو صبر کا مظاہرہ کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لیے بہتر ہے۔

مجھ پر یہ دونوں حالتیں گزر چکی ہیں۔ پہلی حالت "ضراء" کی تھی اب "سراء" کی ہے۔ الحمد للہ کہ پہلی حالت میں شاکی نہیں بلکہ صابر تھا۔ اب جاحد (منکر، ناشکرا) نہیں بلکہ شاکر ہوں۔

کسبِ معاش:

جب میں معاش کی تلاش میں گھر سے نکل کر بھوپال آیا تو بالکل بے وسیلہ تھا میں نے ملازمت کے ارادہ کے اظہار کے لیے مدار المہام کو ایک رقعہ لکھا تھا اور پھر کرایہ کے مکان میں مقیم ہو گیا۔ مدار المہام نے رئیسہ مرحومہ سے میری سفارش کی تو انہوں نے مجھے اپنے محکمہ آستانۂ خاص میں ملازم رکھ لیا، اُمیدداری اور دربارداری کے لیے کچھ زیادہ کش مکش کا سامنا نہ کرنا پڑا۔

۲ رجب ۱۲۷۰ھ کو یہاں آیا تھا اور اسی سال رمضان المبارک میں ملازم ہو گیا۔ اور ۱۲۷۲ھ کے آخر تک ملازم رہا۔ پھر ۱۸ محرم ۱۲۷۳ھ کو بعض اشخاص کی کوششوں سے برطرف ہو کر وطن روانہ ہو گیا۔ اور اسی اثنا میں ۲ شوال کو کانپور وغیرہ میں غدر رافواج ہو گیا تھا۔ میں اپنے غریب خانہ میں جا کر گوشہ نشین ہو گیا۔ ۲ ذیقعدہ ۱۲۷۴ھ کو مفقود ہو گیا تھا۔ وہاں سے رئیسہ مرحومہ کے طلب کرنے پر ۲۳ محرم ۱۲۷۵ھ کو روانہ ہو کر ۲۴ صفر کو عین موسم برسات میں آیا۔ اس مرتبہ کسی کی وساطت سے ملاقات میسر نہ آسکی۔ ۱۹ ربیع الاول کو ٹونک کی طرف روانہ ہو گیا۔ ۱۱ ربیع الآخر کو وہاں

پہنچا۔ رئیس ٹونک وزیرالدولہ مرحوم نے والد مرحوم کے ساتھ تعلقات کی وجہ سے نہایت اصرار کے ساتھ مجھے اپنے ہاں ملازم رکھ لیا۔ وہاں مجھے آٹھ ماہ تک قیام کا اتفاق رہا۔ اس عرصہ میں پھر رئیسہ بھوپال نے مجھے طلب فرمایا۔ ۲۰ر ذی الحجہ ۱۲۷۵ھ کو چل کر یا و محرم ۱۲۷۶ھ کو وارد بھوپال ہوا۔ اور اسی سال صفر میں پھر ملازم ہو گیا اور نواب سکندر بیگم رئیسہ مرحومہ کی وفات تک نہایت عزت و حرمت کے ساتھ ملازم رہا۔ اپنے زمانہ ملازمت میں گھر اور مکان کچہری ہی سے واسطہ رکھا۔ اور اخوان وارکان واہل کاران ریاست میں سے کسی شخص سے کوئی رابطہ نہ رکھا۔ بندہ جب اپنے رب پر صحیح توکل کرتا ہے۔ تو وہ غیب سے جمعیت کے اسباب مہیا کر دیتا ہے۔ اور اپنے بندے کو خوار وزار نہیں کرتا۔ اور نہ در بدر کی ٹھوکریں کھانے دیتا ہے۔ حدیث ابن مسعودؓ میں ارشاد ہے:

إِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِيْ رُوْعِيْ أَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا أَلَا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ وَلَا يَحْمِلَنَّكُمُ اسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ أَنْ تَطْلُبُوْهُ بِمَعَاصِي اللّٰهِ فَإِنَّهُ لَا يُدْرَكُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ إِلَّا بِطَاعَتِهِ ”

(شرح السنۃ)

روح القدس نے میرے دل میں اس بات کو ڈالا ہے کہ کوئی شخص اپنا رزق مکمل طور پر حاصل کئے بغیر فوت نہیں ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور احسن انداز میں رزق طلب کرو، رزق کی تاخیر تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اللہ کی نافرمانی کی راہوں سے رزق طلب کرنے لگو، کیونکہ اللہ کے رزق کو اس کی طاعت ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے“

الحمدللہ! میں نے کبھی رزق کو معصیت کے وسیلہ سے طلب نہیں کیا۔ اور نہ معاش واموال کی تحصیل کے لیے کوئی لمبی چوڑی دوڑ دھوپ ہی کی بلکہ

بلکہ طلبِ رزق میں ہمیشہ "اجمال" ہی کو اپنے لیے پسند کیا ہے۔ شاید اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رزق کی بارش کر دی ہے۔

لاغنی لی عن برکتک۔ تیری برکت سے میں بے پروا نہیں ہو سکتا۔

میں نے بھوپال کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ ایک محمدی نامی نواڑ باف جو کہ عطاری کا پیشہ کرتا تھا اور والد مرحوم کا مرید تھا۔ وہ میرے اس طرف کے سفر کا محرک ہوا، وہی میرے ہمراہ آیا۔ چونکہ میرا رزق اسی جگہ مقدر تھا۔ لہذا اسی جگہ قیام ہو گیا حدیثِ ابو درداءؓ میں مرفوعاً آیا ہے:

إِنَّ الرِّزْقَ لَيَطْلُبُ الْعَبْدَ كَمَا يَطْلُبُهُ أَجَلُهُ۔ رزق بندے کو ایسے ہی تلاش کرتا ہے جیسے موت۔

(رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ)

ملازمت کے پندرہ سال:

میں نے اس ریاست میں رمضان ۱۲۷۱ھ سے لے کر ۱۲۸۵ھ کے اواخر تک کل پندرہ سال رئیسہ مرحومہ کی ملازمت کی۔ اگرچہ وہ مرحومہ نہایت تیز مزاج درشت خو، بے مروت اور سخت گو تھیں۔ لیکن انہوں نے مجھ پر کبھی کوئی سختی، درشتی یا جرمانہ وغیرہ نہیں کیا۔ میں بھی اوقاتِ حاضری اور خدمت کی بجا آوری کی نہایت پابندی کیا کرتا تھا۔ اور ان کے غصہ سے خائف رہتا تھا۔ پہلے انہوں نے مجھے آستانۂ خاص کا منشی مقرر کیا تھا۔ چھ ماہ بعد قائم مقام میر منشی ریاست کر دیا، پھر مجھ سے بھوپال کی تاریخ نگاری اور پھر قانونِ ریاست کی ترتیب کا کام لیتی رہیں۔ تعظیم کے لیے سرِ دربار سروقد کھڑی ہو جایا کرتی تھیں۔ اور ملاقات کے وقت سلام کی ابتدا خود کیا کرتی تھیں۔ جس زمانہ میں قنوج سے ہو کر

واپس آئیں اور اس اثناء میں انہیں میرے خاندان کے حالات، مراتب اور احترام واعزاز سے کچھ واقفیت حاصل ہوئی تو انہوں نے مراعات میں بہت کچھ اضافہ فرمادیا سفرِ آگرہ کے وقت جب ان کا گزر قنوج سے ہوا تو بندہ نے انہیں ضیافت قبول فرمانے کی زحمت دی، طعام تو انہوں نے قیام گاہ پر طلب کر کے تناول فرمایا، البتہ میرے گھر آکر والدہ محترمہ اور ہمشیرگان کی خدمت میں درہم و دینار پیش فرمائے، اور وفات تک کمال عزت و محبت سے پیش آتی رہیں۔

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ:

میں اس شہر میں چونتیس[۳۴] برس سے سکونت پذیر ہوں۔ جب تک اس ظاہری اوج موج پر فائز نہ تھا۔ جسے اکالین بطالین دنیوی عروج سمجھتے ہیں۔ لیکن میں اسے دینی زوال سے تعبیر کرتا ہوں۔ اکثر لوگ میرے ساتھ کوئی حسد یا دشمنی نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے کہ انہیں کوئی امتیازی وصف مجھ میں نظر نہ آتا تھا۔ لیکن اب جب کہ اٹھارہ سال سے مجھے اپنے اقران و اماثل پر ایک طرح کی فضیلت حاصل ہے۔ اندرونی طور پر بازارِ حسد گرم ہو گیا ہے، چونکہ حاسدوں کی سب سرگرمیاں خفیہ تھیں۔ اس لیے مجھے ان کے حسد و بغض سے لاعلمی رہی۔ کیونکہ میں کسی شخص کا حق تلف کر کے اس مرتبہ و منصب پر نہ پہنچا تھا۔ اور نہ میری گزران کسی کے ساتھ حسد و عداوت یا نفرت پر مبنی تھی۔ اس لیے میں کسی کی طرف سے دشمنی کا خیال تک نہ کر سکتا تھا۔ میں تو ہمیشہ سے بے پروا، غافل مزاج تھا، غفلت میں رہا، اور سب کے ساتھ مدارات و مواسات کرتا رہا۔ اور یہ لوگ زیر پردہ میری خرابی کے لیے تدابیر کرتے رہے۔ اکثر لوگ دین و دنیا کے بارے میں مجھ پر حاسد تھے۔ لیکن جب انہیں دست اندازی کا کوئی موقع ہاتھ نہ آیا بجز خفیہ سوچوں کے تو انہوں نے کبھی زہر دینے کی کوشش کی،

کبھی مجھے غفلت میں قتل کر دینے کی سازش کی، کبھی جادوگروں اور اہلِ عزائم سے استمداد کی۔ لیکن ان کا کوئی حیلہ کارگر ثابت نہ ہوا، اللہ نے مجھے ہر بلا سے محفوظ رکھا، جب ان کی سب تدابیر ناکام ہو گئیں۔ اور انہیں قطعاً کامیابی نہ ہوئی تو انہوں نے تہمت مذہبی اور بد نظمی ملک کا ہنگامہ برپا کر کے مجھے علیحدہ کرنے اور خود رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اور سب لوگوں نے متفق ہو کر جھوٹی مخبری سے کام لیا۔ چنانچہ میں بحمداللہ جملہ کاروبارِ ریاست سے بالکل جُدا ہو گیا۔ لیکن پھر بھی ان کا مدعا ان کے ہاتھ نہ آیا۔ جب اس امر میں بھی انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تو انہوں نے میرے اندرونِ خانہ کے امور کے بارے میں افترا پردازیاں اور طوفان باندھنے شروع کر دیئے۔ لیکن انہیں ثابت کرنے سے عاجز و قاصر رہے۔ انہوں نے ملک کے قریہ قریہ اور شہر شہر میں پریس کے اخبارات کے ذریعے ان اباطیل اور خرافات کی اشاعت کی پوری پوری کوشش کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی بدبختی کا ثمرہ یہ دیا کہ ان ہزارہا کوششوں کے باوجود وہ اپنا مدعا حاصل نہ کر سکے۔ اس پانچ سال کے عرصہ میں ان لوگوں کے مخفی ارادوں پر اچھی طرح مطلع ہو گیا۔ جن لوگوں کی میرے پاس آمدورفت تھی۔ ان کو تو میں بخوبی پہچانتا تھا، اور ان کی ریاکاری اور کمینگی سے بخوبی آگاہ تھا۔ اس کے باوصف دیدہ و دانستہ ان کے مغالطات، فریب دہی اور بازی گری کو قبول کر لیا کرتا تھا۔ اور غالباً وہ مجھے غافل سمجھتے ہوں گے۔ لیکن میں اپنی سرشت سے مجبور تھا۔ مجھے بدخلقی کی عادت ہے نہ دشنام طرازی و سخت گیری کی۔ میں عمداً اہلِ عداوت سے باخلاقِ تمام پیش آتا ہوں۔ یہ بات نہیں کہ میں سادہ لوح اور مردم شناسی کی صلاحیت سے عاری ہوں۔ بلکہ بمقتضائے وقت تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتا ہوں۔ اگر اتفاقاً کسی سے دھوکا کھا لیا ہو تو بھی کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس لیے کہ ہر شخص کے متعلق صحیح

قیا فہ اور اندازہ لگانا مشکل ہے۔ خصوصاً جس شخص سے کوئی زیادہ کام نہ پڑتا ہو، محض دُور کی صاحب سلامت ہو، اس سے ہر شخص خواہ کیسا ہی عاقلِ کامل کیوں نہ ہو، ضرور دامِ غفلت میں پھنس جاتا ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے:

اَلْمُؤْمِنُ غِرٌّ کَرِیْمٌ وَالْمُنَافِقُ خَبٌّ لَئِیْمٌ" مومن فریب کھا جانے والا معزز ہے، اور منافق فریب کار کمینہ ہے۔

بندۂ مومن کو بڑا دھوکا اس شخص سے ہوتا ہے جو علم یا دینداری کا لبادہ اوڑھ کر دھوکا دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ سعادت مہد میں منافقین بے حساب تھے۔ قرآن مجید دیکھو نفاق واہلِ نفاق کا کس کثرت سے ذکر ہے۔ پھر ہم اس دورِ پرشور کا کیا شکوہ کریں؟ اب تو ایک شخص بھی قولاً یا عملاً قلتۃً یا کثرۃً خصالِ نفاق سے خالی نظر نہیں آتا ؎

مژہ در جہاں نمی بینم!
دہر گوئی دہانِ بیمار ست!

عداوت کا جوش و خروش جیسے دوسروں کا میرے ساتھ ہے۔ میرا کسی کے ساتھ نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت نہ ہوتی، تو میں مدت سے لقمۂ اجل ہو چکا ہوتا۔ لیکن مَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ کِتَابًا مُّؤَجَّلًا [1]

ابتلاء کے بعد:

ہر چند کہ اس زلزلۂ عظیم میں جان و مال اور آبرو کے اعتبار سے متواتر صدمات پہنچے مگر ایمان تزلزل سے محفوظ رہا۔ بڑا بلوہ کتبِ دین کی تالیف کے سلسلہ میں تھا۔ بحمد اللہ اسی سابقہ حالت کے مطابق بلکہ اس سے بھی

[1] آل عمران: ۱۴۵

بڑھ کر اس شغل میں مشغول ہوں کیونکہ جب میں کام کرتا تھا۔ اس وقت ایک ثلث یا اس سے بھی زیادہ وقت اشتغالِ دنیا میں صرف ہوتا تھا۔ اب جب سے فارغ ہوں، اللہ تعالیٰ نے ضائع ہونے والے اوقات کا نعم البدل عطا فرمایا ہے اور " وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا۔[1] " کا مضمون سمجھا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے داعی ہوں کہ میری عمر کے آخر کو عمر کا بہترین حصّہ کر دے اور حفظِ ایمان کے ساتھ اس جہان ناپائیدار سے دار القرار کی طرف لے جائے ؎

ایماں چو سلامت بلب گور بریم !
احسنت بریں چستی و چالاکیِ ما !

بیوقوف لوگ خیال کرتے ہیں کہ دنیا میں ان عوارض کی وجہ سے مجھے ایک طرح کی خفت کا سامنا کرنا پڑا، لیکن یہ بات نہیں کیونکہ میں نے خانہ نشینی و گوشہ گزینی کے سوا ایک قلم سب سے راہ و رسمِ حیات و ممات ترک کر دی ہے اور اس حادثہ میں اللہ کے سوا مجھے کسی سے توقع نہیں اور نہ ہی کسی سے التجا و دستگیری ظاہر کی، پھر خفت کیسی؟ ورنہ بڑے بڑے عالی حوصلہ ایسے وقت میں ہر خسیس و خشیش سے تعلق استوار کرنے لگتے ہیں، اور متزلزل ہو کر غیر اللہ سے استعانت و استمداد کرنے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے سوال، التجا اور استمداد وغیرہ کی ذلّت سے بالکل محفوظ رکھا ہے۔ یہاں تک کہ اب وہی لوگ پھر منافقانہ طور پر میری طرف التجا لاتے ہیں، اور جب میں انہیں اپنے پاس آنے نہیں دیتا کیوں کہ:

لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَرَّتَيْنِ۔ — مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔

تو ادنیٰ سے ادنیٰ شاگرد یا خادم کی خوشامد در آمد کر کے مجھ تک اپنی منفعت کے لیے پیغام و سلامِ خیر سگالی و بہی خواہی بھیجتے ہیں۔ اور میں ان کی آواز پر

[1] المزمل: ۸

کان نہیں رکھتا۔ اس کے باوجود وہ میرے سامنے آنے سے اپنی ذلت ورسوائی محسوس نہیں کرتے، اس لیے کہ وہ نہیں جانتے کہ :

"فریاد شغال وبال شغال ست"

اور اگر خدا نخواستہ کام سے علیحدگی اور خطاب کا انتزاع، جو محض ایک امرِ اضافی تھا نہ کہ وصفِ ذاتی اور نہ باعثِ فخر، ان بندگانِ شکم اور خدام دینار و درہم کے نزدیک میرے لیے باعثِ ذلت ہے تو اس کے جواب میں صرف کسی عالم عاقل کا یہ فقرہ کافی سمجھتا ہوں جو

ذَلِيلُ الدُّنْيَا خَيْرٌ مِّنْ ذَلِيلِ الْآخِرَةِ !

اور ؎

گر کارِ تو نیک ست بتد بیرِ تو نیست !
ور نیز بدست ہم ز تقصیر تو نیست !
تسلیم و رضا پیشہ کن و شاد بزی !
چوں نیک و بد جہان بتقدیر تو نیست !

ہمارے اسلاف حضرت حسین رضی اللہ عنہ ائمہ اہلِ بیت، ائمہ اربعۂ مجتہدین اور اولیاء و اکابرین دین کی ایک جماعت پر کیا کچھ آفات و مذلات نہیں آئے۔ کوئی قتل ہوا کسی کو زہر ہلاہل پلایا گیا۔ کوئی حبسِ دوام ہی میں مرگیا، کسی کو شہر سے نکالا گیا، کسی کا چمڑا بدن سے جدا کر دیا گیا۔ کسی کو دار پہ کھینچا گیا۔ کسی کو کسی فریب سے مارا اور کسی کو صریح ظلم سے قتل کیا گیا [1]

---

[1] آہ! سچ ہے ؎ کس روز تہمتیں نہ تراشا کئے عدو !
کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کئے

پھر ہماری کیا ہستی ہے کہ ہم شغلِ منحوس کے فراق اور لفظ منتزع کے سقوط کو کوئی آفت و بلا سمجھیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا احسان بہت زیادہ ہے کہ ہم تو آتش کے لائق تھے۔ لیکن اس نے ہم سے راکھ پر صلح کر لی اور سچ پوچھو تو یہ خفتِ آفت ہمارے ضعفِ ایمان اور قلبِ ایقان کی وجہ سے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہمارا مرتبہ بلند ہوتا تو کبھی اس حالت کذائی کو ہمارے بلیے کافی نہ سمجھا جاتا۔ حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ:

"مومن دین میں مضبوطی اور کمزوری کے مطابق آزمایا جاتا ہے اگر مضبوط ہو تو آزمائش شدید اور کمزور ہو تو آزمائش خفیف ہوتی ہے۔"

یہ تو اللہ کا شکر بجا لانے کا مقام ہے کہ اس نے اس کثرتِ معاصی کے باوجود مجھے کوئی سخت سزا نہیں دی۔ ہجوم ذنوب کے باوصف پردہ پوشی کی اور ہمیں اعدائے نافرجام کے طعن و ملامت کے تیروں کا ہدف نہ بنایا بلکہ اس حیص بیص کے ساتھ اس عزت و آبرو سے اب تک اپنے ظلِ حمایت میں امن و امان کے ساتھ چھوڑ رکھا ہے۔ وللہ الحمد!

علاماتِ عالم ربانی:

اقامتِ بھوپال کے زمانہ میں میں نے کتبِ صحاح و سنن پر کافی عبور حاصل کر لیا تھا۔ اور زرِ کثیر صرف کرنے کے بعد فقہِ سنت اور تفسیر کی بہت سی کتابیں حجاز، یمن بصرہ اور دیگر ممالک سے منگوا کر جمع کر لی تھیں۔ اسی جگہ مولوی عبدالقیوم فرزند مولوی عبدالحی مرحوم سے بھی ملاقات ہوئی، ان کے باپ اور میرے باپ ایک ہی شیخ یعنی سید احمد بریلوی رحمہ اللہ کے مرید تھے۔ انہی کے والد مرحوم مولوی عبدالحی رح صاحب سب سے پہلے ہندوستان میں علامہ شوکانی رح کا رسالہ "الدرالبھیہ مع

فوائد مجموعہ "سفرِ حج سے لائے تھے۔ اور انہوں نے امام شوکانی رحمہ اللہ سے بذریعہ تحریر علومِ شرعیہ کی سند اور اجازتِ روایت بھی حاصل کی تھی۔ یہ بات مولوی عبداللہ خاں علوی شاگرد مولانا محمد اسمٰعیل شہید دہلوی اور استاد مولوی امام بخش صہبائی نے اپنے رسالہ "المنہج السدید فی ردّ التقلید" میں چشم دید لکھی ہے۔ میرے والدِ مرحوم نے مولوی عبدالحی مرحوم کے نسخہ سے "در ربہیہ" کو نقل فرمایا تھا وللہ الحمد!

مولوی عبدالقیوم، مولوی اسحاق مہاجر مکہ معظمہ کے داماد تھے۔ کتبِ حدیث اور ترجمہ موضح القرآن وغیرہ پڑھتے پڑھاتے رہے۔ اور اپنے بزرگوں کے طریقہ پر قائم رہے۔ ۱۲۹۹ھ میں ان کا وطن جا کر انتقال ہو گیا تھا (رحمہ اللہ تعالیٰ)
میں نے انہیں خواب میں دیکھا تو انجامِ حال کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے مجھ سے کہا:

"ویسا حال نہیں دیکھا جیسا ہم سنتے تھے"۔

میں سلوک سبیلِ علم میں اپنے باپ، ان کے مشائخ اور اپنے شیوخِ علم کے طریقہ پر چل رہا ہوں۔ "قولِ جمیل" میں عالمِ ربانی کے منجملہ آداب و علامات میں سے یہ بھی لکھا ہے کہ علمِ تفسیر، حدیث، فقہِ سنت و سلوک یعنی تصوف سنی، عقائد اور صرف و نحو کا درس دے اور کلام و اصول اور منطق وغیرہ میں مشغول نہ ہو۔ مولانا عبدالعزیز دہلوی نے فرمایا ہے کہ اس جگہ اصول کا کلام پر عطف تفسیری ہے۔ اس لیے کہ کلام کو اصول بھی کہتے ہیں۔ یہاں اصولِ فقہ یا اصولِ حدیث مراد نہیں۔
دوسری علامت یہ ہے کہ تلقینِ اشغال کرے، ایک وقت بیٹھ کر لوگوں پر توجہ دے، القاءِ سکینہ کرے کیونکہ اتمام حجتِ الٰہی استطاعتِ ممکنہ و میسرہ کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ بلسرہ میں صحبت رکھنا اور اشغال پر قولاً و فعلاً و تصرفاً بالقلب

اُبھارنا داخل ہے۔

تیسری علامت یہ ہے کہ وعظ و نصیحت سے ان کی خبرگیری کیا کرے۔

چوتھی علامت یہ ہے کہ آدابِ وضوء و نماز وغیرہ کے متعلق امر و نہی کرے اور

پانچویں علامت یہ ہے کہ غرباء اور طلبۂ علم کی بقدرِ امکان مواسات و غمخواری کرے۔ اگر اپنے مقدور میں نہ ہو تو کم از کم دوسروں کی اس طرف ضرور توجہ مبذول کرائے۔

ایسا شخص ہی وارثِ انبیاء ہوتا ہے۔ اسی کو ملکوت میں عظیم کہتے ہیں، اسی کے لیے مچھلیاں پانی میں دعا کرتی ہیں۔ فَلَازِمْهُ فَلَا يَفُوْتَنَّكَ فَإِنَّهُ الْكِبْرِيْتُ الْأَحْمَرُ۔

جو شخص ان امور میں سے کسی میں کسی قسم کی کوتاہی کرے گا۔ اس کے اندر گویا ایک طرح کا رخنہ ہو گا جب تک کہ وہ اس کو بند نہ کر دے۔ الحمدللہ تعالیٰ کہ میرے سب مشائخِ علمِ دین اسی طریقہ پر گزرے ہیں۔ مجھ سے اگرچہ ان جملہ اُمور کا امتثال بخوبی نہیں ہوا۔ اور نہ ہو رہا ہے۔ لیکن حتی المقدور ان علامات کی مراعات ضرور پیشِ نظر رہتی ہے ؎

أُحِبُّ الصَّالِحِيْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ
لَعَلَّ اللهَ يَرْزُقُنِيْ صَلَاحًا

شادی خانہ آبادی:

میں نے سنتِ نکاح بھوپال ہی میں ادا کی۔ مدار المہام مرحوم کو موحد، خوش عقیدہ، شاگرد مولانا محمد اسحاق صاحب اور معتقدِ خاندانِ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ پایا تو ان کی بیوہ دختر کلاں سے نکاح کر لیا اور یہ نکاح رسم و راہ بدعت

اور کسی قسم کے ارتکاب منکرات کے بغیر بالکل سنتِ صحیحہ کے موافق انجام پایا تھا۔ اُنہوں نے مہرِ مثل پانچ ہزار روپیہ مقرر کرنے کا مطالبہ کیا تھا مگر میں نے یہ عذر کیا کہ میں کم مشاہرہ کا ملازم ہوں، لہٰذا اپنی استطاعت کے مطابق مہر مقرر کروں گا۔ چنانچہ پھر مہرِ فاطمی پر انحصار کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس نکاح میں نمایاں برکت بخشی اور اولادِ صالح عطا کی۔

یہ نکاح ریاست کے اہالی و موالی اور اعالی و ادانی کی موجودگی میں ۵ ہر شعبان ۱۲۷۷ھ کو منعقد ہوا تھا۔ مولانا عبدالقیوم مرحوم نے مسجد جامع میں خطبۂ نکاح پڑھا تھا۔ مدار المہام مرحوم نے نکاحِ ایامیٰ کے فضائل بیان فرمائے اور خود متکفلِ نکاح ہوئے، اس بیوی نے اپنے والد ماجد کے ہمراہ حج بھی ادا کیا ہوا تھا، ان کے بطن سے دو پسر اور دو دختر متولد ہوئے، جن کے نام نور الحسن، علی حسن، صفیہ، اور حفصہ ہیں۔ دخترِ خورد کا ایام رضاعت میں انتقال ہو گیا تھا۔ باقی تین فرزند بقیدِ حیات ہیں۔ عافاہم اللہ تعالیٰ۔

نور الحسن کی ولادت بروز چہار شنبہ ۱۲ر رجب ۱۲۷۸ھ کو صبح صادق کے وقت ہوئی، صفیہ کی ولادت ۲۷ر ربیع الاوّل ۱۲۸۰ھ کو نصف شب کے وقت ہوئی، علی حسن کی ولادت ۴ر ربیع الآخر ۱۲۸۳ھ بروز دو شنبہ نصف شب کے وقت ہوئی، اور حفصہ ۲۴ر ذی الحجہ ۱۲۸۴ھ کو جمعہ کے دن بعد از نمازِ جمعہ پیدا ہوئی۔ یہ لڑکی نہایت حسین و جمیل تھی۔ ۲۸ دن زندہ رہ کر ۲۱ر محرم بروز چار شنبہ بوقتِ عصر جوارِ رحمتِ الٰہی میں چلی گئی۔ غفر اللہ لہا ؎

گر نہ قضا بود کہ باہم رویم
میرسد آں وقت کہ ما ہم رویم

جس دن سے علی حسن کی ولادت ہوئی، اسی دن سے مجھ پر بسطِ رزق کا

دروازہ کھل گیا۔ و للہ الحمد!

زکیہ مادرِ اطفال کا نسب صدیقی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ قریشی تھے۔ حدیث ابوہریرہؓ میں آنحضرتؐ نے فرمایا:

خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الْإِبِلَ صَالِحُ نِسَاءِ قُرَيْشٍ أَحْنَاهُ عَلَى وَلَدٍ فِي صِغَرِهِ وَأَرْعَاهُ عَلَى زَوْجٍ فِي ذَاتِ يَدِهِ۔

بہترین عورتیں جو اونٹ پر سوار ہوتی ہوں، قریش کی نیک عورتیں ہیں، بچپن میں اپنے بچوں کی نہایت شفقت سے تربیت کرتی ہیں، اور خاوند کے مال کی بہت حفاظت کرتی ہیں۔

(متفق علیہ)

یہ بی بی تہا بنت موحدہ، خوش عقیدہ، سخی مزاج، نرم دل، پابندِ صلوٰۃ و صوم و تلاوتِ قرآن اور دیندار و نیکوکار تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مرفوع روایت ہے:

اَلدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ۔

دنیا سب کی سب سامان ہے اور دنیا کا بہترین سامان نیک عورت ہے۔

(رواہ مسلم)

میں نے اس عورت سے نکاح کرتے وقت حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث کو پیشِ نظر رکھا، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِينِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ۔

عورت سے مال، حسب و نسب، جمال اور دین چار امور کو ملحوظ رکھتے ہوئے شادی کی جاتی ہے۔ تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں تم دین والی کو ترجیح دے کر

(متفق علیہ) — کامیاب ہو جاؤ۔

ان میں یہ چاروں وصف مجتمع تھے۔ مگر میں نے ان کی مرضی کے باوجود ان کے مال سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا۔ رہا ان کا حسب تو ظاہر ہے کہ یہ وزیر اعظم ریاست کی دختر تھیں۔ لیکن میرے پیش نظر صرف ان کا ذات الدین ہونا تھا۔ اگر دینداری مقصود نہ ہوتی تو فسادا بکار کا میسر آنا بھی سہل و آسان تھا۔ حدیث انس رضی اللہ عنہ میں ہے:

اِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ نِصْفَ الْاِيْمَانِ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ فِى النِّصْفِ الْبَاقِىْ۔	نکاح سے آدمی نصف ایمان کی تکمیل کر لیتا ہے۔ باقی نصف میں بھی اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے۔

(بیہقی فی شعب الایمان)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع روایت ہے:

اِنَّ اَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً اَيْسَرُهٗ مَئُوْنَةً!	برکت کے اعتبار سے سب سے عظیم نکاح وہ ہوتا ہے جس میں مالی مشقت کم از کم ہو۔

(بیہقی فی شعب الایمان)

مجھے اس نکاح میں مالی مشقت بہت کم برداشت کرنا پڑی۔ وللہ الحمد!

حج بیت اللہ شریف:

۱۲۸۵ھ میں مجھے حرمین شریفین کا شوق دامن گیر ہوا کیونکہ مجھ پر حج فرض ہو چکا تھا۔ میں نے رئیسہ عالیہ سے رخصت لی اور حجازِ میمنت طراز کی طرف روانہ ہو گیا۔ کامل ایک ماہ بعد مرکب ہوائی سے بصد مشقت جدہ پہنچا، نیم شب کے

وقت مکہ معظمہ میں داخل ہو کر مناسکِ عمرہ بجا لایا اور احرام کھول دیا ؎

جمالِ کعبہ مگر عذرِ رہروان خواہد!
کہ جانِ خستہ دلاں سوخت در بیاباں نش

حج کے بعد ماہِ ذی الحجہ ہی میں مدینہ منورہ کا قصد کیا۔ اس جگہ بھی بمشکل ایک ماہ میں پہنچا ہوا۔ راستہ کے خطرات کی وجہ سے کسی دوسرے قافلہ کے کے انتظار میں اٹھارہ دن تک بئرِ عسفان کے اردگرد پڑا رہا۔ جب قافلہ بوقت عصر مدینہ طیبہ میں پہنچا تو روضہ مبارک پر ایک ہی نظر پڑنے سے سفر کی ساری کلفت دُور ہو گئی ؎

می آیم و می آورم از بار گہے!
پیغامِ حرم بمحتـرم پاد شہے
مضمونِ رسالت آنکہ بربا و شماست
عفو گنہے شفاعتِ رو سیہے!

حج اور مدینہ منورہ کی زیارت سے فارغ ہو کر آٹھ ماہ بعد یہاں واپس آ گیا۔ اس سفر میں نہ کسی سے مصارف کے لیے اعانت لی اور نہ کسی کا احسان مند ہوا۔ وللہ الحمد!

اس سفر میں بھی آتے جاتے اور اقامت کے وقت مطالعہ و نقلِ کتب کا شغل جاری رہا۔ روانگی کے وقت جہاز میں کتاب "صارمِ منکی" اپنے ہاتھ سے لکھی۔ پھر حدیدہ پہنچ کر جب اٹھارہ دن قیام ہوا تو سیّد محمد اسمٰعیل امیر وغیرہ کے بیس پچیس رسائل اپنے ہاتھ سے نقل کیے۔ منیٰ اور عرفات میں بھی فرصت کے اوقات میں کتابت کی، واپسی کے وقت جہاز میں سُنن دارمی لکھی۔ یہ نسخہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کا تھا۔ اور میں نے

مرزا امیر بیگ سلمہٗ داماد مولوی محمد یعقوب صاحب مرحوم مہاجر مکی سے نقل کرنے کے لیے مستعار لیا تھا۔ بھوپال آکر انہیں واپس کر دیا۔ اس نسخہ پر جا بجا شاہ صاحبؒ کے قلم مبارک سے تصحیح ثبت تھی۔ اسی نسخہ کی نقل ہندوستان میں مطبع نظامی نے طبع کی ہے۔ اس سفر میں میں نے حدیدہ و حرمین شریفین کے بہت سے سلف و خلف صالحین کی بہت سی نفیس کتابیں بھی خریدیں۔ "السیاسۃ الشرعیہ" کو مکہ معظمہ میں نقل کیا۔ یہ قلمی رسائل ابھی تک کتب خانہ میں موجود ہیں۔ سفرِ حج کا قصہ رسالہ "رحلۃ الصدیق الی البیت العتیق" اور "اتحاف النبلاء" میں تفصیل کے ساتھ مرقوم ہے۔ سفرِ حجاز سے واپسی پر مجھے ریاست کے مدارس کا مہتمم بنا دیا گیا۔ پھر میر منشی بنا دیا گیا۔ میں اس شغل کو اپنے لیے پسند نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ مدرسہ میں تو علمی شغل تھا۔ اور تمام وقت مطالعہ اور تالیفِ کتب میں بسر ہوتا تھا۔ چنانچہ "مسک الختام شرح بلوغ المرام" انہی ایام میں تالیف کی تھی۔ اور سارا کتب خانہ فروخت کر کے اس کتاب کی طباعت کا انتظام کیا۔ اب اس موجودہ خدمت میں فرصت جاتی رہی۔ انا للہ!

لیکن آیندہ سال سے پھر ایسی صورت پیدا ہوئی کہ پہلے سے بھی زیادہ مشغلۂ علم کی فرصت ہاتھ آگئی۔ وللہ الحمد!

نواب شاہ جہاں بیگم:

اللہ کا ایک احسان مجھ پر یہ بھی ہوا کہ میرے سوال، ضرورت، حاجت اور تحریک کے بغیر نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ رئیسہ حال نے مجھ سے ۱۲۸۸ھ میں اپنا عقد ثانی سنتِ صحیحہ کے موافق کر لیا۔ الحمد للہ کہ نکاح سے قبل یا بعد میرے اور ان کے درمیان کوئی امر نازیبا یا ناجائز واقع نہیں ہوا۔ جس کو کوئی حاسد یا

بغض رکھنے والا سوءِ ظن پر محمول کر سکے۔ وَاللّٰہُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ شَہِیْدٌ۔

اس تقریب سے بسطِ رزق بخوبی ہوا، پہلے مجھے نائب دوم ریاست مقرر کر دیا گیا اور ۲۴ ہزار روپیہ سال کا مشاہرہ مقرر ہوا۔ جب حکام وقت کی منظوری سے نوابی وغیرہ کا خطاب ملا تو سابقہ جاگیر میں اور بھی اضافہ ہو گیا یعنی ۷۵ ہزار روپیہ سالانہ مشاہرہ مقرر ہو گیا۔

عقدِ نکاح کے بعد صاحبہ موصوفہ نے میری اولاد میں سے بھی ہر ایک کو جاگیر عطا کی۔ فرزندانِ عزیز کو بارہ بارہ ہزار، دختر عزیزہ کو چھ ہزار اور داماد کو تین ہزار کا ذریعہ معاش بخشا۔

مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ۔

میں اس بسط و وسعت کو اپنے رزاق اور ربِ مطلق کا محض فضل و انعام سمجھتا ہوں، بیگم صاحبہ کی مستقل کوئی حیثیت نہیں، وہ تو محض ایک واسطہ ہیں۔ ان کی طرف سے یہ وظائف کسی ظاہری و باطنی تحریک کے بغیر ہی تھے۔ میرا ان پر کوئی ذاتی استحقاق تھا نہ اضافی۔ میں نے ان کا حق مہر پچیس ہزار روپیہ نقد اور یک مشت ادا کر دیا تھا۔ ان کے نان نفقہ کے لیے چھ ہزار روپیہ سالانہ بھی مسلسل دے رہا ہوں۔ مجھ پر اس ریاست میں کسی ادنیٰ و اعلیٰ کا کوئی احسان نہیں ہے۔ اگر کچھ ہے تو فقط انہی کی قدر شناسی اور اکرام افزائی کا احسان و تبرع ہے۔ وللہ الحمد!

میں نے ان سے کبھی کوئی طمع نہیں کی، جو بلا استشراف دیا لے لیا بلکہ بعض اشیاء کو نہ بھی لیا اور جو نہ دیا اس کی کبھی تاک نہ کی۔ کیونکہ میں اپنی اصل خلقت میں وارستہ مزاج اور بے پروا پیدا ہوا ہوں، جس طرح کہ فطرتی طور پہ ہی موحد اور متبع سنی مذہب ہوں۔ جب تک یہ عقد نہ ہوا تھا میں مفاسدِ حسد سے امن و عافیت میں تھا۔ جب سے یہ عقد ہوا ہے ایک عالم کو مجھ پر حسد ہو۔

گیا ہے حالانکہ میں نے اپنے ارادے سے کبھی کسی کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی بلکہ ہمیشہ احسان و عفو ہی سے پیش آیا ہوں۔ لیکن امید ہے کہ اس ظاہری فساد میں بھی اللہ کے ہاں کوئی باطنی اصلاح ہوگی جو یہ صورت ظاہر ہوئی۔ والحمدللہ علی کل حال ومن کل حال وبکل حال۔ عَسٰی اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ۔

صحبتِ اغنیائے سے دُوری:

ابتدائے شعور سے اغنیاء کی صحبت سے دور رہا ہوں، زمانۂ طالب علمی میں بھی کبھی کسی تونگر کے پاس نہیں گیا، اگرچہ سفرِ دہلی میں بہت سے اغنیاء سے ملاقات ہوئی تھی، تاہم ان سے دُور ہی رہا۔ جب سے یہاں آیا ہوں اگرچہ اکثر راجگان و امراء مثلاً خورشید جاہ و سالار جنگ، امراء حیدر آباد دکن اور راجہ جے پور، جودھ پور، پٹیالہ، گوالیار اور اندور وغیرہ سے سفر و حضر میں ملاقات کا اتفاق ہوا ہے۔ اور ان سے گورنر جنرل کے دربار میں بدرجہ مساوات نشست بھی ہوئی ہے۔ اور نواب کلب علی خان رئیسِ رامپور سے خط و کتابت بھی رہی ہے۔ لیکن یہ سب سرسری ملاقاتیں تھیں۔ میں کسی کا مصاحب نہیں بنا۔ میرے شیوخ کے وصایا میں سے ایک وصیت یہ بھی ہے، جو "قول الجمیل" میں لکھی ہوئی ہے۔

مِنْهَا اَنْ لَّا يَصْحَبَ الْاَغْنِيَاءَ	ایک وصیت یہ ہے کہ اغنیاء کی صحبت
اِلَّا لِدَفْعِ مَظْلِمَةٍ عَنِ النَّاسِ	اختیار نہ کرے ہاں اگر لوگوں سے ظلم دُور کرنا
اَوْ بَعْثِهِمْ عَلَى الْخَيْرِ	ہو یا ان کی کوئی بھلائی کی بات مقصود ہو
وَهٰذَا هُوَ وَجْهُ التَّوْفِيْقِ بَيْنَ	تو الگ بات ہے اور یہی تطبیق ہے، ان
الْاَحَادِيْثِ الَّتِي عَلٰى ذَمِّ	احادیث میں جو بادشاہوں کی صحبت کی مذمت

صُحْبَةِ الْمُلُوْكِ وَبَيْنَ مَا صَحِبَهُمْ كَثِيْرٌ مِّنَ الْعُلَمَاءِ الْبَرَرَةِ"

پھرحال ہیں اور اس بات میں کہ بہت سے نیک علماء بادشاہوں سے صحبت بھی رکھتے رہے ہیں"

بیگم صاحبہ بھی بے پناہ دولت مند ہیں۔ لیکن وہ عقیدۂ شرعی کی وجہ سے اس وصیت سے خارج ہیں۔ علاوہ ازیں ان کے عہد میں اس شہر کے بہت سے منکرات وبدعات ختم ہو گئے ہیں۔ اور ظلم کی بہ نسبت عدل وانصاف زیادہ ہو گیا ہے۔ لیکن اس کے باوصف میں اس عذر لنگ کو قبول نہیں کرتا بلکہ بجائے خود نادم ہوں اور اس ابتلاء کو اپنے لیے عقوبت خیال کرتا ہوں اور زبانِ حال سے کہتا ہوں ؎

جان سختم عذر از دوزخ جاوید نکرد
خانہ در کوچۂ آسودہ دلانم دادند

اب جو اس سلسلہ میں بندھ گیا ہوں اور ہر چند رہائی کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا ہوں لیکن عافیت کا کوئی راستہ نہیں پاتا ؎

پائے بستند در رہِ سعی نشانم دادند
دست و بازو بشکستند و کمانم دادند

اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْأُمُوْرِ كُلِّهَا وَأَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْآخِرَةِ۔

صحت وعافیت :

اللہ تعالیٰ کا ایک احسان مجھ پر یہ بھی ہے کہ معمولی امراض کے علاوہ کبھی کوئی ایسا مرض لاحق نہیں ہوا، جس سے مخلوقِ خدا کو نفرت ہو۔ بس کاہے گاہے تپ، لرزہ یا نزلہ وزکام وغیرہ ہو جاتا ہے۔ حدیثِ انس رضؓ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے :

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبَرَصِ وَالْجُذَامِ وَالْجُنُوْنِ وَمِنْ سَیِّئِ الْاَسْقَامِ۔

اے اللہ! میں برص، جنون، جذام اور بُری بیماریوں سے پناہ مانگتا ہوں۔
(ابوداؤد و نسائی)

ہاں ایک بیماری ضرور ہے کہ صحبتِ فساق و فجار سے احتراز کرتا ہوں ؎

اگر ترا بتماشائے عید خود طلبند!
خلیل وار بوابی بگو کہ بیمارم

بیماری بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہوتی ہے اور اس میں تین فائدے ہیں:
ایک یہ کہ گناہ گزشتہ کی عقوبت ہوتی ہے۔
دوم یہ کہ چھوٹی برائیوں کا کفارہ ہوتی ہے اور
سوم یہ کہ رفع درجات کا باعث ہوتی ہے۔

میں اپنی بیماری کو معصیت کی سزا ہی تصور کیا کرتا ہوں۔ اس لیے کہ جب دل ہی دل میں نفس کا محاسبہ کرتا ہوں تو ہزار ہا گناہ پاتا ہوں۔ پھر خیال کرتا ہوں کہ معاصی زیادہ ہیں، سزا کم اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر سابق ہے۔ اگر وہ مجھے میرے سارے گناہوں کی سزا دے تو شاید ایک لمحہ کی مہلت بھی نہ ملے بلکہ میں تو اپنے تئیں خسف و مسخ کا مستحق پاتا ہوں۔ اگر تفضلِ الٰہی دستگیری نہ فرماتا تو اب تک جزائے عمل کو پہنچ جاتا لیکن " و یعفو عن کثیر" کی شان ظاہر ہو رہی ہے۔

رائے سے احتراز:

میں دین میں رائے مجرّد سے نہایت احتراز کرتا ہوں۔ جب کسی مسئلہ میں شارع

کی طرف سے تصریح نہیں پاتا تو اس پر عمل کرنے سے توقف کرتا ہوں، اور کوئی اقدام نہیں کرتا:

اِلَّا اَنْ رَأَيْتُ فِيهَا نَصًّا اَوْ اِجْمَاعًا اَوْ قِيَاسًا جَلِيًّا۔ — جب تک کہ اس میں کوئی نص یا اجماع یا قیاسِ جلی نہ دیکھ لوں۔

یہ اس لیے کہ مجھے معلوم ہے کہ:

اَلرَّأْىُ فِي الدِّيْنِ تَحْرِيْفٌ وَفِي الْقَضَاءِ مَكْرَمَةٌ۔ — دین میں رائے کو دخل انداز کرنا تحریف کے مترادف اور (معقدمات کے) فیصلہ میں رائے سے کام لینا عزت کا باعث ہے۔

بلکہ کتاب وسنت کا ماہر عالم قیاسِ جلی وا اجماع کا بھی محتاج نہیں ہوتا۔ وہ دلائل کے کلیات وعمومات سے خود مسئلہ کا حکم استنباط کر سکتا ہے، کسی غیر کا اجتہاد اس پر لازم نہیں ہوتا۔ یہ بات آیتِ کریمہ "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ" سے بخوبی ثابت ہے اور حدیثِ عرباض بن ساریہؓ میں ہے کہ:

اَلَا وَاِنِّىْ وَاللّٰهِ قَدْ اَمَرْتُ وَوَعَظْتُ وَنَهَيْتُ عَنْ اَشْيَاءَ وَاِنَّهَا لَمِثْلُ الْقُرْاٰنِ اَوْ اَكْثَرُ۔ — بخدا میں نے تمہیں حکم بھی دیا ہے وعظ و نصیحت بھی کی ہے اور بہت سی باتوں سے منع بھی کیا ہے جو قرآن جتنی یا اس سے بھی زیادہ ہیں۔

(رواہ ابوداؤد)

اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی رائے شریف کا اتباع قائم نہیں رکھا تو دوسرا کون ہے جس کی رائے پر چلنا واجب یا مستحب ہو؟ چنانچہ حدیث رافع بن خدیج رضؓ میں فرمایا:

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ — میں بشر ہوں، جب دین سے متعلقہ کسی بات

مِنْ اَمْرِ دِيْنِكُمْ فَخُذُوْا بِهٖ وَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَأْيِيْ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ۔ (رواہ مسلم)

کا حکم دوں تو اسے لے لو اور جب میں اپنی رائے سے کوئی حکم دوں تو میں بشر ہوں۔ (رواہ مسلم)

اس حدیث سے اشارۃ النص کے ذریعہ معلوم ہوا کہ بشریت کے تقاضے انبیاء کرام علیہم السلام کی آراء میں بھی کارفرما ہو سکتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اہلِ حل و عقد سے مشورہ لینے کا حکم دیا گیا۔ فرمایا:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ۔ معاملات میں ان سے مشورہ کر لیا کرو۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حکم دین سے متعلق ہو، اس کی بجا آوری فرض ہے، اور اسے اپنی رائے کا دخل دیئے بغیر چوں وچرا تسلیم کرنا چاہیئے۔ سارے سلف صالحین، محدثین کرام عام متبعینِ سنّت اور جماعتِ ظاہریہ کا یہی مسلک رہا ہے۔ اس کی مزید وضاحت کے لیے یوں سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ پر جو کچھ نازل فرمایا، اس سب کے بیان کر دینے کا حکم بھی دیا۔ پس کسی ایسی بات کو ترک نہیں فرمایا جس میں ہماری سعادت ہو، اور جس سے سکوت فرمایا وہ ہم پر رحمت اور وسعت کے پیشِ نظر ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں اشارہ بھی فرمایا اور کچھ باتیں فی الواقع ایسی ہیں جن سے ہم پر رحمت کرتے ہوئے سکوت فرمایا ہے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے متعلق سوال نہ کیا کرو۔ واللہ اعلم۔

صحبتِ صالح:

مجھے طبعی طور پر اہلِ تقویٰ سے محبت ہے اور صحبتِ صادقین سے رغبت ہے۔ اہلِ فسق سے قلبی طور پر کلی نفرت ہے اور جھوٹوں سے وحشتِ تام ہے

میں طبعی طور پر نہ کسی کو دوست رکھتا ہوں اور نہ کسی سے مجھے بغض ہے۔ بس جس شخص کے اعمال و عقائد کتاب وسنت کے موافق پاتا ہوں، اور وہ خوش معاملہ بھی ہو تو میرا دل اس سے خوش ہوتا ہے۔ اور میں اسے شرعاً اللہ کے لیے دوست رکھتا ہوں۔ اگرچہ وہ ریاکار ہی کیوں نہ ہو لیکن اس کے ظاہر و باطن کی مخالفت اور ریا کے ظہور کے بعد اس کی محبت میرے دل میں نہیں رہتی۔ اور جس کے اعمال معاملات اور اقوال کو قرآن و حدیث کے مخالف دیکھتا ہوں تو اس سے کچھ واسطہ نہیں رکھتا۔ ہاں امورِ دنیا میں جس طرح غیر مسلموں سے معاملہ پڑتا ہے۔ اسی طرح مجبوراً اس سے بھی معاملہ کرتا ہوں اور وہ بھی صرف ضرورت کے تحت بغیر ضرورت کے اس سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ کیونکہ حدیثِ ابو ذر رضؓ میں مرفوعاً آیا ہے:

اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ الْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ۔	سب سے بہتر عمل اللہ کی خاطر محبت اور اللہ کی خاطر بغض ہے۔

(رواہ ابوداؤد)

اور ابو امامہ رضؓ سے مرفوع روایت یوں ہے:

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ وَ اَعْطٰی لِلّٰہِ وَمَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ۔	جس نے اللہ کے لیے محبت کی، اللہ کے لیے بغض رکھا، اللہ کے لیے دیا اور اللہ کے لیے روک لیا، اس کا ایمان مکمل ہوگیا۔

(رواہ ابوداؤد)

قرآن مجید میں بھی ارشاد ہے:

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَھُمْ کَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	کیا برائیوں کا ارتکاب کرنے والوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم ان کو ایماندار، اور

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاۤءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ (القرآن)

نیک اعمال لوگوں کی طرح کر دیں گے؟ کہ ان کی زندگی اور موت دونوں ایک جیسی (خوشحال) ہوں یہ فیصلہ ان کا بہت بُرا ہے۔"

میں یہ نیت رکھتا ہوں کہ اگر میرا بس چلے تو روئے زمین پر کسی ایسی کتاب کو باقی نہ رہنے دوں جو کتاب اللہ کے مخالف ہو۔ نہ کسی بدعت کو چھوڑوں جو سنت سے متصادم ہو، نہ دن یا رات میں کسی قسم کا فسق علی الاعلان ہونے دوں۔ اور اگر کسی قسم کا فسق وقوع پذیر ہو جائے تو شریعت کے مطابق حدود و تعزیرات نافذ کر کے اس کی روک تھام کر دوں۔ اگرچہ مجھے اپنا فسق و عصیان بھی بخوبی معلوم ہے۔ لیکن میرے اس خیال کی بنیاد نیت پر ہے۔ اور عمل کی نیت پر اجر ملتا ہے خواہ وہ کسی مانع کی وجہ سے وقوع پذیر نہ ہو سکے۔

میں یہ بھی خیال کرتا ہوں کہ اگر مجھے صلحاء یا اہل اللہ کی صحبت نصیب ہوتی تو یہ اعمالِ بد جو کہ اہلِ دنیا کی صحبت کی وجہ سے صادر ہوئے ہیں، ان کا عشرِ عشیر بھی وقوع پذیر نہ ہوتا، کیونکہ غربتِ اسلام بھی ان گناہوں کے صادر ہونے کا ایک سببِ عظیم ہے۔ اس کے باوجود اپنی بداعمالیوں کا اعتراف ہے۔ میں اپنے کسی فعلِ بد کی تاویل نہیں کرتا اور نہ کسی نیک عمل پر اعتماد رکھتا ہوں۔ اگر رحمتِ الٰہی سے ناامیدی کفر نہ ہوتی تو میرے اتنے گناہ ہیں کہ ناامیدی میں کچھ شک نہیں ؎

تو مگر از جہتِ رحمتِ خود نزدیکی\
ورنہ من از طرفِ خویش بغایت دورم

اَللّٰهُمَّ غَفْرًا وَّحِفْظًا فِي الْحَالِ وَالْاِسْتِقْبَالِ وَمَوْتًا عَلَى الْاِسْلَامِ وَالْاِيْمَانِ۔ اَللّٰهُمَّ آمِيْنَ۔

کن لوگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیئے :

میں نے دل سے صحبتِ جہاں سے بیزار رہتا ہوں اور اہلِ علم سے میل جول کو دوست رکھتا ہوں۔ دل صرف یہ چاہتا ہے کہ صحبت میں ایسے لوگ ہوں جو مذاکرہ علم یا ذکرِ الٰہی کریں۔ دنیا کی باتیں نہ ہوں۔ لیکن یہ صحبت اس زمانہ میں عنقا اور کیمیا کی طرح نایاب ہے۔ اکثر لوگ اگر اس لیے جمع ہوتے ہیں کہ امورِ دنیا کا تذکرہ کریں تو ایسی مجالس میں صرف ان امور کا ذکر ہونا چاہیئے، جن سے عقلِ انتظام اور شعورِ خانہ داری بڑھے یہ تو نہیں ہونا چاہیئے کہ ماوشما کی خرافات کا ذکر، کسی کی غیبت کریں، کسی کی چغلی کھائیں، بات کریں تو جھوٹ بولیں، وعدہ کریں تو خلاف کریں۔ امانت رکھو تو خیانت کریں، عہد کریں تو توڑ ڈالیں، مخاصمت کریں تو گالی گلوچ بکیں۔ ابو ہریرہ رض کی مرفوع حدیث میں ایسے شخص کو منافق قرار دیا گیا ہے۔ خواہ نماز پڑھے، روزہ رکھے اور اسلام کا دعویٰ کرے۔ (رواہ مسلم)

حدیث متفق علیہ میں حضرت ابن عمرو رض سے مرفوعاً آیا ہے کہ جس شخص میں ان خصلتوں میں سے ایک بھی ہوگی، اس میں گویا نفاق کی ایک خصلت ہوگی۔ میں کہتا ہوں کہ اسے نفاقِ عملی کہتے ہیں۔ اور ایک جہاں اس بلا میں گرفتار ہے۔ حدیثِ مذکور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خالص نفاق فرمایا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ اس نفاقِ خالص سے مراد ان خصال کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھنا ہے۔ لیکن اگر اس حدیث کی تاویل نہ کی جائے اور اسے ظاہر پر محمول کیا جائے تو اس میں زیادہ زجر و توبیخ ہوگی۔ تاویل کی وجہ سے ہی ایسے افعال مخلوق کی نظر میں سبک (معمولی) ہوگئے ہیں، اور ان علاماتِ نفاق سے احتراز کرنا مفقود ہو گیا ہے۔ بعض عارفین نے کہا ہے کہ آدمیوں کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ عامی جو نہ زبان رکھتا ہے نہ دل، ایسا شخص علاج کے بغیر درست نہیں ہو سکتا۔

۲۔ جو زبان تو رکھتا ہے لیکن دل نہیں رکھتا، جیسے کہ وہ شخص جو حکمت کی باتیں تو کرتا ہے۔ لیکن حکمت کے مطابق خود عمل پیرا نہیں ہوتا، لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا ہے۔ لیکن خود خدا سے بھاگتا ہے۔ ایسے ہی شخص سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈرایا ہے کہ:

أَخْوَفُ مَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي كُلُّ مُنَافِقٍ عَلِيمِ اللِّسَانِ جَاهِلِ الْقَلْبِ۔[1]

مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ خطرہ ہر اس منافق کے وجود سے ہے جو زبان کا عالم لیکن دل کا جاہل ہے۔

۳۔ وہ جو دل تو رکھتا ہے لیکن زبان نہیں رکھتا، یہ وہ مومن کامل ہے جسے جسے اللہ نے اکثر مخلوق سے مستور رکھا ہے، وہ اپنے نفس کے عیوب جانتا اور پہچانتا ہے۔ مخالطت کی تباہ کاریوں، اور کلام و منطق کی نحوستوں سے بخوبی آگاہ ہے۔ اسے عقل وافر عطا کی گئی ہوتی ہے۔

۴۔ جو زبان و دل دونوں رکھتا ہے۔ یہ عالم عامل ہے۔ ان اقسام میں سے صرف سوم اور چہارم کے لوگ صحبت کے لائق ہیں۔ باقی انواع سے احتراز لازم ہے۔

کن کی صحبت سے بچنا چاہیئے:

میں جہال صوفیہ، جہال متعبدین ہنفقہہ، اصحاب معقول و کلام میں سے غلو کرنے والوں اور اصحاب عجائب کی صحبت سے محترز رہتا ہوں۔ دین میں غلو و تعصب اور افراط و تفریط کو میں پسند نہیں کرتا۔ بلکہ اس وصیت پر قائم ہوں جو

[1] مسند احمد ۱/۲۲

"قولِ جمیل" میں لکھی ہوئی ہے:

مِنْهَا اَنْ لَا يَصْحَبَ جُهَّالَ الصُّوْفِيَّةِ
وَلَا جُهَّالَ الْمُتَعَبِّدِيْنَ وَلَا الْمُتَقَشِّفَةِ
مِنَ الْفُقَهَاءِ وَلَا الظَّاهِرِيَّةِ
مِنَ الْمُحَدِّثِيْنَ وَلَا الْغُلَاةِ مِنْ
اَصْحَابِ الْمَعْقُوْلِ وَالْكَلَامِ
بَلْ لَا يَكُوْنُ اِلَّا عَالِمًا صُوْفِيًّا
زَاهِدًا فِي الدُّنْيَا دَائِمَ التَّوَجُّهِ
اِلَى اللّٰهِ مُنْصَبِغًا بِالْاَحْوَالِ الْعَلِيَّةِ
رَاغِبًا فِي السُّنَّةِ مُتَتَبِّعًا لِحَدِيْثِ
رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَاٰثَارِ الصَّحَابَةِ طَالِبًا لِشَرْحِهَا
وَبَيَانِهَا مِنْ كَلَامِ الْفُقَهَاءِ الْمُحَقِّقِيْنَ
الْمَائِلِيْنَ اِلَى الْحَدِيْثِ عَنِ النَّظَرِ
وَاَصْحَابِ الْعَقَائِدِ الْمَاْخُوْذَةِ مِنَ
السُّنَّةِ النَّاظِرِيْنَ فِي الدَّلِيْلِ
الْعَقْلِيِّ تَبَرُّعًا وَاَصْحَابِ السُّلُوْكِ
الْجَامِعِيْنَ بَيْنَ الْعِلْمِ وَالتَّصَوُّفِ
غَيْرِ الْمُتَشَدِّدِيْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ
وَالْمُدَقِّقِيْنَ زِيَادَةً عَلَى السُّنَّةِ
وَلَا يَصْحَبُ اِلَّا مَنِ اتَّصَفَ

جاہل صوفیاء، جاہل متعبدین متقشف،
فقہاء، ظاہری محدثین اور غلو کرنے والے
اصحابِ معقول و علم کلام کی صحبت اختیار
نہ کرے۔ بلکہ اسے عالم، صوفی، دنیا میں
بے رغبت، ہمیشہ اللہ کی طرف متوجہ رہنے
والا، بلند احوال کے ساتھ رنگا ہوا،
سنت میں رغبت رکھنے والا، حدیثِ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آثارِ صحابہ
کا تتبع کرنے والا ہونا چاہیئے۔ نیز اس
(عالم ربانی) کو احادیث و آثارِ صحابہ کی شرح
و بیان تلاش کرنے والا ہونا چاہیئے۔
ان محقق فقہاء کے کلام میں جو رائے کے
بجائے حدیثِ رسول کی طرف میلان رکھتے
ہوں اور ان اصحابِ عقائد کے کلام میں
جن کے عقائد سنت سے ماخوذ ہوں
اور دلیل عقلی میں صرف تبرعًا غور کرتے ہوں
اور ان اصحابِ سلوک کے کلام میں جو کہ
علم و تصوف کے جامع ہیں، اپنے نفسوں
پر تشدد نہیں کرتے، اور باریک بینی میں
سنت سے بڑھ نہیں جاتے اور صحبت

بِهٰذِهِ الصِّفَاتِ ۔ بھی صرف ان اوصاف سے متصف حضرات کی انتخاب کرنی چاہیئے۔

طلبِ آخرت :

اگرچہ میرے پاس دنیا میں بہت ہے۔ لیکن بچپن سے لے کر اب تک دنیا میرا بڑا مقصد نہیں ہے بلکہ میں آخرت کو راس المال اور دنیا کو صرف نفع تصور کرتا ہوں۔ اگر ہست غم نیست واگر نیست غم نیست ؎

عمریکہ بفکر تنگدستی گزرد
یا در غم نیستی و ہستی گزرد
اوقات چنیں قابلِ ہشیاری نیست
آں بہ کہ بہ بیخودی و مستی گزرد

ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ سوال اور گدائی کی ذلت سے بچے رہنے کی دعا کرتا رہتا ہوں :

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُوْعِ فَاِنَّهٗ بِئْسَ الضَّجِيْعُ ۔ اے اللہ میں بھوک سے پناہ مانگتا ہوں کیونکہ وہ بہت برا ساتھی ہے۔

اور اپنے نفس میں قناعت کی ہمت بھی پاتا ہوں ؎

قناعت تونگر کند مرد را !
خبر کن حریصِ جہان گرد را

میں نے اہلِ دنیا کی طرح طلبِ معاش میں جفاکشی اور استغراقِ وقت کا مظاہرہ نہیں کیا اور نہ ان لوگوں کی طرح دنیا کا جویا ہوں جو دنیا کو راس المال اور آخرت کو نفع تصور کرتے ہیں اور عملِ آخرت و علمِ دین سے بالکلیہ

ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں ۔ مجھے اگر نکاح سے قبل والدہ و ہمشیرگان کی خدمت گزاری اور اب بعد از نکاح پرورشِ اولاد دامن گیر نہ ہوتی تو مجھے اُمید تھی کہ میں فقط سدِّ رمق پر کفایت کرتا اور جس طرح ممکن ہوتا اپنی جان کو اس ابتلاء سے بچا لیتا ۔ لیکن ؎

پاک از عدم آمدیم و ناپاک شدیم
آسودہ در آمدیم و غمناک شدیم
بودیم ز آب دیدہ در آتش دل!
دادیم بباد عمرو در خاک شدیم

اس صحبتِ راہنہ سے رہائی چاہتا ہوں لیکن بقسرِ قاسر ایسی دلدل میں جکڑ بند ہو گیا ہوں کہ سوا اللہ تعالیٰ کے کوئی فریاد رس نہیں تاہم جب تک تن میں جان باقی ہے ۔ یہ ارمان بھی باقی ہے کہ کسی نہ کسی طرح ان سب علائق سے رو گرداں ہو کر مسجد حرام یا مسجدِ غریب خانہ کے کسی گوشہ میں صبح و شام بسر کروں اور رب تعالیٰ کے سوا کسی کا ممنونِ احسان نہ ہوں ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے میرے دل کی خواہش کے مطابق اس جگہ سے لے جا کر حرمین شریفین میں سے کسی ایک میں موت یا شہادتِ حقہ نصیب کرے یا عافیت کے ساتھ اس گرفتاری سے رہائی بخشے تاکہ ایمان پر خاتمہ بالخیر ہو ۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز ؎

ماتیم بعفوِ تو تولّا کردہ!
و ز طاعت و معصیت تبرّا کردہ
آنجا کہ عنایتِ تو باشد باشد
ناکردہ چو کردہ کردہ چوں ناکردہ

مجھے معلوم ہے کہ جو خلوصِ نیت کے ساتھ دنیا سے بھاگتا اور آخرت کا ارادہ کرتا ہے، دنیا اس کے پاس دوڑ کر آتی ہے۔ اور جو تمام ہمت سے دنیا طلبی میں غرقاب رہتا ہے۔ اس کو دنیا بقدرِ تمنا نہیں ملتی وہ نہ "الی الذی" ہوتا ہے نہ "اولو الذی" حدیث میں فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ يُعْطِي الدُّنْيَا عَلٰى نِيَّةِ الْاٰخِرَةِ وَلَا يُعْطِي الْاٰخِرَةَ عَلٰى نِيَّةِ الدُّنْيَا۔

اللہ تعالیٰ دنیا آخرت کی نیت پر دیتا ہے۔ لیکن دنیا کی نیت پر آخرت نہیں دیتا۔

دلوں کی کیفیت:

مجھے اللہ کی تدبیر سے کسی دم بھی امن نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ دائرہ تحجیر میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اس کی دو درگاہیں ہیں۔ ایک کا نام حضرۃ الاطلاق ہے اور وہاں جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ دوسری حضرۃ التقیید ہے، وہاں وعدے کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ میرے خیالات اور دل کے وسوسے جو رات دن میں ستر ہزار بار دل پر برق خاطف کی طرح وارد ہوتے ہیں۔ ان میں کوئی نہ کوئی ایسا خیال و وسوسہ بھی ہوتا ہے جو ایمان کو بالکل ضائع کر سکتا ہے۔ میں اسی کو مکرِ (تدبیرِ) الٰہی سے تعبیر کرتا ہوں:

فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾

پس نہیں بے خوف ہوتے اللہ کے مکر (تدبیر) سے مگر خسارہ پانے والے لوگ۔

الاعراف: ۹۹

بعض اوقات تو ان خیالات و وساوس کی بہ نسبت اپنا خسف و مسخ ہو جانا آسان معلوم ہوتا ہے۔ یعنی خیالات و وساوس اس قدر غلط ہوتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کا علم نہ ہوتا تو مدت سے خسف و مسخ ہو چکا ہوتا۔ خیالات اور

وساوس کی کثرت کے باعث یوں محسوس ہوتا ہے کہ دل میں گیارہ سے بھی زیادہ دروازے شیطان کی طرف کھلے ہیں۔ اور ادھر ایک دروازہ رحمان کی طرف کھلا ہوا ہے۔ حدیث ابن مسعودؓ میں آیا ہے:

خَطَّ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطًّا ثُمَّ قَالَ هٰذَا سَبِيْلُ اللّٰهِ ثُمَّ خَطَّ خُطُوْطًا عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَقَالَ هٰذِهٖ سُبُلٌ وَعَلٰى كُلِّ سَبِيْلٍ مِنْهَا شَيْطَانٌ يَدْعُوْ اِلَيْهِ وَقَرَاَ اِنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ۔[1]

(رواہ احمد والنسائی والدارمی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے ایک خط (لکیر) کھینچا اور فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے اور پھر اس کے دائیں بائیں کئی خطوط کھینچے اور فرمایا کہ یہ وہ راستے ہیں کہ ہر ایک پر شیطان بیٹھا ہوا اپنی طرف دعوت دے رہا ہے اور پھر آپ نے یہ آیت شریف پڑھی (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) یہ میرا سیدھا راستہ ہے اس کا اتباع کرو اور دیگر راستوں کا اتباع نہ کرو کہ تم کو اس کے راستے سے ہٹا کر پراگندہ کر دیں گے۔"

(احمد، نسائی، دارمی)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یوں فرمایا کرتے تھے:

يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ۔

اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھیو!"

میں نے کہا اے اللہ کے نبی! ہم آپ پر ایمان لاتے ہیں، کیا آپ کو ہمارے ایمان کے متعلق کوئی ڈر ہے؟ آپ نے فرمایا:

اِنَّ الْقُلُوْبَ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ

دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔

[1] الانعام: ۱۵۳

مِنْ اَصَابِعِ اللّٰہِ یُقَلِّبُھَا کَیْفَ یَشَاءُ۔ انہیں جیسے چاہتا ہے پھیر دیتا ہے؛

(ترمذی وابن ماجہ)

حضرت ابو موسیٰ رضؓ کی حدیث میں یوں ہے؛

مَثَلُ الْقَلْبِ کَرِیْشَۃٍ بِاَرْضٍ فَلَاۃٍ یُقَلِّبُھَا الرِّیَاحُ ظَھْرًا لِبَطْنٍ۔ دل کی مثال اس پر کی طرح ہے جو کسی صحرائی زمین پر پڑا ہو اور ہوائیں اسے زمین پر الٹتی پلٹتی ہوں۔

(رواہ احمد)

بہر حال انسان کے دل میں شیطان کی طرف سے بڑا وسوسہ یہی القاءِ کفر اور حُبِّ دنیا ہوتا ہے۔ یہ حُب ہر خطا کی جڑ ہے۔ محبتِ غیر اللہ ہی کفر و ضلالت کی ساری باتوں کا سرچشمہ ہے۔ اگر کسی کے دل میں دنیا کی محبت نہ ہو اور دُنیا ہجوم کرکے اس کے پاس آئے اور وہ دنیا کے ایندھن کو اللہ کی رضیات کے حصول میں صرف کرتا ہے تو ایسا شخص دنیا دار نہ ہوگا۔ بلکہ فقر مدقع پر اسے ایک طرح کی فضیلت حاصل ہوگی۔

وَلِکُلٍّ مَقَامٍ رِجَالٌ۔ وَکُلٌّ مُیَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَہٗ۔

رنج وراحت:

میں اپنے کسی قول، فعل اور حالِ نفس کا استحسان نہیں کرتا بلکہ مجھے بخوبی معلوم ہے کہ میں حقوقِ خدا کو پورا نہیں کر سکتا بلکہ عاجز ہوں اور نہ میں وقت سے قبل اپنی قسمت سے زیادہ کا طالب ہوتا ہوں۔ اہلِ معرفت نے فرمایا ہے؛

مِنْ اَشَدِّ الْعَذَابِ عَلَی النَّفْسِ طَلَبُھَا مَالَمْ یُقْسَمْ نفس کے لیے سب سے بڑا عذاب یہ بھی ہے کہ وہ اس چیز کو طلب کرے جو

لکھا :- اس کی قسمت میں نہیں۔

اور میں نے ساری زندگی کبھی کسی کے سامنے کسی حاجت کے لیے دستِ سوال دراز نہیں کیا۔ کیونکہ اس حرکت بے برکت کی بنیاد جہل باللہ، ضعفِ ایمان اور قلتِ صبر پر ہے۔ اور پھر، اگر مانگنا ہی ہے تو اللہ سے مانگنا کافی ہے ؎

از خدا خواہم و از غیر نخواہم بخدا
کہ نیم بندۂ دیگر نہ خدائے دگر ست

اگر اللہ تعالیٰ نے سوال کو قبول فرمالیا تو فبہا ورنہ اجابت میں تاخیر لائق تکدر نہیں بلکہ اُمیدوار رہنا واجب ہے۔

مجھے اپنے دوامِ نعمت پر بھی طمانیت حاصل نہیں رہتی، اس لیے کہ میں نعمت کا بالکل مستحق نہیں ہوتا۔ میں رات دن دوسرے لوگوں میں نعمتوں کے تحویل و تغیر کا مشاہدہ کرتا رہا ہوں اور جلد یا بدیر ہر صاحبِ نعمت کو تنغص کے حصول سے خالی نہیں پاتا ؎

غلط است ایں کہ ہمہ اہلِ دول بی دردند
ہر کرا دیدم ازیں طائفہ آزاری داشت!

اللہ سے اس بات کی توقع رکھنا کہ وہ نزولِ بلا کے وقت صبر کی توفیق بخشے گا، اور بلا کو جلد ختم کر دے گا۔ ایک نعمتِ بے بدل ہے۔ اسی مومنِ صادق پر آلام و مصائب کی کثرت ہوتی ہے، جسے اللہ دوست رکھتا ہے ؎

در جہاں آنفتے گر نبودے نیست!
کہ بتحویل درد مندے نیست!

اہلِ تجربہ نے کہا ہے :

وَمَنْ صَبَرَ عَلٰى بَلَاءِ الدُّنْيَا جَنَّ — جو انسان دنیا کی مصیبتوں پر صبر کرنے والے

لَہٗ نَعِیْمُھَا اٰوَاخِرَ عُمْرِہٖ اِنَّمَا	آخر عمر میں نعمتوں سے سرفراز کیا جائے گا جیسا
یُعْطَی الْاَجِیْرُ اُجْرَتَہٗ بَعْدَ عَرَقِ	کہ مزدور کو مزدوری پیشانی کے پسینہ، جسم
جَبِیْنِہٖ وَتَعَبِ جَسَدِہٖ وَکَرْبِ	کی تھکاوٹ، روح کی تکلیف، سینہ کی
رُوْحِہٖ وَضِیْقِ صَدْرِہٖ وَذَھَابِ	تنگی، قوت کے خاتمہ، نفس کی ذلّت اور
قُوَّتِہٖ وَاِذْلَالِ نَفْسِہٖ وَکَسْرِ	خواہش کے ختم کردینے کے بعد ملتی ہے
ھَوَاہُ کَمَا ھُوَ الشَّاْنُ فِیْ خِدْمَۃِ	جیسا کہ مخلوق کی خدمت میں جب تک ان
الْمَخْلُوْقِیْنَ فَلَا یَکَادُ یَطِیْبُ لَہٗ	تمام کڑوے گھونٹوں کو نہ پی لے، اسے
عَیْشٌ اِلَّا بَعْدَ تَجَرُّعِہٖ فِیْ خِدْمَتِھِمْ	عیش و آرام نصیب نہیں ہوتا اور جب ان
ھٰذِہِ الْمَرَارَاتِ کُلَّھَا فَاِذَا تَجَرَّعَھَا	کڑوے گھونٹوں کو پی لے تو اسے انجام کار
اُعْقِبَتْ لَہٗ طِیْبُ طَعَامٍ وَاِدَامٍ وَفَاکِھَۃٍ	عمدہ کھانا بہترین سالن، پھل، لباس، راحت
وَلِبَاسٍ وَرَاحَۃٍ وَسُرُوْرٍ وَتَلَذُّذٍ بِالْبَلَاءِ۔	سرور اور تلذذ بالبلاء نصیب ہوتا ہے۔

میرا حال بھی اسی طرح تھا۔ عمر کا ایک زمانہ تنگی عیش میں گزرا، پھر جب ملازمت کی تو پندرہ سال مسلسل تکلیفوں اور مصیبتوں میں گزرے۔ اپنے خیال میں اپنے آقا کی ملازمت نہایت نمک حلالی، حاضر باشی، عرق ریزی، جانفشانی اور امر و نہی کی بجا آوری کے ساتھ کی۔ خیانت، کذب، دغل، محلِ معین میں کوتاہی اور دیگر دھوکے والے، اور ناجائز امور سے احتراز کیا، امانت و دیانت اور نصیحت سے کام رکھا اور اپنے آقا پر کبھی احسان نہیں جتایا بلکہ اپنے نفس کو منعمِ حقیقی و مجازی کا شکر ادا کرنے سے ہمیشہ قاصر پایا۔

منت منہ کہ خدمتِ سلطان ہمی کنم
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

نعظیم طلب نوکر، نامعقول ہوتا ہے اور ناقدر شناس آقا مخذول۔ جب عمر

تیس سال کو پہنچی تو ہمت اور زیادہ مشقت سے جی چرانے لگا تو ناگہاں رحمتِ الٰہی نے کارسازی فرمائی۔ کثیر نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ اور افکارِ پریشاں سے نجات بخش کر ساحلِ نجات پر پہنچا دیا۔ ہر چند کہ ان نعمتوں کا شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان کا اتمام اس طرح ہو گا کہ قبضِ روح حالتِ ایمان پر ہو۔ اللہ تعالیٰ سے اس نعمت کا حصول بھی کچھ مشکل نہیں ہے ؎

امید ہست دمِ مرگ از لبِ توفیق!
بر آید اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

علمِ دین کی محبت کے سوا اور کسی چیز کی محبت کا میرے دل پر تسلط یا استیلاء نہیں ہے۔ اگرچہ عمل میں قاصر و فاتر ہوں تاہم اپنے تجربہ میں اس لذت کو دنیا کی تمام لذتوں ـــــ اور شہوتوں سے زیادہ لذیذ پاتا ہوں۔ جس دن مجھے کسی کتاب کے مطالعہ یا تحریر کا اتفاق نہ ہو، میں بیمار سا ہو جاتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ عدد اور مُدد کے اعتبار سے اہلِ عصر کی نسبت میری تالیفات زیادہ ہیں۔ ایک مدت تک عربی زبان میں کتب تالیف کرتا رہا۔ پھر جب دیکھا کہ اکثر لوگ عربی سے جاہل ہیں تو میں نے فارسی میں لکھنا شروع کیا، اور اب جب کہ فارسی دان بھی نظر نہیں آتا، جسے دیکھو وہ اُردو پر فریفتہ ہے تو ناچار اُردو میں لکھنا شروع کر دیا۔ چنانچہ میرے بہت سے رسائلِ دین اسی زبانِ ہندوستان میں ہیں۔ لیکن افسوس کہ علم اور کتب کی کثرت کے باوجود اہلِ شوق اور طالبِ آخرت نظر نہیں آتے، اب تو سب کی ہمت طلب و جمع مال میں منحصر ہو گئی ہے۔ تحصیلِ معاش میں نہ حفظ آبرو کا کسی کو خیال ہے اور نہ حلال و حرام میں امتیاز۔ دین کا صرف نام رہ گیا ہے۔ اور اسلام ماضی کی ایک حکایت معلوم ہوتا ہے۔ اشراطِ ساعت نمایاں ہیں اور مظالم بے پایاں۔ دیکھئے اونٹ کس کل بیٹھتا ہے۔ اور اسلام کا انجام

کیا ہوتا ہے۔ دنیا دھوکے کا گھر ہے۔ اور اہلِ دنیا فریب اور جھوٹ پر فریفتہ ہیں۔ بلکہ جس کو ذرا پابندِ علم و دین دیکھتے ہیں۔ اسی کی جان و مال اور آبرو کے دشمن ہو جاتے ہیں اور اس پر بھی ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں ؎

دنیا داری و عاقبت می طلبی!
این ناز بخانۂ پدر باید کرد

صدرِ اوّل سے آج تک ہر صدی کے آخر یا اوّل میں مجدّدِ دین ہوتے رہے ہیں۔ ملوکِ اسلام نے مساجد، مدارس، رباطات، قناطیر اور طرق وغیرہ مراسمِ اسلام کی تجدید کی۔ علماء نے ایمان کی تجدید کی، بدعاتِ مذاہب کو دُور کیا، اور شرک و کفر کے مٹانے میں سعی وافر بجالائے۔ مشائخ صوفیہ نے بدعاتِ احسان کو مٹایا، سلوکِ صافی کو رواج دیا۔ بعض نے یہ سب کام کئے۔ بارھویں صدی کے اوّل میں سید احمد بریلویؒ اور ان کے خلفاء مجدّدِ دین ہوئے۔ اب چودھویں صدی شروع ہوئی۔ سالِ پنجم کا آغاز ہے۔ اب تک کسی ملک میں کسی مجدّد کا وجود معلوم نہیں ہوا۔ یہ ہمارے اعمال کی شامت ہے۔ انا للہ!

ابتلاءِ دنیا:

جو لذّت مجھے بلا میں ملتی ہے، جو لطف شکستگیِ خاطر میں آتا ہے، جو کیف بے چارگی و عاجزی میں ملتا ہے اور جتنی یادِ خدا حالتِ مرض و فقر و غم و حزن میں حاصل ہوتی ہے، وہ عیشِ فانی کے اسباب میں میسّر نہیں ہوتی ؎

چہ خوش بردی دل تنگ ما درپے وا کرد
خدا دراز کند عمرِ زخم کاریِ ما

شیخ جیلیؒ نے فرمایا ہے کہ مرضاتِ الٰہی میں بذل مجہود کے بعد بندہ کو تلذذ بالبلاء کا مقام عطا ہوتا ہے۔ اور یہ ابتلاء تین طرح کی ہوتی ہے۔

ایکؔ عقوبت بمقابلہ ارتکاب جرمیہ یا اقترافِ معصیت۔

دوسرےؔ تکفیر یا تمحیص۔

تیسرےؔ ارتفاعِ درجات بہ تبلیغ منازلِ عالیات:

وَلِكُلٍّ مِّنْ هٰذِهِ الْاَحْوَالِ عَلَامَاتٌ فَعَلَامَةُ الْاِبْتِلَاءِ عَلٰى وَجْهِ الْعُقُوْبَةِ وَالْمُقَابَلَةِ عَدَمُ الصَّبْرِ عِنْدَ وُجُوْدِ الْبَلَاءِ وَكَثْرَةُ الْجَزَعِ وَالشَّكْوٰى اِلَى الْخَلْقِ وَعَلَامَةُ الْاِبْتِلَاءِ تَكْفِيْرًا وَتَمْحِيْصًا لِلْخَطَايَا وُجُوْدُ الصَّبْرِ الْجَمِيْلِ مِنْ غَيْرِ شَكْوٰى وَلَا اِظْهَارِ جَزَعٍ وَلَا ضَجَرٍ اِلَى الْاَصْدِقَاءِ وَالْجِيْرَانِ وَعَدَمُ تَثَقُّلِ الطَّاعَاتِ عَلٰى يَدَيْهِ وَعَلَامَةُ الْاِبْتِلَاءِ لِارْتِفَاعِ الدَّرَجَاتِ وُجُوْدُ الرِّضَاءِ وَالْمُوَافَقَةِ وَطُمَانِيْنَةُ النَّفْسِ وَخِفَّةُ الْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ عَلَى الْقَلْبِ وَالْبَدَنِ۔

ان تمام احوال میں سے ہر ایک کی الگ الگ علامات ہیں۔ ابتلاء عقوبت بمقابلہ ارتکاب جرمیہ کی علامت وجودِ بلاء کے وقت عدم صبر، کثرتِ جزع اور مخلوق کی جانب شکوہ ہے۔ تکفیر و تمحیصِ خطایا کے سلسلہ میں ابتلاء کی علامت یہ ہے کہ صبرِ جمیل کا مظاہرہ کیا جائے۔ شکوہ و شکایت نہ کی جائے اور نہ دوست احباب اور پڑوسیوں کی طرف دل کی گھبراہٹ اور غم کا اظہار کیا جائے اور اسے طاعات میں بوجھ بھی محسوس نہ ہو، ارتفاعِ درجات کے سلسلہ میں ابتلاء کی علامت یہ ہے کہ رضاء، موافقت اور نفس کی طمانینت حاصل ہو اور دل اور جسم پر اعمالِ صالحہ گراں محسوس نہ ہوں۔

میں نے دوسرے لوگوں میں ان تینوں علامات کا مشاہدہ کیا ہے۔ لیکن دو علاماتِ اولیٰ کو زیادہ تر پاتا ہوں۔ اور اکثر مخلوق میں علامتِ اولیٰ ہی غالب

ہوتی ہے۔ بندہ کو علامتِ ثانیہ وثالثہ کی تحصیل کے لیے سعی کرنی چاہیئے۔ بڑا بدنصیب ہے وہ جس کے جرائم کے عوض اسے دنیا میں نفس، مال یا اولاد میں عقوبات و آفات کا سامنا نہ کرنا پڑے اور نوبت برزخ تک پہنچ جائے۔ پھر اس سے بڑھ کر بدقسمت وہ ہے جس کے لیے عقابِ قبر کافی نہ ہوا، اور پھر اس سے بڑھ کر بدطالع وہ ہے جس کے لیے مصائب کے اعتبار سے حشر ونشر اور بعثت کے مواقف کافی نہ ہوئے حتیٰ کہ جہنم رسید ہوگیا۔ اگرچہ اسے وہاں دائمی طور پر نہ رہنا پڑے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ وَاَسْأَلُكَ الْعَافِيَةَ!

اے واقفِ اسرارِ ضمیرِ ہمہ کس
درحالتِ عجز دستگیرِ ہمہ کس
یارب تو مرا توبہ دہ و عذر پذیر
ای توبہ دہ و عذر پذیرِ ہمہ کس

اولادِ صالح:

اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد سے بھی نوازا ہے، جو نہ اس قدر قلیل ہے کہ زیادہ کی ہوس باقی رہے اور نہ اس قدر کثیر کہ وبال اور بارِ خاطر محسوس ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے دو پسر اور ایک دختر عطا کی ہے اور یہ اولاد اس آخر زمانہ کے فتنوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اقران واماثل کی بہ نسبت اکثر آفاتِ دُنیوی اور فسق و فجور سے بظاہر محفوظ ہے اور نماز، روزہ اور زکوٰۃ پر قائم ہے۔ اگرچہ عمرِ شباب اور عہدِ لہو ولعب کے تقاضوں کی بنا پر میرے حسبِ دلخواہ حفظِ ساعات شغلِ طاعات اور عمارتِ اوقات میں منہمک نہیں ہیں۔ لیکن میں اپنے رب

سے امید واثق رکھتا ہوں کہ ان کی توجہ الی اللہ اور آخرت کی طرف رجوع میں روز افزوں ترقی ہوگی۔ اور میرا اور ان کا خاتمہ ایمان اور کلمۂ شہادت پر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے میری حیات ہی میں میری اولاد کو بھی اولاد دی، مال بھی دیا۔ باغ بھی دیا۔ مساکن طیبہ بھی دیئے، معاش بھی دیا۔ علمِ دین بھی مرحمت فرمایا اور شوقِ صلاحیت بھی بخشا۔ میں نے اپنے احفاد کی تعداد اپنے رسالہ "فرع" نامی میں لکھی ہے۔ یہ لوگ اگر اللہ کا شکر بجا لائیں گے اور "مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ"[1] کہا کریں گے اور طلبِ دُنیا میں زیادہ منہمک نہ ہوں گے تو ان کی نعمتیں زوال سے بچی رہیں گی۔ "لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ"[2] اور اگر کفرانِ نعمت کریں گے یا معاصی میں مبتلا ہوں گے تو اللہ کو ان کی کچھ پروا نہیں ہے۔

"وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ"[3] "اور جو مصیبت بھی تم کو پہنچتی ہے وہ تمہارے اعمال وافعال کی وجہ سے پہنچتی ہے۔ اور وہ (اللہ تعالیٰ) بہت سے گناہ تو معاف کر دیتا ہے۔"

میں ہمیشہ ان کو اس امر کی تاکید کرتا رہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا ان پر بہت بڑا فضل ہے، اس لیے اوّل اللہ کا تہہِ دل سے شکر بجا لایا کریں۔ پھر جس کو اللہ تعالیٰ نے بلا کسی وجہِ وجیہ کے اس فیضِ ظاہری کا واسطہ ٹھہرایا ہے۔ اس کا بھی شکریہ ادا کریں۔ میں ان سے یہ کہتا ہوں:

"اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ"[4] "اے داؤد کی اولاد! عملی طور پر شکر ادا کرو اور میرے بندوں میں سے شکرگزار تھوڑے ہیں۔"

[1] الکہف ۱۸: ۳۹ ، [2] ابراہیم ۱۴: ۷ ، [3] الشوریٰ ۴۲: ۳۰ ، [4] سبا ۳۴: ۱۳

یہ سب بچے تموّل و آسودگی کی حالت میں پیدا ہوئے ہیں۔ اُنہوں نے جب سے آنکھ کھولی ہے کبھی نان، جامہ، مکان یا مرکب کی تکلیف نہیں دیکھی انہیں چاہیئے کہ سب سے زیادہ خدا کا شکر بجالائیں۔ اور میری طرح ایسی روش اختیار کریں کہ کسی کے قرض دار نہ ہوں، نہ کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کریں۔ نہ کسی کی ملازمت کے محتاج ہوں، نہ کسی کے درباری بنیں اور نہ کسی کے خوشامدی ہوں۔ مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ۔ اور یہ حالت صرف اس خوش نصیب کو میسر آتی ہے جو عُسر و یُسر اور نشاط و عدم نشاط والے حالات میں میانہ روی اختیار کرتا ہے اور اپنی چادر سے زیادہ پاؤں نہیں پھیلاتا اور آمدنی سے خرچ کم رکھتا ہے، اور کھانے، پہننے اور شادی وغیرہ میں اسراف سے بچتا ہے۔ یہ سارے قواعد و آداب کتبِ حدیث کے "کتاب الرقاق" میں لکھے ہوئے ہیں۔ ان کا مطالعہ اگر ہر دن میسر نہ آسکے تو ہفتہ وار یا ماہوار تو ضرور ہی لازم ہے۔ اس سے زیادہ تاخیر کرنے میں قساوتِ قلب اور غلبۂ معاصی کا خوف ہے۔

مسئلہ تقلید:

اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے مجھے فرقہ ناجیہ اہلِ سنّت میں پیدا فرمایا ہے۔ اور گمراہ ہونے والے بہتّر فرقوں میں سے کسی میں پیدا نہیں فرمایا ؎

جنگ ہفتاد و دو ملّت ہمہ را عذر بنہ
چوں نہ دیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

ہندوستان میں دو مذہب کے مسلمان رہتے ہیں۔ ایک شیعہ، دوسرے حنفی۔

شیعہ کی حکومت کے زمانہ میں دنیا کے لالچ سے بہت سے شرفاء شیعہ ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے والد کو خالص سنّی و محمّدی بنایا۔ اس ملک میں اہلِ حدیث بہت کم ہوتے ہیں۔ چند اہلِ علم و اہلِ باطن جو عامل بالسنتہ تھے، "مقاماتِ مرزا مظہر جانجاناں رحمہ اللہ" میں ان کا جستہ جستہ ذکر آیا ہے، وہ مصلحتِ وقت کے پیشِ نظر متستر بالفقہ رہے۔ شیخ عبدالحق دہلویؒ بطورِ محدّث مشہور تھے۔ لیکن محرّرِ مذہب حنفیہّ تھے۔ اس کے باوجود ان کا علم و فضل اور تقویٰ میرے نزدیک مسلم ہے۔ اُنہوں نے فقہاء کے طریقہ پر تاویلِ احادیث کو اختیار کیا۔ کسی جگہ تاویل صحیح ہے اور کسی جگہ صحیح نہیں۔ اس جگہ وہی "میزان شعرانی رحمہ اللہ" والی بات درست ہے کہ فقہاء کا مسائل میں اختلاف تشدد یا دو تخفیف پر محمول ہے اور سوءِ ظن کی بہ نسبت سب کے ساتھ حسنِ ظن رکھنا سلامتی کا راستہ ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی کتب میں رائے و تقلید کے اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور اتباعِ سنّت کی طرف خوب رغبت دلائی ہے۔ اور اپنی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں حنفی و شافعی مسائل فقہیّہ کے درمیان تطبیق اور بعض جگہ ترجیح دی ہے۔

ان کے بعد شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں لوگوں کے درمیان تقلید کی بحث شروع ہوئی۔ بحث ابھی ناتمام ہی تھی کہ ان کا عہد سعادت مہد ختم ہو گیا۔ اور اس عہد کے بعد وہ علماء بھی باقی نہ رہے جو فقہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ متوسط درجہ کے کچھ لوگ تھے۔ ان میں سے طرفین کی طرف سے بجائے مناظرہ کے مکابرہ و مجادلہ کی نوبت آ پہنچی۔ ایک فرقہ نے وجوبِ تقلید کے اثبات اور دوسرے نے ردِّ تقلید میں بہت بے عنوانی سے کمر باندھی اور تحریر و تقریر میں سب و شتم بلکہ لعن و طعن کا بھی استعمال ہوا۔ عیاذاً باللہ!

یہ بحث یہاں تک طول کھینچ گئی کہ ایک دوسرے کی تضلیل و تکفیر تک نوبت پہنچ گئی، حالانکہ یہ مسئلہ اس قدر قلاقل و زلازل کے لائق نہ تھا۔ یہ علمِ اصولِ فقہ کا ایک جزئی مسئلہ ہے۔ اور نہایت واضح ہے۔ یعنی تقلید اس کو کہتے ہیں کہ آدمی دوسرے شخص کی بات کو حلّت و حرمت کے سلسلہ میں بلا دلیل و نص شارع قبول کرے۔ سو یہ بات ظاہر ہے کہ سب مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں۔ اور کسی شے کی حلّت و حرمت آپ کے بتائے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی تو اتباع آپؐ ہی کا چاہیئے۔ کسی اور شخص کا نہیں ورنہ اسے پیغمبر ماننا پڑے گا۔

اگر کسی مجتہد نے کسی دلیل کے نہ ملنے اور نہ معلوم ہونے کی صورت میں کسی شئی پر اپنے اجتہاد، رائے یا قیاس سے حکم لگایا اور بعد میں کسی دوسرے شخص پر قرآن و حدیث سے دلیل واضح ہو گئی تو وہ مجتہد معذور ہے لیکن اسے جہد و سعی کا ایک اجر ضرور ملے گا۔ مگر وہ شخص جسے آیتِ قرآن یا سنّت صحیحہ پہنچ گئی ہرگز معذور نہیں ہو گا۔ اور اگر دیدہ و دانستہ نص کی مخالفت کرے گا، تو خدا اور رسول کا مخالف ٹھہرے گا۔

اس بات کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے، کچھ مشکل بات نہیں ہے۔ ہم نے فقہِ مذاہبِ اربعہ کی ساری کتابیں دیکھی ہیں۔ کسی امام مجتہد سے یہ بات منقول نہیں پائی کہ ہمارے اجتہاد کے آگے تم، قرآن و حدیث کو چھوڑ دینا، بلکہ چاروں اماموں نے اپنی اور غیر کی تقلید سے منع کیا ہے۔ ان کے اقوال خود ان کے مقلدوں کی کتابوں میں منقول ہیں۔ اس صورت میں ظاہر بات ہے کہ ان کا مقلد صحیح صادق تو وہی مسلمان ہے، جو اس قولِ حق میں ان کی پیروی کرے نہ وہ کہ جو ان کے اس قول کی مخالفت کرے۔ کیونکہ وہ تو ان کا مخالف ہوا نہ کہ مقلد، علاوہ ازیں ائمہ اربعہ رحمہم اللہ سے فقہ کے جتنے مسائل منقول ہیں،

خواہ خاص ان کے اقوال ہوں یا ان کے تلامذہ و اصحاب کے، وہ سارے احکام قرآن و حدیث کے خلاف نہیں ہیں۔ اگر یہ بات ہوتی تو مذہب اہلحدیث ان کے دائرہ سے خارج ہو جاتا۔ بلکہ سنتِ صحیحہ سے جتنے مسائل ثابت ہیں وہ اِن چاروں مذاہب کے اندر منتشر اور موجود ہیں ؎

چہ خوش گفت دانا کہ دانش بسے ست
ولیکن پراگندہ با ہر کسے ست!

ائمہ اربعہ کے درمیان اصولِ مذاہب میں کچھ اختلاف نہیں ہے۔ صرف بارہ مسائل میں ماتریدیہ اور اشعریہ کے درمیان نزاعِ لفظی سے مشابہ قدرے اختلاف ہے۔ فروعی مسائل میں بھی اس طول و عرض کے باوجود چار سو سے زیادہ مسائل میں اختلاف نہیں ہے۔ پھر جب انہیں تشدید و تخفیف پر محمول کیا جائے۔ جیسے علامہ شعرانی رح نے کیا ہے۔ یا توفیق و تطبیق دی جائے، جیسے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح نے کیا ہے تو پھر تو بہت تھوڑے مسائل باقی رہتے ہیں۔ جن میں مسانغِ ترجیح و تضعیف ہو۔ پھر خاص طور پر حنفی مذہب میں تو ہر مسئلہ مذہب اہلِ حدیث کے مطابق ملتا ہے۔ بشرطیکہ امام اعظم، امام ابو یوسف یا امام محمد رح کے مذہب کی قید نہ لگائی جائے، بلکہ ان میں سے جس کا مذہب یا قول ظاہرِ سنّت کے موافق ہو اسے مفتیٰ بہ ٹھہرایا جائے۔ اسی لیے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح نے فرمایا ہے کہ:

"مذہبِ حنفی سب مذاہب سے زیادہ حدیث کے موافق ہے۔ لیکن اکثر لوگ عصبیت کی وجہ سے ایسا نہیں کرتے ہیں اور اہلِ حق سے اپنی رائے کی مذمت سنتے ہیں۔ پھر جو شخص اپنے دین پر بخل رکھتا ہو، تقویٰ و احتیاط اس کا شعار و دثار ہو تو وہ

ضرور اصح الصحیح، ارجح المذاہب اور اقوی الاقوال کو اختیار کرے گا۔ اور اتنی بات سے نہ وہ مذہبِ مختار سے خارج ہوگا، نہ تضلیل و تکفیر کا مستحق ہوگا! بلکہ حنفی بدستور حنفی اور شافعی بدستور شافعی رہے گا۔"

ہمیں ساری امت میں کوئی عالم با عمل، صاحبِ خشیت، طالبِ آخرت اور تاجرِ عقبیٰ ایسا نہیں ملا جو اس جمود کے ساتھ کسی مذہب کا مقلد ہو کر وہ کسی جزئی یا کلی مسئلہ میں اپنے امام متبوع کے خلاف کوئی قول اختیار نہ کرے۔ اگر ادنیٰ سا اختلاف بھی ناقضِ تقلید ہے تو پھر دنیا میں تقلید کا وجود ناپید ہو گا۔ اور مقلد بھی مقلد نہیں بلکہ متبع ٹھہریں گے۔ اگر بعض مسائل میں اختلاف ناقضِ تقلید نہیں تو دس بیس بلکہ سو پچاس مسائل میں اختلاف سے بھی تقلید ضائع نہیں ہوگی۔ خصوصًا جب کہ ان مسائل کو ترک کیا جائے، جن کی کتاب و سنت میں کوئی دلیل نہیں یا جو مسائل منطوق و مفہومِ قرآن کے صریحًا خلاف ہیں۔ ایسے شخص پر ترکِ تقلید کی وجہ سے لعن طعن کرنا ظلم عظیم ہے۔ بالخصوص جب کہ تمام کتاب اللہ میں اس تقلیدِ کذائی کے جواز میں ایک حرف بھی نہ ملتا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ نے تقلید کو اہلِ کتاب و مشرکین کا طرزِ عمل بیان کر کے اس کی تردید فرمائی ہو۔ سنتِ صحیحہ کا بھی یہی حال ہے کہ اس میں نہایت تشدد و مد کے ساتھ اعتصام بالکتاب والسنۃ کا مطالبہ کیا گیا ہے اور رائے سے تحذیر فرمائی گئی ہے۔

رہی یہ بات کہ جس طرح متبعینِ سنت، مقلدین کو برا کہتے ہیں۔ اسی طرح مقلدین بھی متبعین کو برا سمجھتے ہیں۔ اس کی وضاحت کے لیے یوں سمجھئے کہ اگر کوئی متبع کسی معین امام یا عالم پر طعن و قدح کرتا ہے تو وہ

غیبت کرتا ہے اور غیبت زنا سے بھی بدتر ہے۔ اور آحادِ مسلمین کی غیبت کرنا حرام ہے۔ پھر جو ائمہ و علمائے آخرت کی غیبت کرتا ہے خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ تو وہ لعن طعن اسی غیبت کرنے والے پر واپس آتی ہے۔ اور یہ بدگوئی روافض کا مذہب ہے اہل سنّت کا نہیں۔

اور اگر وہ متبع مجرد فعلِ تقلید کو ناجائز، بدعت یا شرک بتاتا ہے اور اس کی دلیل بھی بیان کرتا ہے۔ تو اسے ہرگز بُرا نہیں کہنا چاہیئے۔ اس لیے کہ یہ جرأت اس قائل پر نہیں بلکہ خدا و رسول پر ہو گی، اور خدا و رسول کا استخفاف کرنا کفر بواح ہے۔ اور خدا اور رسول کو گالی دینے والا تو قتل کا مستحق ہے۔ اسی طرح اگر مقلد متبع کو بُرا سمجھتا ہے تو اس کی یہ حرکت متبع کی حرکت سے بھی بُری ہے۔ اس لیے کہ اس نے بُرا کہا تھا تو تقلید کو بُرا کہا تھا یا اپنی بیوقوفی سے کسی معاصر و ہمسر کو بُرا کہا تھا اور اس نے جو بُرا کہا تو اتباع کو بُرا کہا اور اللہ اور رسولؐ کی بے ادبی کی۔ خدا اور رسولؐ کا مرتبہ علماء و مجتہدینِ امت سے کم نہیں بے حد زیادہ ہے۔ اور جو کم سمجھے وہ دائرہ اسلام سے دست کش ہے۔ بلکہ اللہ اور رسولؐ کی تو یہ شان ہے کہ ساری امت کے علماء و اولیاء، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کا تو کیا ذکر حضراتِ صحابہ کرام رضؓ کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ یہ تقابل اگر کفر بواح نہیں ہے تو کیا ہے؟ اتباع ایسی چیز ہے جو شرعاً مامور بہ ہے۔ اور تقلید نصاً منہی عنہ ہے۔ اب ان دونوں شخصوں کے اقوال میں جو تفاوت ہے وہ مخفی نہیں۔

الحمد للہ کہ میں نے آج تک کسی مقلدِ مذہب کو بالتخصیص برا نہیں کہا، اگرچہ ردِّ تقلید میں بہت کچھ لکھا ہے۔ اور میں کسی مقلد صادق، صحیح الارادۃ، حسن العمل، متقی شخص کو بُرا نہیں جانتا۔ اور عوام متبعین جو علم و عمل سے بے بہرہ ہیں ان

کو بھی اچھا نہیں سمجھتا۔ فریقین کی افراط و تفریط نے اس دور میں تو دین کو بالکل لہو و لعب بنا کر رکھ دیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب نہ فقہاء باقی رہے ہیں اور نہ عامل بالحدیث۔ بس تلاعب باقی رہ گیا ہے۔ اور اُمم سابقہ والا مرضِ قدیم اِن لوگوں میں بھی مروّج ہو گیا ہے جو اہلِ سنّت کہلاتے ہیں۔ وکان امر اللّٰہ قدراً مقدوراً [1]

لطفِ حق با تو مواسا ہا کند
چونکہ از حد بگذرد رسوا کند

برادرِ مرحوم کا سلوک :

جب والد مرحوم کا انتقال ہوا تو گھر میں ان کا کتاب خانہ، ہتھیار، اور پارچہ وغیرہ سامانِ متروکہ موجود تھا۔ بڑے بھائی نے جس طرح چاہا تصرّف کیا، مجھے کوئی چیز نہ ملی۔ سوائے ان چند کتابوں کے جو برادر مرحوم کے انتقال کے بعد ملیں۔ میں نے اپنے حصّہ کی بابت بھی اپنے بھائی سے مزاحمت یا مطالبہ نہیں کیا۔ بلکہ جو چیز میری تھی اور انہوں نے مجھ سے لے لی، میں نے سکوت کیا اور اس کے عوض اللہ نے مجھے اتنا دیا جو حساب سے باہر ہے بلکہ افسوس ہے کہ آج وہ زندہ نہیں۔ اگر ہوتے اور والدہ و اخوات بھی موجود ہوتیں تو ان کی خدمت کما حقہ بجالاتا۔ لیکن یہ آسودگی مجھے ان سب کے انتقال کے بعد نصیب ہوئی۔ میں نے والدین، برادر اور ہمشیرگان کی طرف سے حجِ اسلام، سرائے، مسجد، پل وغیرہ صدقات ادا کر دیئے ہیں۔ اللہ ان سب پر رحم فرمائے۔

میری نگاہ میں دنیا کی اتنی حقیقت بھی نہیں ہے کہ مسلمان اس کی وجہ

[1] احزاب: ۳۸

سے لڑائی جھگڑا کرتا رہے یا اعزہ واقارب سے بخل سے پیش آئے۔ مجھے میری اولاد، شرعی محبت کے ساتھ اس قدر محبوب ہے کہ میں ان سے کسی چیز کے متعلق دریغ نہیں کرتا ہوں۔ میری حیات میں ہر ایک کا گھر بار، معاش جائیداد اور کتاب خانہ وغیرہ ہر طرح کا سامان علیحدہ علیحدہ ہے تاکہ میرے بعد حصص و سہام ترکہ وغیرہ کی تقسیم میں کوئی نزاع پیش نہ آئے، وللہ الحمد!

اور میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ میرے بعد اللہ کے سوا کسی کے محتاج نہ ہوں، اور جس طرح اس نے مجھ پر اپنا فضلِ عمیم کیا ہے، اسی طرح دونوں جہانوں میں ان کا بھی متکفل رہے۔ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ![1]

خواب:

میں نے کچھ نیک خواب دیکھے ہیں، کچھ دوسرے لوگوں نے بھی میرے متعلق اچھے خواب دیکھے، لیکن میں ان خوابوں میں سے کسی پر اعتبار نہیں کرتا اگرچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "يَرَاهَا الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ أَوْ تُرَى لَهُ[2]" اس لیے کہ مجھے اپنا عاصی، گنہگار، اور نابکار ہونا بالیقین معلوم ہوتا ہے۔ اور صلاح مظنون بھی نہیں۔ اس لیے میرے خواب پریشاں کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ اور دوسروں کے خوابوں کا اس لیے اعتبار نہیں کہ شاید وہ ان کے حسنِ ظن پر مبنی خیالات ہوں۔

ایک شخص نے بشر حافی رحمہ اللہ سے کہا تھا کہ میں نے تمہیں جنت میں ناز سے چلتے دیکھا ہے۔ فرمانے لگے کہ شیطان کو تیرے اور میرے سوا کوئی نہ ملا جس سے وہ مسخرا پن کرتا۔

[1] الاعراف: ۱۹۶ [2] رواہ مالک

نہ غلامِ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم

مجتہد نہ مجدّد :

مجھے مجتہد ہونے کا دعویٰ ہے نہ مجدّد ہونے کا، اگرچہ یاروں نے مجتہد مجدّد سب کچھ بنا دیا ہے۔ وہ واقعی بڑی سنجیدگی سے اس کا اظہار کرتے ہیں تاہم میں سمجھتا ہوں کہ شاید بطریقِ ہزل کہہ رہے ہیں۔ کیونکہ مجھے بخوبی معلوم ہے کہ مجھ میں کوئی شرطِ اجتہاد، کوئی صورتِ تجدید اور کوئی وصفِ مولویّت موجود نہیں ہے۔ بلکہ میں ان الفاظ سے سخت پریشانِ خاطر ہوتا ہوں، اور اپنے لیے ان کا استعمال پسند کرتا۔ حدیث میں فرمایا ہے:

اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ" — ایسی چیز کے ساتھ سیر ہونا ظاہر کرنے والا جو وہ نہ دیا گیا ہو اس شخص کی مانند ہے جو جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والا ہے۔"

اکثر لوگ ظاہر پرست ہوتے ہیں، بعض اموال ملاحظہ کرنے کے بعد ان کا ایسا حکم لگانا لائقِ سند نہیں۔ میرے ہاتھ سے کتبِ فقہِ سنّت کا رواج ہوا اور عربی، فارسی اور اردو ہر سہ زبانوں میں عرب و عجم تک پہنچیں۔ اسی بنیاد پر بعض معاصرین نے مجدّد لکھ دیا۔ اور مسائل کو دلائل کے ساتھ مربوط دیکھ کر مجتہد ٹھہرا دیا۔ یہ کوئی خاص اہمیت کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ساری امت کے علماء سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ اللہ کی آیات کو اس کے بندوں پر واضح کریں کتمانِ علم پر آگ کے انجام کی وعید آئی ہے۔ حالانکہ میں وظائفِ علم سے بالکل علیحدہ رہتا ہوں۔ نہ کبھی درس و تدریس کرتا ہوں، نہ کسی کو شاگرد بنانا

ہوں، نہ آج تک کسی فتویٰ پر دستخط کئے، نہ کسی کا مرید ہوں، اور نہ کسی کو مرید و معتقد کرنا چاہتا ہوں، بلکہ خادمِ کتاب و سنّت ہوں، اور وہ بھی اس لیے کہ اوّلاً اپنے نفس کو مہذب بناؤں اور پھر اگر توفیق رفیق ہو تو دیگر مسلمانوں کو بھی میری کتابوں سے نفع پہنچے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی ڈر ہے کہ کہیں یہ علم حساب کے دن مجھ پر حجت نہ بن جائے۔ اس لیے کہ عالمِ بے عمل کی، جاہل کی بہ نسبت سزا جزا بہت سخت ہے۔ پھر بہ نسبتِ سیادت، مضاعفتِ عتاب کی دوسری دلیل ہے اور تیسری بلا تالیفات ہیں۔ جو عدمِ اخلاص کی صورت میں مؤلف کے لیے وبال ہیں۔

واللہ! باللہ! عوام مسلمین اور جہال مؤمنین مجھ سے دُنیا و دین میں ہزار درجہ بہتر ہیں۔ دنیا میں اس لیے کہ وہ ان مباحث شکوک اور ریا سے بالکل الگ ہیں۔ جن میں علماء و فقہائے وقت گھرے ہوتے ہیں۔ سیدھے سادے ایمان دار، کلمہ گو، پابندِ صوم و صلوٰۃ اور حاجی ہیں۔ اور دین میں اس لیے کہ جہال سے ان کی جہالت اور نادانی کی وجہ سے جو ان کی معاصی سے تجاوز کیا جائے گا۔ وہ علماء سے نہ ہوگا۔ غرضیکہ میری جان عجیب خطرہ میں گرفتار ہے۔ اللہ فضل کرے گا تو بیڑا پار ہے ورنہ ہلاکت تو نقدِ وقت ہے، اللّٰھم غفراً!

فریضۂ زکوٰۃ کی ادائیگی:

میرے پاس جتنا مال ہے اس کی ہر سال زکوٰۃ ادا کرتا ہوں۔ بلکہ زکوٰۃ سے کچھ زیادہ ہی دے دیتا ہوں۔ اگرچہ زکوٰۃ کی مقدار کئی ہزار تک پہنچ جاتی ہے۔ میرے پاس نَقدَین کے سوا اور کوئی زکوٰۃ طلب مال بھی نہیں ہے۔ کتاب خانہ

کوئیں نے اپنی اولاد میں تقسیم کر دیا ہے۔ میں اس کا مالک نہیں ہوں، علاوہ ازیں خزانۂ کتب پر زکوٰۃ واجب بھی نہیں ہے۔ خصوصاً جب کہ عالم ان کا محتاج ہو۔ خواہ یہ احتیاج ہر ماہ و سال نہ ہو بلکہ گاہے گاہے پیش آئے۔ بحمدہٖ تعالیٰ میری اولاد بھی ہر سال زکوٰۃ ادا کرتی ہے۔ اور ان میں کوئی بھی ممسک و بخیل نہیں ہے۔ میرے پاس کوئی ذاتی جائیداد نہیں۔ میں رئیسہ معظّمہ کے گھر میں مستعار رہتا ہوں۔ جس دن مر گیا اس دن سے میرا گھر خانہ گور ہو گا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے حرمین شریفین میں کسی ایک جگہ موت دی، جس کی تمنّا دامن گیر ہے تو محض اللہ کا فضل ہو گا۔ مجھے معلوم ہے کہ مرزا مظہر جانجاناں کرایہ کی خانقاہ میں رہتے تھے۔ استطاعت کے باوجود گھر نہ بنایا۔ پوچھا گیا تو فرمایا:

"جب چھوڑ ہی جانا ہے تو اپنا گھر اور غیر کا گھر برابر ہے۔" ؎

داشت لقمان یکے کریچۂ تنگ
چوں گلوگاہ نائے و سینہ چنگ
بوالفضولے سوال کرد از وے
کیں چہ خانہ ست یک بدست و سہ پے
بادم سرد و چشم گریاں پیر
گفت "ہٰذَا لِمَنْ یَّمُوْتُ کَثِیْر"

"نور محل" جس کے مردانہ و زنانہ تین قطعے الگ الگ ہیں، وہ میرے تینوں بچوں کا غریب خانہ ہے۔ پورے دو لاکھ روپے میں تیار ہوا، پھر و بہت کچھ اس پر صرف ہوا۔ مسجد نور محل خانہ خدا ہے وہ کسی کی ملکیت

نہیں ہے۔ میں نے نیت کر لی تھی کہ میرے مال میں جو خالص حلال ہو گا وہی اس مسجد پر صرف ہو گا۔ چنانچہ تیس ہزار روپیہ اس مسجد کی تعمیر میں صرف ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس خدمت کو شرفِ قبولیت بخشے تو زہے سعادت۔ یہ سب توفیق رئیسہ معظمہ کی وساطت سے ملی ہے، جن کے سبب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ابوابِ رزق کھول دیئے۔" ورنہ چہ من و چہ مہر من"۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ o

حسب ونسب کی چند باتیں:

میرے علم کے مطابق حضرت مخدوم کے زمانہ سے آج تک ہمارے خاندان میں کوئی بی بی نسب نامہ کے اعتبار سے غیر کفو نہیں آئی۔ البتہ تین عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

ایک[1] والدہ محترمہ کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خاندان سے تھیں۔

دوسری[2] میری اولاد کی والدہ کہ وہ صدیقی النسب تھیں۔ اور

تیسری[3] رئیسہ عالیہ کہ یہ قوم افغان سے تعلق رکھتی ہیں۔

باقی چونکہ ازواج قدیماً وحدیثاً بنی فاطمہ ہی سے تھیں، اب جو اولاد کی شادی ہوئی ہے۔ تو پھر خاندانِ سادات صحیح النسب سے قرابت جا ملی ہے۔ وللہ الحمد!

عربیتِ قوم، سیادتِ نسب اور عربیتِ لغت وہ شرفِ عظیم ہے جو ہمیں جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے اتصالِ طینی ودینی بخشتا ہے۔ رئیسہ سے کچھ اولاد نہیں ہوئی، البتہ اولادِ معنوی یعنی تالیف واشاعت

کتب، جو کہ سعادت کے اعتبار سے اولاد و ذرّیتِ ظاہری سے بالا تر ہے۔ یہ توفیق حصولِ جاہ و فرصت کے سبب نصیب ہوئی۔ اگر نکبیہ عالیہ سے نکاح نہ ہوتا تو بظاہر ان کتبِ دینی کی اشاعت کی کوئی صورت نہ تھی۔ نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ۔

میں اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھتا ہوں کہ میری اولاد ظاہری حسب کے ساتھ ساتھ حفظِ نسب اور صحتِ ولادت کے لیے نہایت اہتمام رکھے گی۔ اور سیادتِ نسب کو شرفِ عظیم سمجھے گی۔ اگرچہ تقویٰ و طہارت کے بغیر آدمی میں کوئی بزرگی نہیں۔ اگرچہ میں مثلِ دود حارِ آتش اور مانندِ کرم ننگِ آب ہوں اور اپنی کثرتِ عصیان کے باعث سخت نادم و بیتاب، لیکن میرے آباؤ اجداد اور امہات سب علماء و اولیاء گزرے ہیں۔ اِلّا ماشاء اللہ! ؎

ہر جا کہ از بلندی و پستی سخن رود
از آسماں بلند تر از خاک کمتریم

مجھے اور میری اولاد کو اس بات کی غیرت کرنی چاہیئے کہ ہم سب ان کے مبارک راستہ سے انحراف نہ کریں، دنیا کو دین پر ترجیح نہ دیں۔ دُنیا تو ایک خواب ہے سراب ہے، ڈھلتی چھاؤں ہے، نہ کسی کے پاس تھمی ہے نہ تھمے گی۔ وہ چیز جو قبر میں ساتھ جائے گی، وہ اعمالِ صالحہ اور علومِ نافعہ ہیں۔

اس خاکدان میں زندگی کا وقفہ بہت کم ہے، اور برزخ کا طول بہت زیادہ۔ پھر حشر کا دن تو پچاس ہزار برس کا ہوگا۔ آخرت کی دائمی نعمتوں کے لیے اس جہانِ فانی میں تکلیف یا تشویش کے ساتھ چند سال بسر کرنا فرض ہے۔ اگر یہ قلیل وقت ضائع ہو گیا تو پھر سمجھو کہ خیرِ کثیر سے محرومی نصیب ہوئی۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا!

بیک تغافل از آشفتہ خاطری رم کن!
مژہ بہم زن و این بزم جملہ برہم کن
جراحتے بدلت گر رسیدہ ست اے درد!
نواز گدا ختنِ خویش فکرِ مرہم کن

زندگی کے چند سفر:

میں نے تمام عمر میں چند سفر کئے ہیں۔

ایک سفر طلبِ علم کے لیے تھا۔ اس سفر میں فرخ آباد، کانپور میں صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، پھر دہلی جاکر تحصیل کو پورا کیا۔

دوسرا سفر طلبِ معاش کے لیے تھا۔ بھوپال آکر نوکری کی اور آٹھ ماہ ٹونک میں بھی رہا۔ اس کے علاوہ کسی اور جگہ نوکری نہیں کی۔

تیسرا سفر حرمین شریفین کا تھا۔ یہ آٹھ ماہ میں ختم ہوا۔

چوتھا سفر رئیسہ عالیہ کے ہمراہ بمبئی، احمد آباد، کلکتہ، دہلی و آگرہ کا کیا۔ اس سفر میں لارڈ نارتھ بروک، لارڈ لٹن، لارڈ رپن اور دیگر حکام سے ملاقات و مصافحہ ہوا۔ اور عجائب بلاد و عباد دیکھے ؎

بدل اگر نخلد آنچہ در نظر گزرد
خوشا روانیِ عمرے کہ در سفر گزرد

ان میں سے بعض سفر قطعۂ عذاب تھے اور بعض وسیلۂ ظفر۔ اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید سفرِ آخرت کے علاوہ کسی اور سفر کا اتفاق نہ ہو ؎

چشم پوشیدہ نواں کرد سفر
چہ قدر راہِ فنا ہموار ست

والدِ مرحوم کے زمانہ سے اب تک کا اگر خیال کیا جائے تو میرے خاندان میں اپنے والد، بھائیوں اور بہنوں کی بہ نسبت میری عمر زیادہ ہوئی ہے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ خَیْرَ عُمْرِیْ آخِرَہٗ!

طلبِ معاش میں احتیاط:

میں نے حصولِ معاش کے لیے کبھی دروغ گوئی، بالا خوانی، مکروفریب اور چالاکی نہیں کی۔ حالانکہ مجھے معلوم تھا کہ دُنیا جھوٹ سے ملتی ہے۔ اور میں نے اس زمانہ میں جس کسی عامی عالم کو دیکھا اسے مداہن ہی پایا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھا کہ کشش و کوشش کے باوجود مقدارِ مقسوم سے کچھ زیادہ ان کے ہاتھ نہ آیا۔ دین گیا، دنیا بھی ہاتھ نہ آئی، اگر وہ لوگ قناعت کرتے اور نفائسِ نفاس کو سعیِ دنیا میں برباد نہ کرتے، تب بھی انہیں اتنا ہی ملتا اور دین بھی سلامت رہتا۔ لیکن شیطان انسان کا آبائی دشمن ہے۔ کم ہی لوگ اس کے دامِ مکر سے بچتے ہیں، اور یہ سب سے زیادہ اہلِ علم و اہلِ دین ہی کو پھانستا ہے کیونکہ دُنیا داروں کی طرف سے فارغ البال ہے۔ اس لیے کہ وہ اصل فطرت کے اعتبار سے اسی کے غلام و پرستار ہیں۔ بلکہ ان میں بعض تو درہم و دینار کے ایسے پجاری بھی ہیں کہ شیطان کو ان کی شاگردی پر فخر ہے ؎

وَکُنْتُ امْرَأً مِنْ جُنْدِ اِبْلِیْسَ فَارْتَقٰی
بِیَ الْحَالُ حَتّٰی صَارَ اِبْلِیْسُ مِنْ جُنْدِیْ

میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے کسبِ دنیا کی عقل نہیں ہے۔ بلکہ اکثر لوگوں سے

زیادہ ہے۔ لیکن میں طبعی طور پر ان افعال کی جرأت نہیں کرتا جن سے دُنیا ہاتھ آتی ہے۔ اور اس سے عدمِ جرأت کی وجہ یہ ہے کہ مجھے ان امور کا انجام اور آخرت کی سزا معلوم ہے۔ اور اگر یہ حجاب نہ ہوتا تو میں بھی اہلِ دنیا کے عقلاء کے زمرہ میں شمار بلکہ مشار الیہ ہوتا۔ لیکن اللہ کا مجھ پر احسان ہے کہ اس نے مجھے ہر جعل و فریب، نمک حرامی و خود غرضی، مالِ حرام و سرقہ، غصب و رشوت اور ربا و ریا سے بچایا۔ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ۔

پسندیدہ بات:

جو بات اپنے لیے پسند کرتا ہوں، وہی سارے مسلمانوں کے لیے پسند کرتا ہوں۔ مثلاً یہ چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے چھوٹے گناہوں سے محفوظ رکھے، توحید خالص اور اتباعِ سنّت کے ساتھ آراستہ کرے، ایسی محتاجی نہ دے جس کی بنا پر دین سے بیزاری پیدا ہو، اور جملہ مہلکات سے بچا کر منجیات کی توفیق بخشے وغیرہ وغیرہ۔

یہ تمام باتیں تہِ دل سے تمام مسلمانوں کے لیے بھی پسند کرتا ہوں۔ جو مسلمان خلافِ شریعت کوئی کام کرتا ہے تو مجھے اس پر تعجب ہوتا ہے کہ یہ کیسا مسلمان ہے؟ خصوصاً جب کسی مسلمان کو حقوق العباد ضائع کرتے ہوئے دیکھتا ہوں تو سخت تعجب ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا مواخذہ سخت تر ہے، اور زیادہ تر لوگ اسی میں مبتلا ہیں۔ بلکہ بعض لوگ حقوقِ خدا میں تو کم قصور کرتے ہیں۔ لیکن حقوقِ عباد میں ان سے سخت فتور ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ ایسا گناہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک نہیں بخشے گا جب تک صاحبِ حق

معاف نہ کر دے یا بدلہ نہ لے لے۔

حقوق العباد:

میرے ذمہ اولاد و اقارب کے جتنے حقوق ہیں، میں حتی المقدور شریعت کے مطابق انہیں ادا کرتا ہوں۔ اگر کوئی شخص میرا حق ادا نہ کرے تو خاموش رہتا ہوں۔ باقی رہے احباب و اغیار کے حقوق وغیرہ، تو اکثر لوگ شرعًا اس کے مصداق نظر نہیں آتے ہیں۔ اور جو نادر طور پر لوگ ملتے ہیں، ان کے ساتھ جس قدر ممکن ہو، مراعات کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ بہت سے لوگوں نے ہزارہا روپے قرض لیے اور نہ دیئے۔ میں نے ان میں سے اکثر کو معاف کر دیا ہے۔ اور ان کا مؤاخذہ خدا کے ذمہ نہیں رکھا۔ اور کسی نے آدھا دیا، آدھا نہ دیا۔ اور کسی نے دھوکا دے کر کچھ مال لے لیا۔ مَنْ خَدَعَنَا بِاللّٰہِ انْخَدَعْنَا لَہٗ!

دیدیم ہر کسے بجہاں ہوشیار بود
کردیم طرح عالم مستی برائے خویش

اور شاذ و نادر ایسے بھی تھے جنہوں نے پورا قرض دے دیا۔ بہت سے لوگ میرے سامنے پُر زور تقریر کر کے اپنا کام نکال لے جاتے ہیں۔ اور میں ان کو خوب جانتا پہچانتا ہوں۔ لیکن ان پر ظاہر نہیں کرتا کہ تم ایسے ہو۔ میں اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا کرتا ہوں کہ میں طبعی اور عملی طور پر ان جیسا نہیں ہوں ؎

دنیا ہمہ ہیچ ست و کار دنیا ہمہ ہیچ ست
ہمہ ہیچ ست تمام ایں تماشا ہمہ ہیچ ست
یک عمر فریب اہل دُنیا خوردیم
آخر دیدیم اینکہ دُنیا ہمہ ہیچ ست

اس کے باوصف میرا خیال ہے کہ وہ مجھ سے بہتر ہیں۔ اس لیے کہ اگر ان میں یہ ایک نقص ہے تو صدہا ہنر وکمال بھی موجود ہیں۔ اور میں اگرچہ ایک فریب دنیاداری میں ان کا شریک نہیں ہوں تو کیا ہوا، مجھ میں ان کی نسبت صدہا عیوب زیادہ ہیں۔ تو وہی بہتر ہوئے اور پھر عصمت نہ میرے لیے ہے، نہ ان کے لیے ؎

مَنْ ذَا الَّذِیْ مَا سَآءَ قَطْ
وَمَنْ لَہُ الْحُسْنٰی فَقَطْ

اور جس نے مجھ سے امانت ودیانت کے خلاف کوئی کام کیا یا کرے گا اور میں اس پر صابر وخاموش رہا یا آیندہ تجاہل کروں، تو اس کا یہ معاملہ میرے لیے موجبِ مغفرت اور اس کے لیے موجبِ عقوبت ہوگا۔ جو مسلمان قاصر العمل ہو اور اللہ کو اس کا بخشنا منظور ہو تو اسے اسی حیلہ سے بخش دیتا ہے کہ وہ لوگوں کے میل جول اور آفات پر تحمل کرتا ہے۔ اور یاروں کے غصب وفریب کا انتقام نہیں لیتا۔

باب سوم

سونے کے آداب :

جب رات کو سوتا ہوں تو تسبیح فاطمہ رضی اللہ عنہا، آیت الکرسی، سورہ فاتحہ ہر چہار قل، سید الاستغفار، اور کلمہ توحید و تمجید وغیرہ پڑھ کر سوتا ہوں، اور تمام ظاہری و باطنی گناہوں سے توبہ کر کے نیند میں جاتا ہوں۔ اس لیے کہ مجھے معلوم ہے کہ نیند میں روح جسم سے آسمان کی طرف چڑھتی ہے۔ اگر ظاہری و باطنی طہارت پر نیند آتی ہو تو اسے اللہ کے سامنے سجدہ کا اذن ملتا ہے، ورنہ اس درگاہ میں داخل ہونے سے باز رہ کر خارج از درگاہ کھڑی رہتی ہے۔ سجدہ نہیں کر سکتی۔ اور گناہ گار ٹھہرتی ہے۔ علی خواص رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ افضل الدین رحمۃ اللہ علیہ سے کہا تھا :

إِيَّاكَ أَنْ تَنَامَ عَلَىٰ حَدَثٍ ظَاهِرٍ أَوْ بَاطِنٍ مِنْ مَحَبَّةِ الدُّنْيَا وَ شَهَوَاتِهَا فَرُبَّمَا أَخَذَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ بِرُوحِكَ تِلْكَ اللَّيْلَةَ فَتَلْقَىٰ	ظاہری اور باطنی حدث پر سونے سے اپنے کو بچاؤ۔ باطنی حدث جیسے کہ دنیا کی محبت اور شہوات کیونکہ ممکن ہے اس رات اللہ تعالیٰ تمہاری روح کو پکڑ لے اور

اللہَ تَعَالیٰ وَھُوَ عَلَیْكَ غَضْبَانُ	اللہ سے ملاقات کرو اور وہ تم سے اس گناہ
بِحَسَبِ قُبْحِ ذٰلِكَ الذَّنْبِ الَّذِیْ	کی قباحت کی بنا پر ناراض ہو جس پر تم سوتے
نِمْتَ عَلَیْہِ وَقَدْ قَالَ تَعَالیٰ "اَفَاَمِنَ	تھے اور اللہ تعالیٰ فرما چکے ہیں کہ کیا برائیوں
الَّذِیْنَ مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّخْسِفَ	کا ارتکاب کرنے والے اس بات سے
اللہُ بِھِمُ الْاَرْضَ ۔الاٰیۃ ۔ فَمَنْ	بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں
نَامَ عَلیٰ مَحَبَّۃِ الدُّنْیَا وَمَاتَ فِیْ	دھنسا دے" الآیۃ جو آدمی دل میں محبتِ
تِلْكَ النَّوْمَۃِ حُشِرَ مَعَ مَبْغُوْضٍ	دنیا لیے سویا اور اسی نیند میں فوت ہو گیا
لِلّٰہِ لَمْ یَنْظُرْ اِلَیْہِ مُنْذُ خَلَقَہٗ "	تو اس کا حشر اللہ کے اس مبغوض شخص
	کے ساتھ ہو گا جس کی طرف اللہ نے اس

کی پیدائش سے لے کر کبھی نظرِ رحمت سے نہیں دیکھا ہو گا "

الحاصل یہ کہ حدثِ اکبر یا اصغر، ظاہری یا باطنی مثلاً کینہ، مکر و فریب، غل و حسد اور نقضِ مسلم وغیرہ کی حالت میں سونا مکروہ ہے، اسی طرح انسان جب نیند سے بیدار ہو تو سارے گناہوں اور شہوات وغیرہ سے توبہ کر لے۔ شاید ناگہاں موت آ جائے اور ملک الموت توبہ کی مہلت نہ دے۔ پس اے لوگو! ظاہری و باطنی طہارت پر سونے کو اپنا معمول بنا لو، سستی نہ کرو، ورنہ آخرت میں ندامت اٹھانی پڑے گی۔

اوراد و وظائف :

کھانے پینے کے وقت ہمیشہ شرعی آداب کو ملحوظِ خاطر رکھتا ہوں یعنی شروع "بسم اللہ" سے کرتا ہوں اور آخر میں حمدِ الٰہی کہتا ہوں اور تناولِ طعام سے فراغت کے بعد دعائے مسنون پڑھتا ہوں۔ کپڑا پہنتے اور بیت الخلاء جاتے

وقت کی جو دُعائیں منقول ہیں، وہ بھی پڑھا کرتا ہوں شروع میں بسم اللہ اور آخر میں کلمہ شہادت اور دعاءِ ماثور کا ورد کیا کرتا ہوں۔ اذان کے بعد دعاءِ وسیلہ اور حضرت کے نام مبارک کو کسی وقت بھی، اذان کے اندر یا باہر سن کر مسنون درود پڑھنا بھی میری عادت ہے۔ وللہ الحمد!

رمضان المبارک میں سارا ماہ یہ معمول رہتا ہے کہ سحری کے بعد آخر شب میں نہایت التزام کے ساتھ بارہ رکعت نمازِ تہجد پڑھا کرتا ہوں، اور مرض کے علاوہ قضا نہیں کرتا۔ اسی طرح عام طور پر ایک ختم قرآن شریف تراویح میں اور ایک قرآن شریف تلاوت میں سُنتا اور پڑھتا ہوں۔ ایک مدت دراز تک روزانہ "دلائل الخیرات" اور "حزبِ اعظم" کی تلاوت و قراءت کا بھی اتفاق رہا ہے ؎

لَقَدْ كُنْتُ دَهْرًا قَبْلَ أَنْ يُكْشَفَ الْغِطَا
إِخَالُكَ أَنِّيْ ذَاكِرٌ لَكَ شَاكِرٌ
فَلَمَّا أَضَاءَ اللَّيْلُ أَصْبَحْتُ شَاهِدًا
بِأَنَّكَ مَذْكُورٌ وَذِكْرٌ وَذَاكِرٌ

علمِ ادعیہ واذکار میں امام نووی رح کی کتاب معروف و مقبول ہے۔ بعض اہلِ علم نے کہا ہے "بِعِ الدَّارَ وَاشْتَرِ الْأَذْكَارَ" لیکن میری کتاب "نزل الابرار" اذکار کی نسبت زیادہ نفع بخش اور زیادہ جامع ہے۔ یہ بات محض تحدیثِ نعمت کے طور پر کہہ رہا ہوں۔ اس لیے نہیں کہ میرا علم و فضل نوویؒ سے زیادہ یا مساوی ہے۔ کیونکہ میں نوویؒ کے خاکِ پا کے برابر بھی نہیں ہوں۔ کجا ذرہ کجا آفتاب۔ بلکہ میں تو بجائے خود نہایت شرمندہ اور خائف ہوں کہ مجھ سے فرائض نماز و روزہ کے سوا کوئی نفل عبادت ادا نہیں ہوتی اور فرائض بھی

طریقہ اہل اللہ تو کجا، طریقہ فقہاء کے مطابق بھی یقیناً عمل میں نہیں آتے۔ ابلیس کا ایک مکر یہ بہت ہے کہ انسان عمل نہیں کرتا۔ اور وہ اسے سمجھا دیتا ہے کہ اللہ غفور رحیم ہے۔ تیری مغفرت ضرور ہو جائے گی۔ وہ اسی دھوکے میں مر جاتا ہے۔ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے شیطان کے اس مکر سے بچا کر عملِ صالح کی توفیق بخشے۔ وما ذالک علیہ بعزیز!

بعض مؤلفات پر نام نہیں لکھا:

مؤلفین کے معمول کے مطابق جس طرح میں نے اپنی بعض کتابوں پر اپنا نام لکھا ہے، اسی طرح بعض پر بارادۂ اخلاص نام نہیں بھی لکھا۔ اور یہاں بھی ان کتابوں کا نام لکھنا نہیں چاہتا۔ جس طرح بعض کتب پر ہم عصروں نے نظم ونثر میں تقریظیں لکھی ہیں۔ اسی طرح کچھ کتب تقریظ کے بغیر بھی ہیں۔ بحمدہٖ تعالیٰ میری نظر میں مدح و ذم برابر ہیں۔ مجھے اپنی۔۔ مدح سن کر مسرت و فرحت ہوتی ہے، اور نہ مذمت سن کر متأثر ہوتا ہوں، خواہ مخاطب سے یہ بات مخفی رہے بلکہ جو شخص میرے عیب مجھ پر ظاہر کرتا ہے۔ یا ان کی اشاعت کرتا ہے تو میں دل میں اللہ کا شکر بجا لاتا ہوں کہ میرے عیوب تو بے شمار تھے۔ لیکن ان لوگوں پر میرے بہت کم عیب ظاہر ہوئے ہیں۔ اور اگر وہ عیب فی الواقع مجھ میں ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اسے مجھ سے دُور کر دے، اور اگر مجھ پر افترا ہو تو اور بھی خوش ہوتا ہوں کہ وہ تہمت، غیبت، بہتان یا طوفان آخرت میں کام آئے گا۔ ایک بزرگ کو ایک شخص نے خواب میں دیکھ کر پوچھا تھا کہ:

"اللہ نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟"

فرمایا کہ:

"مجھے بخش دیا۔"

کہا کس بات پر؟"

کہا کہ:

لِقَوْلِ النَّاسِ فِيَّ مَا لَيْسَ فِيَّ۔ یعنی لوگوں کے میرے متعلق وہ کچھ کہنے کی وجہ سے جو مجھ میں نہ تھا۔"

مجھ پر اس شہر میں صدہا دینی و دنیاوی افترا باندھے گئے اور اب تک بلکہ شاید تا آخرِ حیات یہ کارستانی رہے گی۔ مگر اللہ کا شکر ہے کہ میں ان الزامات سے بری ہوں، اور شاید میری براءت ہی میری جان، مال اور آبرو کی حفاظت کا سبب ہے۔ اگرچہ میرے مخفی گناہ ان افترا پردازیوں کی بہ نسبت یقیناً زیادہ ہوں گے، جن پر مخلوق کو اطلاع نہیں ہے، ہاں جس کو اطلاع ہے۔ اس نے اپنے فضل و کرم سے انہیں مستور رکھا ہے۔ یہ اس کا احسانِ کریم اور امتنانِ عظیم ہے۔ گناہ را اگر بوئے بودے ہیچ کس پہلوئے من نمی توانست نشست وَلٰكِنْ سَبَقَتْ رَحْمَتُهٗ عَلٰى غَضَبِهٖ۔

انداز تصنیف:

میری اکثر تالیفات نہایت تحقیق کے ساتھ لکھی گئی ہیں۔ حالانکہ جو شخص کثیر التالیف ہو، اس سے غلطیاں بھی بکثرت ہوتی ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میں نے جو کچھ لکھا پڑھا ہے۔ اس میں کوئی سہو و نسیان نہیں ہوا ہوگا۔ بلکہ ہر تالیف میں ضرور خطائیں ہوں گی۔ کیونکہ اللہ اور رسولؐ کے کلام کے سوا کسی بشر کی جمع و تالیف خطا سے مبرا نہیں ہو سکتی۔ بلکہ مجھے تو معلوم ہے کہ دنیا میں کوئی مؤلف، مصنف ایسا نہیں ہوا جس کی تالیف و تصنیف پر اس کے کسی معاصر یا متأخر نے تنقید نہ کی ہو۔

ہر فقیہ اور ہر محدّث کی ہر کتاب پر تنقید کی گئی ہے۔ مثلاً شروح حدیث میں سے "فتح الباری" بے مثل ہے۔ اور علماء نے اس کے حق میں کہا ہے کہ "لا ہجرۃ بعد الفتح" اس کے باوجود علامہ شوکانی رح نے اس کے بعض مقامات پر تنقید کی ہے۔ اور سیّد محمد بن اسمٰعیل امیر نے "احالات فتح" میں مؤلف کا نسیان ثابت فرمایا ہے، اور ائمہ اعلام کی جملہ تالیفات کا یہی حال ہے۔ پھر ہم ایسے عوام کا کیا ذکر۔ میں نے بھی علامہ شوکانی رح کے بعض مسائل پر تنقید کی ہے۔ اور بعض جگہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رح اور حافظ ابن قیم رح کی بعض تقریرات کو بھی تسلیم نہیں کیا، اس لیے کہ میرے پاس ان کے خلاف صحیح دلائل تھے۔ اور ان کے دلائل میرے دلائل کے مساوی یا ان پر مقدّم نہ تھے۔ لیکن اس بات سے نہ ان کا رتبہ کم ہوتا ہے اور نہ میرا رتبہ بڑھتا ہے۔ بلکہ صوری و معنوی فضیلت انہیں ہی حاصل ہے۔ اور بنی آدم انظار میں متفاوت الفہم ہوتے ہیں۔ ہمارا سارا علم ان کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسے قطرہ بحرِ محیط کے سامنے یا ذرّہ آفتاب کے سامنے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہر عالم پر، جو چیز واجب ہے وہ ہے ظاہر کتاب و سنّت کی موافقت۔ اور یہ موافقت اسی قدر ہوگی، جس قدر دلائل پر عبور ہوگا۔ اور وہی علم اس پر حجّت بھی ہے۔ اور جس چیز کی دلیل کا ہمیں علم نہیں۔ اس میں ہم معذور ہیں۔

بہرحال میرا یا کسی اور کا کسی کتاب کے متعلق یہ خیال کہ، وہ خطاء سے محفوظ ہے، عین خطاء ہے بلکہ قول معروف یہ ہے کہ:

"اَلْفَاضِلُ مَنْ عُدَّتْ سَقَطَاتُہٗ، وَاُحْرِزَتْ مُلْتَقَطَاتُہٗ"

اور طریقۂ انیقہ بھی یہی ہے کہ:

"خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا کَدِرَ"

میری اہلِ علم و دین کی خدمت میں گذارش ہے کہ میری کتاب کا جو مسئلہ کتاب وسنّت کی صحیح نص کے خلاف ہوا سے اُٹھا کر دیوار پر مار دیں اور جو مسئلہ قرآن و حدیث کے موافق ہو اسے قبول کر لیں۔ میں ان شاء اللہ اس ردّ سے خوش دل ہوں گا۔ مجھ میں یہ عصبیت، نفسانیت اور حمیتِ جاہلیت نہیں ہے کہ سخن پروری کروں، بلکہ خطاء و صواب کی تنقیح میرا عین مدعا ہے میں ہر شخص کی عمدہ بات کو جو شرع و عقل کے مطابق ہو قبول کر لیتا ہوں، خواہ وہ میرے برابر ہو یا مجھ سے بھی چھوٹا ہو۔ اور جو بات نصوص کے خلاف ہو اسے قبول نہیں کرتا۔ خواہ کہنے والا کتنا ہی بڑا عالم و فاضل اور قابل ہی کیوں نہ ہو۔

مثلاً شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا یہ قول تسلیم نہیں کرتا کہ ایک دن نار بھی فنا ہو جائے گی۔

شیخ ابنِ عربی کا یہ قول قبول نہیں کرتا کہ فرعون حالتِ ایمان میں مرا ہے۔

لیکن شیخ عبدالحق دہلویؒ کی یہ بات قبول کرتا ہوں کہ بدعت اگرچہ حسنہ ہو اس سے ظلمت پیدا ہوتی ہے اور آخر کار ختم و طبع اور رَین (یعنی دل پر مہر اور زنگ) کی نوبت آ جاتی ہے۔ اور سنّت اگرچہ اندک ہو اس سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے۔

پہلی باتوں کو مسترد اور آخری کو قبول کرنے کا سبب یہ ہے کہ پہلی دو باتیں ادلہ شرعیہ کے ظاہر کے خلاف ہیں۔ اور شیخ عبدالحقؒ کا یہ قول سنّتِ صحیحہ کے موافق ہے کہ:

"کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَّکُلُّ ضَلَالَةٍ فِی النَّارِ"

اور اپنی تالیف کے حق میں بھی اس ضابطہ کو پسند کرتا ہوں تاکہ حساب کے دن ذمہ پاک رہے۔ وباللہ التوفیق!

چند بہترین کتب:

میری اکثر تالیفات آثارِ سلف اور علماءِ راسخین کی مؤلفات کے تراجم پر مشتمل ہیں، جو ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ یا نقل ہو کر آئے ہیں۔ وہ علم درحقیقت علماءِ سابقین اور ائمہ اتنت کا علم ہے نہ کہ میرا علم واجتہاد، میں تو فقط ان کا حمال ونقال ہوں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ میں نے حمل ونقل کو امانت ودیانت کے ساتھ ادا کیا ہے۔ سرقہ وخیانت کا ارتکاب نہیں کیا۔ اور حتی الامکان اس بات کا التزام کیا ہے کہ قولِ راجح کو نقل کروں، مذہبِ قوی بناؤں، موافقتِ کتاب وسنت کو ملحوظ رکھوں، رائے محض سے اجتناب کروں، کسی جگہ بھی مذاہبِ فرقہ ناجیہ سے باہر نہ جاؤں، اور ہر فتویٰ کی بنیاد علمِ حق اور تقویٰ پر ہو، تاویل، حیلہ سازی اور اقوالِ ضعیفہ پر نہ ہو، بلکہ میں نے عمل کے لیے ہر امر میں اصح الصحیح کو اختیار کیا ہے۔ خواہ عبادات ہوں یا معاملات، ذکر ہو یا دعا۔ شرائع کی کثرت ظاہر ہے، سب کا بجا لانا معلوم ہے۔ اور اہم فالاہم کی تقدیم لازم۔ یوں تو ساری تالیفات تحقیق عمیق اور تدقیق لیئق کے ساتھ متصف ہیں۔ لیکن ان میں سے چند تو علم الہدیٰ ہیں۔ مثلاً تفسیر فتح البیان، عون الباری، سراج وہاج، حضرات التجلی، تاج مکلل، مسک الختام، نیل المرام، اکلیل الکرامۃ، حصول المامول، ذخر المحتی، روضۂ ندیہ، ظفر اللاضی، رسالۂ جنت، رسالۂ دوزخ، نزل الابرار، افادۃ الشیوخ، بدور الاہلۃ، تقصار، حج الکرامۃ، دلیل الطالب، ریاض المرتاض، خیرۃ الخیرۃ

اور "لسان العرفان" وغیرہ۔

یہ بات ظاہر ہے کہ ہر عالم کی ہر کتاب کی شان ایک جیسی نہیں ہوتی۔ جو تصنیف طلبِ علم کے زمانہ کی ہو، یا فضیلت کے ابتدائی دَور کی ہو تو وہ ناقص، غیر محقق اور اکثر طور پر رطب ویابس سے غلط ملط ہوتی ہے، اور جو تکمیلِ درس، مشاقی فن، ترقی مدارجِ علم، قوتِ مراتبِ فہم اور عبورِ تام کے بعد کی تصنیفات ہوتی ہیں۔ ان کی شان دوسری ہوتی ہے۔ اس بات میں سارے مؤلفینِ عالی شان یکساں ہی ہیں۔

حافظ ابنِ حجرؒ کی بہت سی تصنیفات ہیں۔ مگر سب ایک رتبہ کی نہیں، انہوں نے خود اپنی بعض کتابوں کو مختار بتایا ہے۔ مثلاً "فتح الباری" اور "تلخیص الجبیر" وغیرہ باقی کو ضعیف الفوائد کہا ہے۔

امام غزالیؒ کی کتابوں میں سے "احیاء العلوم"، اور "کیمیائے سعادت" سب سے بہتر ہے، اس کے باوجود ان پر تنقید کی گئی ہے۔

امام شوکانیؒ کی تالیفات میں سے نیل، سیل، وبل، دُررِ بہیّہ، تفسیر اور ارشاد الفحول عمدہ اور اخذ واعتماد کے لائق ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تصنیفات میں سے "ازالۃ الخفاء"، "فتح الرحمٰن" اور "حجۃ اللہ البالغۃ" عمدہ ہیں۔ باقی سب معمولی اور رسمی ہیں۔ تاہم فوائد زوائد سے وہ بھی خالی نہیں۔

نادان لوگ رطب ویابس میں امتیاز کے بغیر کبھی تو ہر شخص کی ہر تصنیف سے کسی مسئلہ ضعیف کی تصحیح یا بدعت کی تحسین کے لئے دلیل لاتے ہیں یا اعتراض کرتے ہیں کہ فلاں مسئلہ یا قول اس کی کتاب میں غلط ومردود لکھا ہے۔ یہ سچ ہے۔ لیکن اگر تالیف معتمد و نامعتمد اور تصنیف معتبر و نامعتبر میں امتیاز کے بعد

کاروائی عمل میں آتی ہے تو اس کا نفع زیادہ ہوتا۔ اور یہ استدلال یا اعتراض بھی وقوع میں نہ آتا۔ لیکن اکثر اہلِ عصر انصاف سے دور اور وجود اعتساف کے نزدیک ہیں۔ سفاہت کو فقاہت اور شعور کو بلاہت خیال کر کے طوفانِ بے تمیزی میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ اِلّا مَن رحمہ اللہ تعالیٰ و حفظہ!

پھر جو لوگ ایسے ہیں کہ انہیں معانی علوم کی اطلاع نہیں ہے یا فقط فارسی داں اور اُردو خواں ہیں، وہ کسی کے فقط کہنے سُننے اور تعریف کرنے سے مشائخ کے حالات و مقامات کے رسائل کے پابند ہو کر عارف باللہ بن بیٹھے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے بہت سے ملفوظات بے اصل ہیں یا احادیثِ صحیحہ کے مخالف ہیں کیونکہ اکثر مشائخ خصوصاً متاخرینِ صوفیہ شغلِ عبادت کے باعث علومِ دینیہ کی تحقیق سے الگ تھے۔ ایسی جگہ لازم ہے کہ فارسی و اُردو کا جو رسالہ کتاب و سنّت سے ماخوذ ہو اسے لے لینا چاہیئے، اور جو مخالف ہو اسے چھوڑ دینا چاہیئے۔

یہ بات خود ان رسائل کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتی ہے یا کسی معتبر عالم کے بتانے سے کہ کون کتاب و سنّت کے موافق اور کون مخالف! مثلاً فارسی رسائل میں سے "معمولاتِ مظہریہ"، "مقاماتِ مرزا صاحب"، اور "مکاتیب حضرت مجدد" صاحب اگرچہ رطب و یابس سے خالی نہیں تاہم نافع ہیں، اسی طرح اردو رسائل میں سے "تقویۃ الایمان"، "راہِ سنّت"، "نصیحۃ المسلمین"، "دعایۃ الایمان"، "فتح المغیث"، "لسان العرفان"، "ارکانِ اربعہ" اور "ضوء الشمس" وغیرہ۔ لائقِ تمسک ہیں۔ وباللہ التوفیق!

ابوابِ شریعت میں عبور؟

میں نے شریعت کے اکثر ابواب میں عبور حاصل کر کے ہر باب کے لبِ

لباب کو طرزِ انیق کے ساتھ اپنی کتب میں جمع کر دیا ہے۔ شاید ہی کوئی بابِ شریعت ہو جس کے متعلق میری کوئی کتاب نہ ہو۔ اس جگہ اگر تحدیث بالنعمۃ کے طور پر یہ کہوں کہ جس کے پاس میری تمام کتب ہوں، وہ مہماتِ مسائل اور امہاتِ احکام میں کسی اور کتاب کا محتاج نہیں ہوگا۔ تو یہ بات غلط نہیں۔ یا اگر یہ کہہ دیا جائے کہ جسے میری سب تالیفات کے مندرجات کا علم ہے وہ عالم کامل ہے تو اس میں بھی کچھ مبالغہ نہیں ہوگا۔ پھر میری یہ کتابیں دوسرے علم مثلاً علمِ اصول دین، علمِ فقہ سنت، علمِ تفسیر، علم اصولِ فقہ اور بعض علوم حدیث میں تو دیگر کتب سے بالکل مستغنی کر دیتی ہیں۔

الحمد للہ کہ میں اپنے اقران سے عَدد و عُددِ مؤلفات، کثرتِ اطلاعِ علومِ سلف اور کثرتِ اموال و سعادتِ اولاد بہت سے امور میں ممتاز ہوں۔

وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ!

یہ بات بطریقِ عجب نہیں کہہ رہا، اس لیے کہ میرا کوئی فعل وعمل نہیں ہے کہ اس پر ناز کروں بلکہ میں تو بندۂ مستقل اور غلام مستخدم ہوں، فاعلِ حقیقی رب العالمین ہے۔ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ [1]

پھر عجب کس بات پر! بلکہ میرا یہ بیان خالقِ منان کی نعمت کے اظہارِ شکر کے لیے ہے کہ اس نے اپنے فضل و امتنان سے میری زبان و دل سے کام لیا، اور مجھے اس خدمت کی بجا آوری کی توفیق بخشی۔ سو یہ بات خوش دلی کے لائق ہے نہ کہ تکبر کے۔ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا! [2]

ایک جماعت ان لوگوں کی بھی ہے جو اپنے تئیں علماء کہتے ہیں یا لوگ انہیں اصحابِ فضیلت مانتے ہیں۔ حالانکہ وہ اس شغل سے علیحدہ ہیں اور ان کا علم صرف اسی تقلیدِ مجرد پر منحصر ہے اور تحقیق کی طرف کبھی سر نہیں اٹھاتے ہیں۔ اور سر

[1] الصّٰفّٰت: ۹۶
[2] یونس: ۵۸

اُٹھائیں بھی کیا جب کہ تقلید کے گھر پیدا ہوتے، شیر راشتے سے پرورش پائی، مرکب ہوا پر سوار ہوئے اور اسی تقلید میں مر گئے اور کچھ نہ جانا کہ کیوں آئے اور کہاں سے آئے اور کدھر گئے اور ہم سے کیا مقصود تھا اور وہ حاصل بھی ہوا یا کہ نہیں؟ ؎

در بہاراں زاد و مرگش در دے ست!
پشۂ کے داند کہ بستان از گہ ست!

دشمنوں سے نرمی:

اللہ نے مجھے حلیم، سلیم، رحیم اور کریم بنایا ہے۔ میرے سامنے اگر میرا دشمن بھی آجائے تو میں اس سے اخلاق اور نرمیِ گفتگو سے پیش آتا ہوں، وہ عذر کرے تو شرما جاتا ہوں اور خود کسی سے دنیا و دین میں دشمنی نہیں کرتا۔ مخالف بد اطوار شخص یا دشمن کے حق میں میرے غصہ کی انتہا یہ ہے کہ اس کے تمام احوال و اطوار سے قطع نظر کر کے خاموش ہو جاتا ہوں، اور جدا رہتا ہوں۔ اس کے نیک و بد سے کچھ واسطہ نہیں رکھتا، وہ جانے اور اس کا کام ؎

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا
دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام
کہ با دوستانت خلافست و جنگ

لیکن دوست اس زمانہ میں نایاب ہیں۔ آجکل جو کسی سے ظاہری یا باطنی طور سے دشمنی نہ کرے اسے بڑا دوست سمجھنا چاہیئے ؎

مرا بخیر تو اُمید نیست بد مرساں

اس زمانہ میں عداوت یا بغض کا بڑا سبب رشتہ داری، دوستی یا احسان باہمی ہے۔ جو بغض اخوان واقربار کو ہوتا ہے، جو حسد ہم مناصب لوگ باہم کرتے ہیں۔ اور جو عداوت محسون کو محسن کے ساتھ ہوتی ہے وہ غیر کے ساتھ نہیں ہوتی۔ یہ تو امورِ دنیا کے اعتبار سے ہے۔ رہا امر دین، تو اہلِ فسق وربا کو عداوتِ دینی سب سے بڑھ کر دامن گیر ہوتی ہے۔ اہلِ بدعت ہرگز آنکھ بھر کر اہلِ سنّت کو نہیں دیکھ سکتے۔ اور اہلِ فسق رات دن اہلِ تقویٰ کی شکست کے درپے رہتے ہیں۔ اہلِ دنیا کو علمار سے جو بغض ہوتا ہے۔ وہ جہلار سے نہیں ہوتا۔ گور پرست اور پیر پرست اہلِ توحید کے جانی دشمن ہیں۔ مقلد، متبعینِ سنّت سے عداوت رکھتے ہیں۔ پھر ان فجّار فساق اور بدعقائد لوگوں کے ہاتھ سے جو ضرر اہلِ عقائدِ صحیحہ واعمالِ صالحہ کو پہنچتا ہے وہ ان کے ہاتھ سے اُن کو نہیں پہنچتا۔ اس جگہ لوگوں نے میرے ساتھ دین اور دنیا دونوں اعتبار سے دشمنی کی۔ لیکن میں اب تک ان کی عداوت کے اثر سے بحکم "وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ" محفوظ رہا اور میں نے کسی سے دشمنی یا انتقام کے متعلق سوچا تک نہیں۔ اگرچہ انہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا ؎

ہوتا ہے وہاں مشورۂ قتل ہمارا
لو حضرتِ دل اور سنو تازہ خبر اور

مجھے اس جگہ کے اعدار کا حال اور ان کی ظاہری و باطنی چالاکیاں نام بنام اور کام بکام معلوم ہیں۔ میں حلفاً ان کی تصدیق اور عدالتاً ان کا ثبوت دے سکتا ہوں۔ لیکن خلافِ مصلحت ہے۔ شاید وہ میری اس کم سخنی خاموشی اور اعراض کو میری حماقت یا عجز پر محمول کرتے ہوں گے۔ لیکن نفس الامر میں یہ بات نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے ؎

الروم: ۴۷

چیں بر جبین زجُنبشِ ہر خس نمیزنند
دریا دلاں چو موجِ گہر آرمیدہ اند

اخلاقِ حسنہ و سَیّئہ:

ہر چند کہ میں متحلّی بفضائل اور متخلّی عن الرذائل نہیں ہوں۔ لیکن دل سے رذائلِ ذمیمہ، خصائلِ ذمیمہ اور مہلکاتِ آخرت کو مکروہ سمجھتا ہوں، اور صفاتِ حمیدہ، فضائلِ سنجیدہ اور منجیاتِ عقبیٰ کو محبوب جانتا ہوں اور سب مسلمانوں سے بھی اس امر کا خواہاں ہوں کہ وہ حسناتِ ظاہری و باطنی کے حاصل کرنے میں کوشاں رہیں، اور صوری و معنوی سیئات کو ترک کر دیں۔ اگرچہ اس حالت کا مناسب وجود اور وقوع اس عالمِ غرور و زور میں محال ہے۔ لیکن کوشش کی جائے تو یہ ممکن ہے کہ حسنات کا پلّہ گراں رہے اور سیئات کا سبک ہو جائے کہ اس صورت میں نجات کی اُمید باقی رہتی ہے۔ اگر ذرہ بھر بھی ایمان غالب ہو جائے گا۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ خلودِ نار سے رہائی ہوگی۔ اور اگر نعوذ باللہ عصیان کا پلّہ راجح رہا تو پھر ہلاکت یقینی ہے۔ فوز کا مرتبہ تو ہم سے ہزار مرحلہ دُور ہے۔ اس منصب کے لوگ ہزاروں میں دو چار ہوتے ہیں، اگرچہ سلف میں ہزاروں ایسے ہی تھے۔ اور ہالک بہت کم، مگر اس عہدِ آخر میں نعوذ باللہ بالکل اُلٹ ہو کر رہ گیا ہے۔ آج منکر معروف ہے اور معروف منکر، بدعت سنّت ہے اور سنّت بدعت، حسنات سیئات کی طرح مہجور و متروک ہیں اور سیئات حسنات کی طرح مقبول و معمول ؎

بیا در بزمِ رنداں تا بہ بینی عالمِ دیگر
بہشتِ دیگر و ابلیسِ دیگر آدمِ دیگر

ابن زمانہ آفت نشانہ میں اگر کوئی شریعت کے عُشر پر چلے تو اسے ناجی سمجھنا چاہیئے۔ لیکن ہمیں تو اس کا عشرِ عشیر بھی نظر نہیں آتا۔ ہمارا وقت دیانت و امانت و ملّت کا عصر نہیں بلکہ حکمت و طبیعت کی دولت و سلطنت کا عہد ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ صبح و شام کفر و اسلام کا تواتر لیل ونہار کے پے در پے آنے کی طرح ہو رہا ہے۔ صبح کو اگر دل ایمان پر ہوتا ہے تو شام تک اس کا رنگ بدل کر میلان کفر کی طرف ہو جاتا ہے۔ اور کبھی معاملہ اس کے برعکس اور یہی وہ حالتِ پُر ملالت ہے جس کی خبر مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں دی ہے۔

اَللّٰهُمَّ حَيَاةً عَلَى الْإِسْلَامِ وَمَمَاتًا عَلَى الْإِيْمَانِ۔

چار محبوب علوم:

اگرچہ مجھے علومِ رسمیہ، درسیہ، متداولہ سے تحصیلِ فنون کے سبب اوسط درجہ کی مناسبت ہے۔ لیکن علمِ تفسیر، حدیث، فقہ سنت اور علومِ تصوّف کا میرے دل پر غلبہ و تسلط ہے۔ اور میرے پاس ان چار علوم کی کتب زیادہ ہیں اور میری زیادہ تر تالیفات بھی انہیں علوم میں ہیں۔ اگرچہ حظیرۃ القدس وغیرہ میں علومِ حکمت، منطق، ہیئت، جغرافیہ اور تاریخ وغیرہ کے مباحث بھی آ گئے ہیں۔

تاہم علم نافع وہ ہوتا ہے جو انسان کے ہمراہ قبر و حشر اور جنّت و نار تک جائے، وہ علم نافع نہیں جس کا نفع اسی گھر تک رہے، اور وہاں اس کا عالم مفلس و تہی دست ہو جائے۔ پس ایسے علوم یہی چار ہیں۔ یا وہ جو ان کے آلات و معدات ہیں۔ باقی سارے فنون اسی دنیا میں رہ جائیں گے۔ کیونکہ وہ اسی دنیا کے ہیں۔ آخرت کے نہیں اور ان فنون کے علماء اس

آیتِ کریمہ کے مصداق ہیں کہ:

اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝[1]

وہ لوگ جن کی کوشش دنیوی زندگی میں ضائع ہوگئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

پھر جب یہ لوگ آخرت میں پہنچیں گے تو اس مضمون کو ملاحظہ کریں گے۔

وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ یَكُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ ۝[2]

اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ چیز ظاہر ہوگی جس کا انہیں گمان بھی نہ تھا۔

اور اب اس جگہ ان کی کیفیت یہ ہو رہی ہے:

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ ۝ لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ ۝ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَیْنَ الْیَقِیْنِ ۝[3]

(التکاثر)

تم کو غافل کر دیا ایک دوسرے سے بڑھ کر (مال) طلب کرنے نے۔ حتیٰ کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔ دیکھو تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ پھر دیکھو تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ دیکھو اگر تم علم الیقین جانتے ہوتے (تو غفلت نہ کرتے) تم ضرور جہنم کو دیکھو گے۔ پھر تم اسے عین الیقین دیکھو گے۔

دنیا کی ناپائیداری:

اس دارِ ناپائیدار میں زندگی کا وقفہ بہت کم ہے اس لیے کہ میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے کہ ہزارہا لوگ جو مجھ سے کم عمر تھے، مر گئے، اقران

---

[1] الکہف: ۱۰۴ [2] الزمر: ۴۷ [3] التکاثر: ۱تا۷

میں سے بھی بہت سے لوگ چل بسے، اور بڑی عمر کے لوگ بھی نہ رہے، اور اس امت کے افراد کی اوسط عمر ساٹھ ستر کے درمیان ہے۔ بشرطیکہ آفات وامراض سے سلامت رہے، اس عمر سے تجاوز کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے بلکہ بچے جوانوں کی بہ نسبت اور جوان بوڑھوں کی بہ نسبت زیادہ فوت ہوتے ہیں۔ لہذا ان لوگوں کے حال، اقوال اور افعال پر بڑا تعجب ہوتا ہے، جو حیاتِ فانی اور انتظام خانہ داری کے لیے صدہا سال کا بندوبست کرتے ہیں۔ اور کبھی انہیں موت یاد نہیں آتی۔ لوگوں کا مرنا تو دیکھتے سنتے ہیں، لیکن اپنے مرنے کا انہیں یقین نہیں ہے۔ اگر یقین ہوتا اور اللہ چاہتا تو دنیا میں اتنے منہمک اور لہو ولعب اور سیئات ومنکرات میں اتنے محو نہ ہوتے بلکہ ان کے گناہ نیکیوں سے کم ہوتے، اور یہ اہلِ نجات میں داخل رہتے۔ لیکن شیطان نے اپنے دامِ غرور میں اس طرح پھانس رکھا ہے کہ ہم خوابِ غفلت سے بیدار ہی نہیں ہو رہے۔ ورنہ عبرت کے لیے صدہا آیاتِ بیّنات موجود ہیں۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُم مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا

"اور ہم نے ان سے قبل کتنی ہی بستیاں ہلاک کر دیں، کیا تو ان میں سے کسی کو دیکھتا ہے یا ان کے واسطے کوئی آہٹ سنتا ہے؟"

این سطرِ جادہ ہا کہ بصحرا نوشتہ اند
یارانِ رفتہ از قلمِ پا نوشتہ اند

میرے باپ نے چالیس اور بڑے بھائی نے تیس سال کی عمر میں وفات پائی، اور دو بہنوں نے بھی اسی کے لگ بھگ عمر میں انتقال کیا۔

اک میں ہنوز باقی ہوں۔ میری عمر اب پچپن سال ہو گئی ہے۔ نہیں معلوم کہ حیات مستعار کے کتنے سانس باقی ہیں۔ کچھ بھی ہو سفر آخرت کا زمانہ سر پر آ گیا اور کچھ کام ہاتھ سے نہ بنا ؎

کارے نساختیم و دمیدن گرفت صبح ؎
او جی چراغِ خانہ بر افسانہ سوختیم!

گو لوگ مجھے صدیق کہتے ہیں۔ مگر میں اپنی اس معاصی و ذنوب والی پیری کو صبح کاذب جانتا ہوں۔ اس لیے کہ ؎

سیاہی زمو رفت و از رو نرفت

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ خَیْرَ عُمْرِیْ آخِرَہٗ - آمین، یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ!

معاملات میں نرمی :

میں معاملاتِ خلق میں غایت درجہ کی مسامحت کرتا ہوں، قیمت میں کمی و بیشی امانت کے وفا و عدم وفا اور اتلافِ اشیاء وغیرہ حالات و تصرفات میں اللہ کے بندوں سے اینچ کھینچ نہیں کرتا بلکہ دیدہ و دانستہ درگزر کر جاتا ہوں اور صبر کرتا ہوں۔ اس لیے کہ مجھے اللہ سے اُمید ہے کہ وہ روزِ حساب مجھ سے درگزر فرمائے گا۔ یہ سعادت کہ میرا حق کسی پر نہ جائے اور کسی کا حق مجھ پر نہ ہو، کم نہیں ہے، اللہ قبول فرمائے!

اللہ اپنے حقوق کو تو اپنے فضل و کرم سے معاف فرما دے گا۔

"ہر چہ کنم باین مشتے گناہگار جز آنکہ بیامرزم"

لیکن حقوق العباد کا بڑا ڈر ہے، جس میں بہت سے لوگ لاپروائی کا شکار

ہیں۔ اکثر شہروں میں عرصہ دراز سے میت کے مال کی وراثت کی شرعی حصص کے مطابق تقسیم دیکھنے سننے میں نہیں آرہی، حقوقِ اقربا کے غصب واتلاف کے لیے بھی ہزار حیلے نکالے جاتے ہیں۔ اور اجنبیوں سے جلبِ منفعت کے لیے تو صدہا مکروفریب اور کذب کی صورتیں عمل میں آچکی ہیں۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ۔

من ز وضعِ زمانہ در فکرم!
کہ مبادا ازیں بتر گردد

نسب قابلِ فخر نہیں:

مجھے نہ اپنے نسب پر فخر واعتماد ہے نہ اپنے حسب وجاہ کا کچھ اعتقاد اور نہ اپنے علم پر مباہات۔ بلکہ مجھے خوب معلوم ہے کہ اگر میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا بلا واسطہ فرزند بھی ہوتا تو ثواب وعتاب میں تمام امت ہی کی طرح ہوتا اور اگر حسب میں کسی امام مجتہد یا کسی بادشاہِ مستعد کا بیٹا ہوتا تو اس بات کو بھی میری اخروی نجات میں کوئی دخل نہ ہوتا۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک شرافت وامارت کا نہیں بلکہ تقویٰ وطہارت کا اعتبار ہے۔ شرافت وامارت پر انحصار کے خیالِ خام میں ایک دُنیا ہلاک ہوگئی۔ اگر میں کسی کا غلام ہوں، اور دنیا میں میری کچھ آبرو نہ ہو، مگر اللہ کا بندۂ مسلمان بن جاؤں تو میرے نزدیک یہ ہزار حسب ونسب سے بہتر ہے ؎

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب ز روم
ز خاکِ مکّہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست

ہاں جب کوئی نسیب حسیب نسبِ علی وحسبِ جلی کے مالک لوگوں کا سا کام بھی کرے تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدۂ کریم کے مطابق اسے عزت ونجات

بخشنا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ سیّد جب عالم، عامل یا عارفِ کامل ہو تو وہ غیر سیّد عالم و عارف سے زیادہ صاحبِ شرف ہوتا ہے اور اگر سیّد، جاہل، بددین بدعقیدہ اور بدعتی ہو تو اس کا حسب و نسب کسی کام نہیں آئے گا ؎

پسرِ نوح با بداں بنشست
خاندانِ نبوتش گم شُد
سگِ اصحابِ کہف روزے چند
پئے نیکاں گرفت مَردم شد

عامۂ المسلمین جو پابندِ دین ہوں، وہ اس دن اس سیّد سے بہتر ہوں گے جو تابعِ دین نہیں ہے، وہ جنّت میں جائیں گے۔ اور یہ دوزخ کی سیر کرے گا! اللّٰھم احفظنا!

نسیب و حسیب و علیم ہونا بظاہر موجبِ امتیاز ہے۔ لیکن ان فضائل کے عواقب روح کو پگھلا دینے والے ہیں۔ کیونکہ بے تقویٰ شریف، بے طہارت حسیب اور بے عمل علیم کی سزا ان لوگوں کی بہ نسبت بہت زیادہ ہوگی جو ان فضائل سے محروم ہیں۔ اگر ایک جہت سے بچ گیا تو دوسری، تیسری جہت مہلک ہو گی ؎

فَلَوْ کَانَ رُمْحًا وَّاحِدًا لَاتَّقَیْتُہٗ
وَلٰکِنَّہٗ رُمْحٌ وَّثَانٍ وَّثَالِثٌ

ایسی حالت پُر ملامت میں محض اللہ کا فضل ہی درکار ہے۔
خَلُّوْا بَیْنِیْ وَبَیْنَ اَرْحَمِ الرَّاحِمِیْنَ!

ترکِ دنیا کی خواہش :

جب کبھی کچھ حوصلہ ہوتا ہے تو دل ترکِ دنیا ہی کی طرف جھکتا ہے۔ دُنیا کی حکومت اور دولت میں ترقی کا خیال کبھی دامن گیر نہیں ہوا۔ اگرچہ ترک و تجرید کی توفیق ابھی تک ہاتھ نہیں آسکی ؎

منم کہ روئے دلم در شکستِ کار خود ست
وگرنہ گبر و مسلمان رواج می طلبند

لیکن میں اس ارادہ و نیّت سے خوش ہوں کہ نیّت تو بجائے خود نیک ہے۔ کیا عجب کہ یہ ارادہ کسی دن اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی مدد سے عملی صورت اختیار کر جائے۔ اللہ کی رحمت تو مجرد صالح نیّت پر بھی اجر کی امید دلاتی ہے۔

نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهٖ[1]

اللہ تعالیٰ نے بعض بندوں کو ان کے عمل کا انتظار کئے بغیر صرف ان کی نیک نیّتوں کی بنا پر ہی بخش دیا۔ اس کی رحمتِ عامہ کو فقط بہانہ چاہیئے :

غَفَرْتُ لِهٰؤُلَاءِ وَلَا أُبَالِيْ۔

وہ جس طرح نکتہ گیر ہے۔ اسی طرح نکتہ نواز بھی ہے۔ لیکن بموجب نصِ حدیثِ صحیح اس کی نکتہ نوازی اس کی نکتہ گیری پر سابق ہے۔ دیکھو "[illegible]" صفتِ جلالی ہے، اس میں "قاف" کے عدد ایک سو ہیں، "غفّار" صفتِ جمالی ہے، اس میں "غین" کے عدد ایک ہزار ہیں، اسی طرح رحمت کے مدارج کا غضب کے مدارج سے فرق سمجھو کہ ایک سو سے ہزار تک نو گنا فرق ہے۔ وللہ الحمد!

---

[1] رواہ الطبرانی والدیلمی والعسکری

خوف و رجا:

مجھ پر حالتِ رجا کی بہ نسبت حالتِ خوف کا غلبہ رہتا ہے۔ لیکن اس میں عیب کی کوئی بات نہیں کیونکہ خوف کا نتیجہ بہت کم ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن رجا بعض اوقات یاس میں تبدیل ہونے لگتی ہے۔ یہ خوف گویا اشتہائے کاذب ہے اور رجا گویا جرأت نالائق ہے۔ خوف ہونا تو برستے ہوئے مینہ کی طرح یہ لگاتار گناہ کیوں ہونے۔ پھر دل کے [illegible] الگ ہیں وہ سب ۶۶ ہوتے ہیں، اور بدن کے گناہ الگ ہیں، وہ سب ایک سو چار ہیں۔ اگرچہ میں یہ نہیں کہتا کہ میں رات دن یہ سارے گناہ کرتا رہا ہوں۔ لیکن یہ ضرور کہتا ہوں کہ مجھ سے صغائر و کبائر یقیناً سرزد ہوئے ہیں۔ بعض وہ ہیں جن کو میں جانتا ہوں، اگرچہ میں نے ان سے توبہ کر لی ہے۔ قبول و عدم قبول کا حال اللہ ہی جانے، بعض وہ ہیں جو صرف اللہ کو معلوم ہیں، میں ان کو نہیں جانتا یا بھول گیا ہوں۔ ہر چند ان سے بھی توبہ کرتا ہوں، لیکن عقاب، حساب اور عتاب وغیرہ کا خوف لگا رہتا ہے۔ اس لیے کہ محض رجا مرجیہ کا مذہب ہے، اور محض خوف خوارج کا۔ مومن کو چاہیئے کہ خائف و راجی ہو، حیات میں خوف غالب رہے اور موت کے وقت رجا و حسنِ ظن غالب آجائے۔ لیکن محض تمنا سے نہیں بلکہ ظہورِ ثمرات کے اعتبار سے!

غُرُوْرُكَ بِالْجَنَّةِ أُمْنِيَّتُهُ ۔۔۔ خَوْفًا مِّنَ النَّارِ دَوَالْعَارِ
وَكَانَ أَوْلٰى لَكَ أَنْ تَتَّقِي ۔۔۔ مِنَ الْمَعَاصِيْ حَذَرَ النَّارِ

انسان چاہے تو اپنے نفس کی دونوں حالتوں کا امتحان کر سکتا ہے۔ اگر ہر ساعت میں محاسبۂ نفس نہ کر سکے تو صبح و شام محاسبہ کرنے سے تو کوئی امر مانع نہیں ہے۔ جس کا حساب اس جگہ پاک ہے، اسے وہاں محاسبہ کا کچھ باک نہیں ہے۔

آخرت میں لوگ چار طرح کے ہوں گے، فائزین، ناجین، معذبین اور ہالکین، ان کی تفصیل رسالہ "توزیع العباد" میں لکھ دی گئی ہے۔ ہم ایسے لوگوں کو اگر زمرۂ ناجین میں محشور کیا جائے تو غنیمتِ بارِدہ (نہایت خوشی کی بات) ہے۔ اگر معذبین میں مبعوث ہوں تو عدل ہے، ورنہ اس حالتِ راہنہ کے پیشِ نظر ہلاک ہونا نقدِ وقت! اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ لیکن فائزین تو کجا اِن کی گردِ راہ کو بھی پہنچنا محال نظر آتا ہے۔ خَتَمَ اللّٰہُ لَنَا بِالْحُسْنٰی۔

گناہ سے نفرت:

میں گناہ کر کے کبھی اپنے جی میں خوش نہیں ہوتا۔ بلکہ میرا جی یہ چاہا کرتا ہے کہ مجھ سے کوئی صغیرہ گناہ بھی سرزد نہ ہو، لیکن یہ بات محال ہے۔ جب مجھ سے کوئی نیک کام بن پڑتا ہے، تو اپنے جی میں نہایت خوش ہوتا ہوں، اگرچہ اس کی قبولیت کا علم نہیں، لیکن نیکی کے عمل سے خوش ہونا اور گناہ سے استغفار کرنا ایمان کی ایک علامت ہے۔

بعض لوگ گناہ کرنے کے لیے کسی قولِ فقیہ یا روایتِ ضعیف کو حجت ٹھہراتے ہیں یا کسی حیلہ و تاویل سے اسے جائز بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ:

"عذرِ گناہ بدتر از گناہ"

ہے۔ گناہ کا گناہ سمجھ کر سرزد ہو جانا اس سے کہیں بہتر ہے کہ گناہ کو گناہ نہ سمجھتے ہوئے اس کا ارتکاب ہو۔ شرک و کفر ایسا گناہ ہے، جس میں جہالت، [illegible] معقول نہیں ہوتی اور نہ اللہ تعالیٰ اس گناہ کو معاف فرمائے گا الّا یہ کہ توبہ کر لی جائے۔ باقی گناہوں میں گنجائش ہے کہ جہالت کی معذرت قبول ہو بلکہ اللہ چاہے تو بطورِ خرقِ عادت

کبیرہ کو بغیر توبہ کے معاف کردے اور چاہے تو صغیرہ پر پکڑ لے۔ اس لیے نہ کبیرہ پر مایوس ہونا چاہیئے اور نہ صغیرہ کو حقیر جاننا چاہیئے۔ البتہ توبہ صادق ضرور گناہوں کو محو کر دیتی ہے۔ اے اللہ تو ہمیں توفیق عنایت فرما اور بخش دے!

شرک و بدعت سے توبہ کرنا سب سے مقدم ہے۔ اس لیے کہ شرک کے ستر اور بدعت کے بہتر در ہیں۔ شرک وہ بلا ہے جس سے بڑے بڑے اکابر نہ بچ سکے اور یہ بدعت وہ آفت ہے جس میں بڑے سے بڑے اہل علم پھنس گئے۔ جاہل مؤمن شرک کو شرک نہیں سمجھتا۔ اور بدعتی بدعت کو اچھا سمجھتا ہے اس لیے انہیں توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔

توبہ واستغفار:

میں توبہ و استغفار کے الفاظ ماثورہ کو ہمیشہ زبان پر جاری رکھتا ہوں، خواہ گناہوں سے تحفظ حاصل نہ بھی ہو۔ کیونکہ گناہ کرنا تو گناہ ہے ہی لیکن توبہ واستغفار کی طرف دل کو نہ لگانا ایک دوسرا گناہ ہے۔ کیونکہ گناہ کے بعد توبہ فی الفور واجب ہو جاتی ہے۔ پھر اگر دوبارہ وہی گناہ ہو جائے یا کوئی اور، تو پھر اسی دم توبہ کرنی چاہیئے۔ ایک گناہ کے بعد انسان ارادہ کرتا ہے کہ وہ دوبارہ یہ قصور نہیں کرے گا۔ مگر نفسِ امّارہ اور شیطانِ لعین کے گمراہ کرنے سے دوبارہ سہ بارہ پھر وہی گناہ کر گزرتا ہے۔ اگر ہر گناہ کے ساتھ توبہ و استغفار کی توفیق ملتی رہے تو بحکم

إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ؛

گناہوں اور توبہ و استغفار کے درمیان موازنہ ہوتا ہے۔ استغفار بڑھ جائے تو گناہ گھٹ جاتے ہیں۔ اس لیے شرع شریف میں کثرتِ استغفار مطلوب ہے۔

طُوْبٰى لِمَنْ وَجَدَ فِي صَحِيْفَتِهٖ اِسْتِغْفَارًا كَثِيْرًا۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَغْفِرُكَ

وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ مِنْ جَمِيْعِ الْمَعَاصِيْ وَالذُّنُوْبِ الَّتِيْ صَدَرَتْ مِنِّيْ اِلَى الْاٰنِ وَقَدْ عَلِمْتُ يَارَبِّ اَنَّ مَغْفِرَتَكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِيْ كُلِّهَا وَرَحْمَتُكَ اَرْجٰى عِنْدِيْ مِنْ اَعْمَالِيْ ؎

ؤ

آلام ومصائب:

مجھ پر جو مصائب وشدائد آتے ہیں، میں انہیں اللہ کی رحمت سمجھتا ہوں کیونکہ جو شخص آگ کا مستحق ہو اور اس پر خاکستر ڈال دی جائے تو اسے شکر بجا لانا چاہیئے۔ یہ ساری آفات ہمارے بداعمال کا نتیجہ ہیں۔ خدا کرے یہ مصیبتیں ہمارے لیے آخرت کی سزا کا کفارہ ہوں، اور ہم دنیا سے سبک بار ہو کر اٹھیں۔ میں ان مصیبتوں کو مقدارِ استحقاق سے کم پا کر یہ خیال کرتا ہوں کہ جو آفات ومصائب مجھ پر نہیں آئے غالباً اللہ تعالیٰ نے رحم فرما کر انہیں معاف فرمادیا ہے:

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؎

ناقدریِ علماء کا دور:

میں ایسی صدی میں پیدا ہوا ہوں کہ علماء وصلحاء میں سے کسی شخص کی قدر ومنزلت نہیں ہے، آخرت کے جویا کے لیے یہ امر نہایت فائدہ بخش ہے اس لیے کہ جس زمانہ میں اہلِ علم وصلاح، معزز ومکرم اور معتقد فیہ ہوتے تھے، اس زمانہ میں ریا، شہرت، جاہ اور ریاست کی آفتیں بھی بے حساب تھیں۔ اس زمانہ میں ناپرسیِ خلق کی وجہ سے ریاکاری کے کارخانہ کا حال نہایت شکستہ

م مکتوبات ۲۰۰

ہے، اس وقت کا خالص عملِ قلیل اس دور کے عمل کثیر سے بڑھ کر ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ:

"زمانہ ہرج میں عبادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی طرح ہے۔ علمائے آخرت کو چاہیئے کہ اس زمانۂ آفت نشانہ کو غنیمت سمجھیں، اور زیادہ نہ ہو سکے تو مامورات کے عشر ہی پر عمل کریں۔"

اگلے اہلِ علم و صلاح عام لوگوں سے بھاگتے تھے۔ اور خلوت کے طالب تھے، تاکہ دل علائقِ دنیا سے مشوش نہ ہو، عبادت اور شغلِ علم کی فرصت ملے۔ لیکن ان کے معتقد عوام و خواص انہیں نہیں چھوڑتے تھے، اور یہ بات اس زمانہ میں بلا کلفت ہی حاصل ہے کہ اب کوئی شخص کسی شخص سے حسنِ اعتقاد نہیں رکھتا۔ خواہ وہ بڑا عالم اور صالح ہی کیوں نہ ہو، بلکہ دُنیا داروں کو بحکم:

"اَلْمَرْءُ یَقِیْسُ عَلٰی نَفْسِہٖ"

ہر شخص کے متعلق سوءِ ظن ہی رہتا ہے، چنانچہ یہ علمائے آخرت اور اہلِ صلاح کے لیے عمدہ وقت ہے۔ اے کاش وہ اس کی کچھ قدر جانیں!

رہے دنیا طلب علمائے سوء، سو ان کی اقسام بے حساب ہیں، وہ جو کچھ نہ کریں تھوڑا ہے۔ میں اس زمانہ میں جس کو بھی دیکھتا ہوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا یوم الحساب کا منکر ہے۔

"دُم ہر خرے کہ برداشتم مادہ برآمد"

کیا وہ لوگ جو لباسِ علم و فقر میں ہیں، اور کیا وہ جو غلام و پرستارِ دنیا ہیں۔ اَلنَّاسُ کُلُّھُمْ ھَلْکٰی اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ وَالْعَالِمُوْنَ کُلُّھُمْ ھَلْکٰی اِلَّا الْعَامِلُوْنَ وَالْعَامِلُوْنَ کُلُّھُمْ ھَلْکٰی اِلَّا الْمُخْلِصُوْنَ وَالْمُخْلِصُوْنَ عَلٰی خَطَرٍ عَظِیْمٍ

حسد نہیں بلکہ رشک :

میں کسی شخص سے کسی دینی و دنیوی فضیلت و مزیت کی وجہ سے حسد نہیں کرتا بلکہ یہ سمجھتا ہوں کہ یہ تقسیمِ نعمت اللہ کی طرف سے ہے :

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا[۱] — ان کی درمیان ان کی معیشت دنیوی زندگی میں ہم نے تقسیم کی ہے۔

کسی نے میرا حصّہ تو نہیں چھینا کہ اس پر حسد کروں ، اور جو کسی دوسرے کی قسمت میں ہے ، وہ بھی ہرگز مجھے نہیں مل سکتا پھر حسد چہ ؟ ہاں سلف و خلف میں جو اہلِ فضل و تقویٰ گزرے ہیں ، ان کے تراجم احوال سے مطلع ہو کر یہ رشک ضرور ہوتا ہے ، کاش ! یہ فضائل و خصائل مجھے بھی ملتے ۔ مجھے بھی ان جیسا علم نصیب ہوتا ، میں بھی ویسا متقی اور عابد ، زاہد ہوتا جیسے وہ لوگ تھے ۔ یا جو شخص مالِ حلال سے سخاوت کرتا رہا ہو اس پر رشک آتا ہے کہ اگر مجھے دسترس ہوتی تو میں بھی راہ خدا میں اسی طرح ایثار سے کام لیتا ، اور مال خرچ کرتا ۔ یہ رشک بُری بات نہیں بلکہ کیا بعید کہ اللہ تعالیٰ اس نیّت کو قبول فرما لے ۔ اور اس پر اجر عطا کرے ۔

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى[۲]

اہل اللہ سے محبت :

میں سارے صحابہ رضؓ ، اہلِ بیت رضؓ ، تابعینؒ ، ائمۂ مجتہدین ، جماعتِ محدثین ، زمرۂ متبعین ، فقہائے متقین اور صوفیائے صالحین کے حق میں خوش اعتقاد ہوں اور اپنے دل میں ان کی محبّت پاتا ہوں ، اور دل تمنّا کرتا

[۱] الزخرف : ۳۲ [۲] متفق علیہ

ہے، اے کاش! ان کی صحبت نصیب ہوتی اور اپنے زمانہ کے لوگوں کی صحبت سے بچ جاتا۔ اگرچہ ان کے احوال، اقوال، اعمال اور خصال کے تراجم اور حکایات کتب طبقات وسیر میں موجود ہیں اور ان کے ملاحظہ ومطالعہ سے ان کے اوقاتِ صالحات کی کیفیت معلوم ہو جاتی ہے۔ اور ان کے ملفوظات و کلماتِ طیبات میں ہنوز کسی قدر اثر و برکت باقی ہے، جس سے دل ان جیسے حالات کی تحصیل کی ہمت کرتا ہے۔ مگر عوائقِ دنیا کی وجہ سے محروم رہ جاتا ہے لیکن اہل اللہ اور اہلِ علم باللہ کی صحبت میں ایک نہایت سریع الاثر مخصوص برکتِ مؤثرہ ہوتی ہے، جو مجھ سے فوت ہو گئی ہے۔ ہم ایسے دور میں آئے ہیں کہ دین پر ثابت قدم رہنا مشکل معلوم ہوتا ہے، مقاماتِ احسان و عرفان تو بہت دور ہیں۔

"اَللّٰھُمَّ یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰی دِیْنِكَ۔"

اس کے باوجود مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ میری مذکورہ لوگوں سے محبت آخرت میں نافع ہوگی ؎

شنیدم کہ در روزِ امید و بیم
بداں را بہ نیکاں ببخشد کریم

اللہ، رسول اور اولیاء اللہ کی محبت نجاتِ آخرت کے لیے ایک اچھا وسیلہ ہے، مگر یہ محبت زبان سے نہیں بلکہ دل سے ہونی چاہیئے۔ ایسی محبت محبّ کو محبوب تک پہنچا دیتی ہے۔

"اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ"!

اہلِ فسق سے محبت نہیں:

میرے دل میں فسق یا اہلِ فسق سے محبت کی قطعاً گنجائش نہیں۔ میں ایسے لوگوں کی صحبت سے، جنہیں رات دن معصیت کے خیال اور دنیا طلبی کے کاموں کے سوا اور کوئی کام نہیں ہوتا، سخت پریشان خاطر ہوتا ہوں۔ اگرچہ اپنے نفس کو پاک صاف نہیں کہتا: وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ بلکہ میں اپنے نفس کو سب سے زیادہ عاصی، مذنب، آثم، فاسق، بلکہ منافق سمجھتا ہوں، کیونکہ دقائقِ نفاق بے انتہا ہیں۔ اور ان کی شناخت کرنا ہر شخص کے بس کا کام نہیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت حذیفہ بن الیمانؓ سے پوچھا تھا کہ:

"آپ مجھ میں تو نفاق کی کوئی بات نہیں پاتے!"

ان سے اس لیے پوچھا تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رازدان اور عالم بالنفاق تھے۔ پھر ہم سے نالائقوں کے لیے اطمینان کی کون سی جگہ ہے؟"

اس میں کچھ شک نہیں کہ فرض کیا کہ اگر ہم میں وہ نفاق نہ بھی ہو جو اسلام وکفر کا ہے تو نفاقِ عملی تو ضرور موجود ہے۔ جب کلام وبیان، قلب وجنان کے مطابق نہ ہو تو یہ نفاق کا ایک شعبہ ہے، اور جب قول، فعل کے مطابق نہ ہو تو یہ بھی نفاق ہی ہے، اس کے فروع وجزئیات احاطۂ تحریر سے باہر ہیں۔ اَللّٰھُمَّ تُبْ عَلَیْنَا۔

نجاتِ آخرت کے لیے اخلاقِ حسنہ درکار ہیں۔ کثرتِ علم ہمراہ عدمِ عمل درکار نہیں

يَا مَنْ تَقَاعَدَ عَنْ مَكَارِمِ خُلْقِهٖ
لَيْسَ التَّفَاخُرُ بِالْعُلُوْمِ الْفَاخِرَةِ
مَنْ لَّمْ يُهَذِّبْ عِلْمُهٗ اَخْلَاقَهٗ
لَنْ يَّنْتَفِعْ بِعُلُوْمِهٖ فِي الْاٰخِرَةِ

خوشامد سے نفرت :

اللہ نے مجھے لوگوں کی خوشامد سے محفوظ رکھا ہے ، کبھی کسی دوست یا دشمن کی خوشامد نہیں کی بلکہ ہر شخص سے اپنا معاملہ صاف اور سیدھا رکھا ہے ۔ خواہ کوئی خوش رہا ہو یا ناخوش ۔ بعض لوگ مجھے متکبّر سمجھتے ہیں اور بعض متواضع ، مجھے دونوں امر سے کچھ بحث نہیں ۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر دل کی بات کو جانتا ہے ۔ تکبّر ایسا رذیل فعل ہے کہ ذلیل و رذیل لوگوں کے سوا کسی شریف ، اور عاقل سے اس کا وقوع نہیں ہو سکتا ۔ جس کی حقیقت مشتِ خاک اور قطرۂ ناپاک ہو ، اور رات دن قاذورات اُٹھائے ہوئے ہو ۔ اسے تکبّر کرنا کب زیب دیتا ہے ؟ اور تواضع انہی لوگوں کی طرف سے محبوب ہے جو گردن فراز ہیں ۔ فقیر حقیر نے اگر خاکساری ظاہر کی تو یہ خود اس کی طینت ہے ۔ اس میں فخر کیا ؟

رزقِ فراواں :

اللہ کا احسان ہے کہ اس نے مجھے ان زمانہ فساد میں جس میں سدِّ رمق کے بقدر رزقِ حلال ملنا سخت مشکل ہے ، بمقتضائے کرمِ عمیم اور بفحوائے " یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ "[لہ] کسی سعی و جہد کے بغیر رزقِ حلال فراواں سے

لہ الرعد : ۲۶

نواز ا۔ رئیسہ عالیہ نے کسی تحریک اور رابطہ کے بغیر مجھ سے نکاح کر لیا، اور معاش کے لیے ایک بڑی جاگیر دے دی، جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے مجھے طلبِ رزق کی ہزاروں مکروہات ومنکرات سے بچا لیا۔ یہ معاش شرعًا حلال وطیب ہے۔ میری جاگیر میں صیغۂ مال کے جو ناجائز وجوہ تھے، میں نے انہیں اپنی اور اپنی اولاد کی جاگیر سے یک قلم ترک کر دیا ہے۔

چنانچہ اسی سال جائز وناجائز کے علاوہ ۲۷ ہزار روپیہ خزانۂ ریاست میں واپس کر دیا ہے، اس کے عوض اللہ نے مجھے دوسرا گاؤں جمع اصلی پر دلوا دیا ہے۔ جو کام اللہ کے لیے ہوتا ہے۔ اس کا اجر نہ دنیا میں برباد جاتا ہے اور نہ آخرت میں۔ میں رئیسہ کو ایک واسطہ سمجھ کر ان کا شکر گزار رہوں اور اللہ کے شکر سے تو بالکل قاصر ہوں۔

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ۝ ۱؎	اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننے لگو تو ان کو حیطۂ شمار میں نہیں لا سکو گے۔ یقیناً انسان بہت ظالم اور ناشکرا ہے۔"

اب رہا باقی رہنا اس معاش کا تا دم آخر یا بعد از موت تو مجھے اس کی فکر نہیں کیونکہ میں اگرچہ میت ہوں لیکن جس مالکِ حقیقی نے یہ رزق دیا ہے وہ حی وقیوم ہے، وہ چاہے گا تو یہ حالت باقی رہے گی۔

إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ۝ ۲؎

عدو شود سببِ خیر گر خدا خواہد
خمیر مایۂ دکانِ شیشہ گر سنگ است

اور اگر وہ نہ چاہے گا اور ساری دنیا چاہے گی تو کچھ نہ ہو گا۔

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ	اور تم نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ تمام

رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ سلہ
جہانوں کا پروردگار چاہے"!

پھر جو بات میرے اختیار سے باہر ہے، اس میں خوض جہالت و ضعفِ ایمان ہے۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا۔ اہلِ دین کے نزدیک فقدِ مال کچھ چیز نہیں، البتہ فقدِ کمال ایک مصیبتِ عظمیٰ ہے ؎

تَعَلَّمْ مَا الرَّزِیَّۃُ فَقْدُ مَالٍ!
وَلَا شَاۃٌ تَمُوْتُ وَلَا بَعِیْرٌ،
وَلٰکِنَّ الرَّزِیَّۃَ فَقْدُ حَبْرٍ،
یَمُوْتُ بِمَوْتِہٖ بَشَرٌ کَثِیْرٌ!

داغِ یتیمی:

میں یتیم پیدا ہوا تھا، گھر میں کوئی مرد نہ تھا جو تعلیم و تربیت کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے کتاب بینی اور علم کا شوق دیا۔ مطالعہ کتب کے علاوہ کسی لہو و لعب کا شغل نہیں تھا۔ اور نہ کسی کھیل تماشے کا ذوق و شوق تھا۔ جب ذرا شُدبُد ہو گئی تو صرف و نحو پڑھ کر دہلی چلا گیا اور وہاں مفتی صدرالدین خانؒ سے دو برس میں کتبِ درسیہ پڑھ کر فراغت حاصل کی۔

یتیم بچے پر اللہ تعالیٰ کی خاص نظرِ عنایت ہوتی ہے۔ ہمارے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یتیم تھے۔ اُمّی ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں ناسخِ جمیع ملل اور شمعِ جُملہ سُبُل بنایا۔ ان کے حال کے ساتھ ادنیٰ سی مناسبت بھی ایک بڑی فضیلت ہے ؎

مرا از زلفِ او موئے بسند است!
فضولے میکنم بوئے بسند است

سلہ الضحیٰ: ۹۔۲

اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی[1] کیا نہیں پایا اس نے تجھ کو یتیم پس جگہ دی۔

یہ آیت مجھ پر بھی صادق آتی ہے۔ اگر اس ایواء کی شرح کی جائے تو طول ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکّہ معظمہ سے جُدا کر کے مدینہ منوّرہ میں جگہ دی، اور مجھے میرے وطن سے نکال کر اس جگہ حالتِ وسعت و بسط میں رکھا سہ

شَرَّقَنِیْ غَرَّبَنِیْ اَخْرَجَنِیْ عَنْ وَطَنِیْ
فَاِذَا تَغَیَّبْتُ بَدَا وَاِنْ بَدَا غَیَّبَنِیْ

صراطِ مستقیم کی ہدایت :

میں گمراہ تھا، نہیں جانتا تھا کہ حق کیا ہے۔ اللہ نے مجھے صراطِ مستقیم کی ہدایت عطا فرمائی :

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی[2] "اور پایا اس نے تجھ کو گم کردہ راہ پس اس نے راہ دکھائی۔"

ہندوستان کے مسلمانوں میں شرک و بدعت کا رواج تھا۔ اکثر لوگ خصوصاً میرے وطن کے شیعہ و رافضی تھے، جو سُنّی تھے وہ گور پرست، پیر پرست تھے۔ اللہ تعالیٰ نے والد ماجد کے ہاتھ پر ایک جم غفیر کو راہ یاب کیا تھا۔ میں نے ہوش سنبھال کر انہی لوگوں کو پایا۔ اگر اہلِ قرابت کی صحبت میسّر آتی تو تعجب نہ تھا کہ میں بھی ان کی طرح گمراہ ہوتا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ہوشِ کامل بخشا اور علم دین دیا تو اس بات کا یقین ہو گیا کہ اصح دین اور افضل طریق وہ ہے، جس پر ہمارے سلفِ صالح تھے۔ یعنی ظاہر کتاب اور واضح سنّت کا اتباع اور یہ بات اس وقت اور بھی واضح ہو گئی جب اعتقادی و عملی طور پر اسے اختیار کیا گیا و للہ الحمد!

[1] الضحیٰ : ۶
[2] الضحیٰ : ۷

اس وضوحِ حق کے بعد اللہ سے درخواست یہ ہے کہ اس نعمت کا اتمام فرمائے۔ یعنی خاتمہ بھی ہدایت پر ہو، کیونکہ جب تک ایمان پر مرنا نصیب نہ ہوگا، دل پریشان رہے گا۔

وَكَيْفَ تَنَامُ الْعَيْنُ وَهِيَ قَرِيرَةٌ
وَلَمْ تَدْرِ فِي أَيِّ الْمَحَلَّيْنِ تَنْزِلُ

اَللّٰهُمَّ أَنْتَ أَنْتَ وَأَنَا أَنَا فَافْعَلْ بِي مَا أَنْتَ أَهْلُهُ وَلَا تَفْعَلْ بِي مَا أَنَا أَهْلُهُ فَإِنِّي إِذًا لَمِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنٰى ؕ

میں عائل تھا، معاش بہت کم تھی، والدہ مرحومہ، ہرسہ ہمشیرگان اور ان کے ازواج، خدام اور میری اولاد کا سب کا نفقہ میرے ذمہ تھا۔ رزّاق مطلق نے ان کی ظاہری کفالت کا ذمہ مجھ سے متعلق کر رکھا تھا۔ حالانکہ مجھے معاش پیدا کرنے کا بالکل سلیقہ نہ تھا اور نہ اب تک ہے۔ جو تنخواہ ملتی تھی، اسی سے گزر اوقات کرتا تھا۔ اِدھر فکرِ آزوقہ (روزی) تھی۔ اُدھر اندیشۂ عقبیٰ، جان عجب کشمکش میں گرفتار تھی ؎

گہے تلاشِ معاش ست دگاہ فکرِ معاد
مصیبتے دو جہاں بر سرِ دل افتاد ست

ناگہاں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا سبب پیدا فرمایا جو بسط کا باعث ہوا۔ جملہ متعلقین کو وسعت و آسودگی حاصل ہو گئی۔ عیال کا بار میرے ذمہ سے جاتا رہا۔ بے منتِ خلق مجھے اور انہیں بسہولت رزق حاصل ہوا۔ رئیسہ عالیہ نے ہر بچے کو علیحدہ جاگیر عنایت فرما دی۔ میں ان کی طرف سے بالکل بے فکر ہو گیا۔ اور "وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنٰى" کا مضمون ظاہر ہوا۔ و للہ الحمد!

بھوپال ۱۲ [illegible]

اگر اللہ تعالیٰ کا یہ لطفِ جلی و خفی میرے حال پر نہ ہوتا تو نہ معلوم میرا اور ان کا انجام کیا ہوتا ہے۔ مجھ پر اور میری اولاد پر واجب ہے کہ اس نعمت کا تہِ دل سے شکر بجالایا کریں۔ اور بار بار "مَا شَآءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ[1]" کہا کریں۔ کیونکہ اس کلمہ مبارکہ کو ابقاءِ نعمت میں بڑا اثر ہے۔ اور اہلِ علم نے اس کا تجربہ کیا ہے۔ شکر کرنا صیدِ مزید قیدِ عتید ہوتا ہے۔ اور ناشکری مزیلِ نعمت و جالبِ نقمت ہوتی ہے۔ عیاذاً باللہ تعالیٰ!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے یہ تینوں احسان فرمائے اور فرمایا کہ:

فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْھَرْ ۝ وَاَمَّا	پس تو یتیم پر ستم نہ کر۔
السَّآئِلَ فَلَا تَنْھَرْ ۝ وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ	اور مانگنے والے کو مت ڈانٹ۔
رَبِّکَ فَحَدِّثْ ۝[2]	اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کو بیان کر۔

مذکورہ تین احسانات کے عوض اللہ تعالیٰ نے یہ تین حکم ارشاد کئے ہیں۔ اگرچہ مقدارِ واجب سے عہدہ برآ ہونے سے قاصر ہوں تاہم بحمداللہ کسی قدر ان سہ امور کا خیال کرتا ہوں۔

شیخ کامل کی پہچان:

شیخ کا کمال اور تکمیل اسی میں منحصر نہیں کہ اس سے خرقِ عادت کا ظہور ہو، خواطر پر اشراف رکھتا ہو، یا وجد و حال و شوق میں رہتا ہو۔ کیونکہ اس قسم کے افعال تو جوگی، فلسفی اور برہمن لوگوں سے بھی سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ اور یہ امور سعادتِ بشر کی دلیل بھی نہیں، لہٰذا کامل اور مکمل شیخ وہ ہے جو ظاہرِ شریعت پر مستقیم اور کتاب و سنت پر عامل ہو۔ تاکہ اس پر متقی کا اطلاق ہو

[1] الکہف: ۳۹ [2] الضحٰی: ۹، ۱۱

سکے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ولایت کو تقویٰ میں منحصر فرمایا ہے:

اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ[۱] — نہیں ہیں اس کے دوست مگر پرہیز گار۔

متقی کی صحبت میں بیٹھنے میں خواہ اس سے فائدہ ہو یا نہ ہو، کوئی قباحت نہیں۔ اگر صحبت میں اثر نہ دیکھے تو جُدا ہو جائے۔ لیکن اس کے ساتھ حُسنِ ظن رکھے اور جس کی صحبت میں تاثیر پائے، اس کی صحبت اختیار کر لے۔ اس لیے کہ حق مقصود ہے، شخص نہیں۔

تاثیر سے مراد یہ ہے کہ اس کی صحبت میں دل کی حالت ایسی ہو جائے کہ دل دنیا سے سرد پڑ جائے۔ خدا، رسولؐ اور خدا کے دوستوں کی محبت، اعمالِ صالحہ کی اُلفت اور حسنات کے کرنے اور سیئات سے بچنے کی توفیق حاصل ہو۔ اسے دیکھ کر خدا یاد آئے، حضور و آگاہی کا دوام میسر ہو۔ ذکرِ خدا سے اطمینان و جمعیتِ خاطر میسر ہو، نیک کاموں سے اس کی نسبت و حالت بڑھے اور بُرے کاموں سے دل میں تنگی و بے آرامی اور نسبت میں کمی واقع ہو۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے۔

اِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَآءَتْكَ سَيِّئَتُكَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ[۲] — جب تیری نیکی تجھے خوش کرے اور تیری بُرائی تجھے بری محسوس ہو تو تو مومن ہے۔"

یہ اسی طمانینت و تنگی سے کنایہ ہے، اس زمانہ میں ایسے شیخ کا ملنا نہایت مشکل ہے۔ اسی وجہ سے حضرت مجددؒ نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے:

ہر مریضے کہ طالبِ صحتِ کاملہ یعنی نسبتِ محمدیہ باشد باید کہ اتباعِ سنتِ نبویہ را بہتر از جمیع ریاضات و مجاہدات شناسد و انوار و برکاتے کہ بران مترتب گردد افضل از ہمہ	ہر وہ مریض (روحانی) جو صحتِ کاملہ یعنی نسبتِ محمدیہ کا طالب ہو اسے چاہیے کہ اتباعِ سنّتِ نبویہ کو تمام ریاضات و مجاہدات سے بہتر سمجھے اور اس (اتباع) پر مترتب ہونے والے انوار و برکات کو

[۱] الانفال ۳۴۔ [۲] مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۱، ۲۵۲، ... [illegible]

فیوضات دانند و ہمہ مواجید و اذواق متعارفہ را در جنبِ جمعیت باطن ودوام حضور اعتباری ننہد و در صحبت عزیزیکہ ازیں امور اثرے دریابد او را نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دانستہ خدمتش لازم گیرد و بجوز و مویز این راہ فریفتہ نشود اگرچہ لذیذ باشد والسلام!"

سب فیوضات سے افضل جانے اور ہر قسم کے متعارف ومروج وجد و ذوق وحال کو جمعیتِ باطن اور دوامِ حضور کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہ دے اور جس گرامی قدر شخص کی صحبت میں ان امور کے کچھ آثار دیکھے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب سمجھ کر اس کی خدمت خود پر لازم کر لے۔ اور اس راہ کے اخروٹ اور منقیٰ پر فریفتہ نہ ہو اگرچہ وہ لذیذ ہو۔ والسلام!"

نسبت کی حقیقت:

تمام طرقِ مشائخ کا مرجع تحصیلِ نسبت کی طرف ہے اور یہ نسبت نام ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اور سکینت و نور کے ساتھ ایک طرح کے انتساب وارتباط کا۔ نسبت کی حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک کیفیت ہے جو نفسِ ناطقہ کے اندر حلول کر جاتی ہے۔ اور نفس ملائکہ کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ اور جبروت کی طرف متطلع رہتا ہے۔ نفس کو یہ کیفیت اس طرح ہاتھ آتی ہے کہ وہ طاعات وطہارات اور اذکار پر مداومت کرے یہاں تک کہ یہ امور جبروت کی طرف توجہ کے لیے ملکہ راسخہ بن جائیں۔ پھر اس کے انواع واقسام بھی بہت ہیں۔ مثلاً نسبتِ محبت، نسبتِ خوف نسبتِ کسرِ نفس۔ حظوظِ نفس سے مبرا ہونے کی نسبت کا نام نسبتِ اہلِ بیت و نسبتِ مشاہدہ ہے۔

اس سے توجہ الی المجرد البسیط کا ایک ملکہ راسخہ پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ بات

غلط ہے کہ ان اشغالِ مشائخ کے بغیر یہ نسبت حاصل نہیں ہوتی۔ نسبت ان میں منحصر نہیں بلکہ یہ اشغال تو اس کے حاصل کرنے کے مختلف طریقوں میں سے ایک طریقہ ہیں۔ ورنہ اکثر اکابر علماء اس نسبت سے محروم ٹھہریں گے، حالانکہ فضائل علم، فضیلتِ عبادت سے فائق تر ہیں۔ اور اگر علمائے آخرت اللہ کے اولیاء اور صاحبِ نسبت نہیں ہیں تو پھر کوئی بھی اللہ کا ولی نہیں۔ صحابہؓ و تابعینؒ کا سکینہ حاصل کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ خشوع اور حضورِ دل کے ساتھ خلوت میں صلوات و تسبیحات پر اور طہارت پر بھی مواظبت رکھا کرتے تھے اور موت، اطاعت شعاروں کے ثواب اور نافرمانوں کے عقاب کو یاد رکھ کر لذاتِ حسیّہ سے الگ رہتے تھے۔ قرآن مجید ہمیشہ تدبر سے پڑھتے، ناصح و واعظ کے کلام کو سنتے اور احادیثِ رقاق پر عمل کرتے تھے۔ ان امور پر ایک مدت تک عمل پیرا رہنے کے باعث انہیں ملکۂ راسخہ حاصل ہو جاتا تھا۔ پھر بقیۂ عمر اس کی حفاظت فرماتے تھے۔ "قولِ جمیل" میں فرمایا ہے:

وَهٰذَا الْمَعْنٰى هُوَ الْمُتَوَارَثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ مِنْ طَرِيْقِ مَشَائِخِنَا لَاشَكَّ فِيْ ذٰلِكَ وَاِنِ اخْتَلَفَ الْاَلْوَانُ وَاخْتَلَفَتْ طُرُقُ تَحْصِيْلِهَا۔

"ہمارے مشائخ کے طریق سے یہی معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں اگرچہ اس کے رنگ اور تحصیل کے طرق مختلف ہیں۔ لیکن اس کی حقیقت میں کوئی شک نہیں ہے۔"

پھر صاحبِ سکینہ کی کچھ علامات بھی ہیں۔ مثلاً

۱۔ خدا کی اطاعت و عبادت کو اس کے ماسوا پر ترجیح دینا اور اس پر غیرت کرنا۔

۲۔ ظاہر جسم و جوارح پر غلبۂ خوف کا ظہور۔

۳۔ رویائے صالحہ۔

۴۔ فراستِ صادقہ اور

۵۔ اجابتِ دعا و ظہورِ مطلوب۔

اِس کی تفصیل "قولِ جمیل" میں سنتِ مطہرہ کے دلائل کے ساتھ موجود ہے اور اس نسبت کے حصول کے بعد وہ عروج ہوتا ہے جسے فنا فی اللہ اور بقا باللہ کہتے ہیں۔ اور یہ عروج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متوارث نہیں بلکہ اللہ کا عطیہ ہے کہ جسے چاہے دے۔ خواجہ نقشبند رح سے کسی نے پوچھا تھا کہ:

"آپ کے شیوخ کا سلسلہ کیا ہے؟"

فرمایا:

"کوئی شخص اللہ تعالیٰ تک کسی سلسلہ سے نہیں پہنچا ہے۔ مجھے ایک جذبہ آیا اس نے اس تک پہنچا دیا"

حالانکہ ان کے شیوخ کا سلسلہ معروف و معلوم ہے۔ شاید اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ:

جَذْبَۃٌ مِّنْ جَذَبَاتِ اللّٰہِ تُوَازِیْ عَمَلَ الثَّقَلَیْنِ "	اللہ کے جذبات میں سے ایک جذبہ جن وانس کے عمل کے برابر ہے۔

طریقہ نقشبندیہ:

اگرچہ میں صوفیہ کے تمام طرق کو موصل الی اللہ سمجھتا ہوں۔ اور جملہ طرق کے مشائخ کو مانتا ہوں۔ لیکن میرے آباؤ اجداد، اساتذہ، اور مشائخ کا طریقہ نقشبندیہ ہے گو اور طرق کی بھی اجازت حاصل تھی۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے "[illegible]" میں سب طرائق کے اشغال واذکار لکھے ہیں۔ اور وہ سب نہایت مختصر، مرغوب، محبوب اور مطلوب ہیں۔ میرے والد ماجد مرحوم نقشبندی تھے، میرے شیخ سنت قاضی محمد بن علی شوکانی یمنیؒ بھی نقشبندی تھے۔ جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب "البدر الطالع" میں اس کی صراحت کی ہے۔ اگرچہ کسی طریق کو بموجب "قول جمیل" کے کسی دوسرے طریق پر ترجیح نہیں دیتا ہوں، اور مغلوبین اور واولین فی السماع وغیرہ کا انکار نہیں کرتا ہوں۔ لیکن اپنے نفس کو اسی امر کا تابع رکھتا ہوں، جو سنتِ صحیحہ و معروفہ سے ثابت ہے۔ اور جس پر محققین اور راسخین فی العلم گزرے ہیں۔

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاریؒ کے توسط سے بواسطہ حضرت ابوبکر صدیق رض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ میرے آباء اجداد بھی اصل میں ساداتِ بخاری ہیں۔ اور اب تک یہ خاندان میرے وطنِ قدیم شہر قنوج میں ساداتِ بخاری کے لقب سے معروف ہے۔ یعنی جس طرح میرے علمِ ظاہری کا تعلق امام محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ تک پہنچتا ہے، اور آباؤ اجداد کا نسب سید جلالِ اعظم گل سُرخ بخاری تک منتہی ہوتا ہے اسی طرح مشائخِ طریقت بھی خواجہ نقشبند بخاریؒ تک پہنچتے ہیں۔ میرا نام بھی صدیق ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے، حضرت صدیقِ اکبر رض کے زمرہ میں زیرِ لوائے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم محشور کرلے تو زہے سعادت!

خلیفۂ اوّل تک طریقہ کا یہ اتصال اویسیہ کہلاتا ہے۔ دوسری سند سے یہ طریقہ حضرت امیر علی کرم اللہ وجہہ تک بھی پہنچتا ہے۔ سو اوّلاً میں حضرت فاطمہ رض اور ثانیاً حضرت حسینؓ بن علی رض بن ابی طالب کی اولاد سے ہوں وللہ الحمد!

مرزا مظہر جان جاناںؒ سے کسی نے پوچھا تھا کہ آپ نے سب طرق میں سے طریقہ مجددیہ نقشبندیہ کو کیوں اختیار فرمایا ہے؟ انہوں نے جواب دیا اس لیے کہ:

"من ایں طریقہ را منطبق بر کتاب وسنت یافتم کہ ثبوت آں قطعی ست والحمدللہ کہ تا ایں زماں ایں طریقہ از جمیع طرق بدعت محفوظ ست"	میں نے اس طریقہ کو کتاب وسنت کے مطابق پایا ہے جن کا ثبوت یقینی اور قطعی ہے۔ الحمدللہ! یہ طریقہ اس وقت تک بدعت کے تمام طریقوں سے محفوظ ہے۔"

جامی میفرماید سے جامی کہتے ہیں:

قدرِ گل و مل بادہ پرستاں دانند
نے خود غنیاں و تنگدستاں دانند
از نقش تواں بسوئے بے نقش شدن
ایں نقشِ غریب نقشبنداں دانند

کسبِ رزق:

میں نے کسبِ رزق کے لیے قضا، افتاء، تدریس، امامت، تاذین یا وعظ وغیرہ کسی شرعی منصب کو اختیار نہیں کیا، بلکہ نوکری، چاکری کو ذریعہ معاش بنایا۔ کارہائے سر رشتہ میں نوکری اختیار کی، اور اس وسیلہ سے جاگیر پائی، کیونکہ میں اپنے آپ کو خدماتِ مذکورہ کے ادائے حقوق سے بالکل قاصر پاتا تھا۔ اور میرے دین نے بھی مجھے اجازت نہ دی کہ ایسا کام اختیار کروں، جس میں دین کی خرابی اور آخرت کی بربادی ہو۔ ہمارے سلف،

جنہیں دین میں مرتبۂ امامت حاصل تھا، اور اعلیٰ درجہ کا تقویٰ رکھتے تھے، انہوں نے ہمیشہ ان مناصب کے اختیار کرنے سے احتراز کیا، اور ملوک و سلاطینِ اسلام کے تشدّد اور تکلیف دہی کے باوجود ان خدمات کو قبول نہ کیا۔ اب جو کوئی سعی کر کے ایسے مراتب کا طالب ہوتا ہے، وہ یقیناً اہلِ دنیا ہے، اہلِ عقبیٰ نہیں!

میں اللہ سے اُمید رکھتا ہوں کہ مجھے ہمیشہ ایسی آفات سے محفوظ رکھے گا اور میری اولاد کو بھی اس طرح کی شہرت سے اور نقمت سے بچائے گا۔ تحصیلِ رزق کی اور بہت سی صورتیں ہیں۔ جو نفس الامر میں جائز ہیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس زمانہ میں ملازمت بھی بڑی ذلّت کی چیز ہے۔ اگرچہ میں بحمداللہ اپنی ملازمت میں معزز رہا۔ اگر کسی مسلمان سے ہو سکے کہ وہ زراعت، کتابت یا تجارت وغیرہ سے اپنا کام چلائے تو پھر نوکری کو بھی سلام کر لے۔ جس کے پاس رزق سدِّ رمق کے بقدر موجود ہو۔ اس کا کثرتِ مال کی ہوس کرنا، اپنی آخرت آپ برباد کرنا ہے۔

باب چہارم

آزمائشیں ہی آزمائشیں

اللہ تعالیٰ کی ہر بندے پر اتنی نعمتیں اور احسانات ہیں کہ ان کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔

"وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا" [له] — اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننے لگو تو ان کو حیطۂ شمار میں نہیں لا سکتے۔"

اور کوئی بشر کسی ادنیٰ نعمت اور کمتر احسان کا بھی پورا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ ؎

از دست و زبان کہ بر آید!
کز عہدۂ شکرش بدر آید!

جب اللہ تعالیٰ کے احسانات غیر متناہی ہیں، تو ان کا زبان و بیان سے احاطہ کرنا ایک فکرِ محال ہے۔ شعرانی رحمہ اللہ نے "منن کبریٰ" میں ۵۶ احسانات ذکر کیے ہیں۔ اور پھر آخر میں عجز کا اعتراف کیا ہے۔ جب اولیاء و عرفاء کا یہ حال ہے تو ہم ایسے ظلوم، جہول، کفار (ناشکرے) ضعیف البنیان والجنان سے اس کے منن و نعم کا کیا بیان ہو سکتا ہے؟ پھر اس بیابان سے

یہاں جو اک ذرہ لکھا گیا ہے ہم کو تو اس کے شکر سے بھی عجزِ کلی ہے۔ سب ظاہری و باطنی احسانات کا شکر کب بجا لایا جا سکتا ہے؟

یہ محن جو اس جگہ ذکر کیے جائیں گے یہ بھی درحقیقت مِنَن ہی ہیں کیونکہ جس مرض کے بعد صحت حاصل ہو اور جس مصیبت کے بعد عافیت میسر آتے، وہ بلا و ابتلاء نہیں بلکہ درحقیقت احسانِ عظمیٰ اور نعمتِ کبریٰ ہے۔ حدیثِ انس رضؓ میں فرمایا:

"اَلزَّهَادَةُ فِي الدُّنْيَا اَنْ تَكُوْنَ فِيْ ثَوَابِ الْمُصِيْبَةِ اِذَا اَنْتَ اُصِبْتَ بِهَا اَرْغَبَ فِيْهَا لَوْ اَنَّهَا بَقِيَتْ لَكَ"	دنیا میں بے رغبتی یہ ہے کہ تجھے بقا رِ مصیبت میں اس لیے رغبت زیادہ ہو کہ مصیبت پر ثواب ملتا ہے۔

(رواہ الترمذی)

چہ خوش بر دے دلِ تنگِ ما دے وا کرد

خدا دراز کند عمرِ زخمِ کاریِ ما!

حدیثِ صہیب رومی رضؓ میں مرفوعاً آیا ہے کہ:

"مومن کا عجیب حال ہے کہ اس کا سارا کام اچھا ہے۔ اگر مسرت حاصل ہو تو شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہے اور اگر مضرت پہنچے تو صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لیے بہتر ہے۔"

(رواہ مسلم)

حضرت سعد رضؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی: اے رسولِ خدا (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم):

اَیُّ النَّاسِ اَشَدُّ بَلَاءً؟ قَالَ الْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ يُبْتَلَى الرَّجُلُ	دنیا میں سب سے زیادہ آزمائش کن لوگوں کی ہوتی ہے؟ فرمایا: انبیاء کی اور پھر

عَلٰی حَسَبِ دِیْنِہٖ فَاِنْ کَانَ فِیْ دِیْنِہٖ صَلْبًا اشْتَدَّ بَلَاؤُہٗ وَ اِنْ کَانَ فِیْ دِیْنِہٖ رِقَّۃٌ اِبْتَلَاہُ اللّٰہُ عَلٰی حَسَبِ دِیْنِہٖ فَمَا یَبْرَحُ الْبَلَایَا عَلَی الْعَبْدِ حَتّٰی یَمْشِیَ عَلَی الْاَرْضِ وَمَا عَلَیْہِ خَطِیْئَۃٌ۔

درجہ بدرجہ آدمی اپنے دین کے مطابق آزمایا جاتا ہے۔ اگر دین میں سخت ہو تو آزمائش بھی سخت اور اگر دین میں نرم ہو تو آزمائش بھی نرم ہوتی ہے، پس بندے پر آزمائشیں آتی رہتی ہیں حتیٰ کہ وہ زمین پر اس حال میں چلنے لگتا ہے کہ اس کی تمام غلطائیں معاف ہو چکی ہوتی ہیں۔

(رواہ الترمذی)

یہ حدیث اس بات پر دال ہے کہ ہر شخص کی آزمائش دین میں اس کی پختگی کے مطابق ہوتی ہے۔ اگر دین میں سخت ہے تو آزمائش بھی سخت اور اگر دین میں نرم ہے تو آزمائش بھی نرم ہوگی۔ انبیاء علیہم السلام پر اسی وجہ سے آزمائش سخت ہوتی تھی کہ وہ دینِ خدا میں نہایت درجہ شدید ہوتے تھے۔ حضرت ابوسعیدرضؓ سے مروی مرفوع حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الصّٰلِحُوْنَ کَانَ اَحَدُھُمْ یُبْتَلٰی بِالْقَمْلِ حَتّٰی تَقْتُلَہٗ وَیُبْتَلٰی اَحَدُھُمْ بِالْفَقْرِ حَتّٰی لَا یَجِدَ اِلَّا الْعَبَاءَۃَ یَلْبَسُھَا وَلَاَحَدُھُمْ اَشَدُّ فَرَحًا بِالْبَلَاءِ مِنْ اَحَدِکُمْ بِالْعَطَاءِ۔ (رواہ الحاکم ولہ شواہد کثیرۃ)

دنیا میں سب سے زیادہ سخت آزمائش انبیاء کی ہوتی ہے پھر علماء اور پھر نیک لوگوں کی۔ پہلے زمانے میں جوؤں کے ساتھ بھی آزمائش ہوتی تھی حتیٰ کہ وہ انسان کو قتل کر دیتی تھیں اور کبھی آزمائش فقر کی صورت میں نازل ہوتی تھی حتیٰ کہ بدن پر لپٹی ہوئی چادر کے سوا کوئی چیز نہ ہوتی، جتنا تم عطاء پر خوش ہوتے ہو، اس سے زیادہ وہ بلا پر خوش ہوتے تھے۔"

حضرت جابر رض روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَوَدُّ أَهْلُ الْعَافِيَةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِيْنَ يُعْطٰى أَهْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوْ أَنَّ جُلُوْدَهُمْ كَانَتْ قُرِضَتْ بِالْمَقَارِيْضِ ۔ (رواہ الترمذی)

اہلِ عافیت روزِ قیامت جب ابتلاء رسیدہ لوگوں کے ثواب کو دیکھیں گے تو خواہش کریں گے اے کاش! ان کے چمڑوں کو (دنیا میں) قینچیوں سے کاٹ دیا جاتا۔ (تاکہ وہ بھی یہ ثواب حاصل کر لیتے)۔

حدیثِ انس رض میں فرمایا:

إِنَّ عِظَمَ الْجَزَاءِ مِنْ عِظَمِ الْبَلَاءِ وَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَا وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخَطُ ۔ (رواہ الترمذی)

بڑی جزا بڑی آزمائش ہی سے ملتی ہے، اللہ جس قوم سے محبت رکھیں اسے مبتلائے آزمائش کر دیتے ہیں، جو راضی ہو جائے اس کے لیے رضامندی اور جو ناراض ہو اس کے لیے ناراضگی ہے۔

رضا کے دو مرتبے ہیں۔

ایک یہ کہ بلا پر مسرور ہو یہ اعلیٰ درجہ ہے۔

دوسرا یہ کہ بلا پر شکوہ نہ کرے تنگ دل نہ ہو یہ ادنیٰ درجہ ہے۔

کاش ہم ایسے نالائقوں کو یہ ادنیٰ درجہ ہی نصیب ہو جائے۔ حدیثِ ابوہریرہ رض میں مرفوعاً آیا ہے:

إِنَّ الرَّجُلَ لَيَكُوْنُ لَهُ عِنْدَ اللّٰهِ الْمَنْزِلَةُ فَمَا يَبْلُغُهَا بِعَمَلٍ فَمَا يَزَالُ يَبْتَلِيْهِ بِمَا يَكْرَهُ حَتّٰى يُبَلِّغَهُ إِيَّاهَا ۔

(بعض اوقات) آدمی کے لیے خدا کے ہاں ایک مقام مقرر ہوتا ہے جس تک وہ اعمال کے ذریعے رسائی حاصل نہیں کر پاتا تو اللہ تعالیٰ اسے ایسی چیزوں میں مبتلا کرتا رہتا

(رواہ ابن حبان فی صحیحہ) ہے جو اسے ناپسند ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ وہ اس مقام تک پہنچ جاتا ہے۔"

ابو داؤد میں بھی اس حدیث کا ایک شاہد ہے جس میں یہ بھی ذکر ہے کہ ابتلاء جسم یا مال یا اولاد میں آتی ہے۔ حدیثِ ابو سعید خدری رضؓ میں موقوفاً یوں آیا ہے کہ:

مَا يُصِيبُ الْمُؤْمِنَ مِنْ نَصَبٍ وَلَا وَصَبٍ وَلَا هَمٍّ وَلَا حُزْنٍ وَلَا أَذًى وَلَا غَمٍّ حَتَّى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا إِلَّا كَفَّرَ اللهُ لَهُ مِنْ خَطَايَاهُ۔

"مومن کو جب بھی کوئی تھکاوٹ، بیماری ہم، حزن، اذیت اور غم پہنچے، یہاں تک کہ اگر کانٹا بھی چبھے تو اس کے عوض اللہ تعالیٰ اس کی خطائیں معاف فرما دیتے ہیں۔"

(رواہ الشیخان)

یہ حدیثِ صحیح ونص صریح اس بات پر دال ہے کہ ہر قسم کی تکلیف وایذا پر اجر ملتا ہے حتیٰ کہ کانٹا لگنے پر بھی۔ لیکن یہ اس وقت ہے جب تکلیف اور مصیبت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کر صبر کرے اور حصولِ اجر کی نیت رکھے کیونکہ نیت کے بغیر کوئی عمل معتبر نہیں ہوتا۔ اکثر لوگ مصائب پر صبر تو کرتے ہیں۔ لیکن صبر کی نیت سے نہیں بلکہ درماندگی وحیرانی کی وجہ سے، اس صبر کی کوئی حقیقت نہیں۔

بعض لوگ دن رات آفات کا شکوہ کرتے ہیں اور پھر اپنے تئیں صابر سمجھتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دشمن کو وہاں سمجھ لے گا، اور خود بھی دن رات دشمنوں کو کوستے رہتے ہیں۔ یہ صبر نہیں بلکہ ایک دوسری بلا ہے۔ اگر صبر شرعی کرتے تو اجر پاتے۔ حضرت ابنِ عباس رضؓ سے مرفوع روایت

ہے کہ:

مَنْ أُصِيبَ بِمُصِيبَةٍ بِمَالِهِ أَوْ فِي نَفْسِهِ فَكَتَمَهَا وَلَمْ يَشْكُهَا إِلَى النَّاسِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ۔	جسے مال یا جان کی کوئی مصیبت پہنچی اور اس نے اسے چھپایا اور لوگوں کے پاس اس کا شکوہ نہ کیا تو اللہ کے ذمہ ہے کہ اس کی مغفرت فرمائے

(رواہ الطبرانی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مصیبت کا مخفی رکھنا، مغفرت کا سبب ہے۔ وللہ الحمد!

حضرت عائشہ رض سے مرفوع روایت ہے:

إِذَا كَثُرَتْ ذُنُوبُ الْعَبْدِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مِنَ الْعَمَلِ مَا يُكَفِّرُهَا ابْتَلَاهُ بِالْحُزْنِ لِيُكَفِّرَهَا عَنْهُ۔	جب بندے کے گناہ بکثرت ہوں اور اس کا کوئی ایسا عمل نہ ہو جو ان کا کفارہ بن سکے تو اللہ تعالیٰ اسے حزن (غم) میں مبتلا کر دیتے ہیں تاکہ اس کے گناہوں کو مٹا دیں۔"

(رواہ احمد)

یعنی حزن واندوہ سے گناہ مٹتے رہتے ہیں جب کہ حزن بطریق شرعی ہو۔ خواہ دنیا کا اندوہ ہو یا دین کا غم۔ وللہ الحمد والمنۃ۔

اس باب میں تو احادیث بکثرت ہیں کہ امراضِ بدن گناہوں کا کفارہ اور تکثیرِ اجر کا باعث بنتے ہیں۔ علامہ منذری رحؒ نے اپنی کتاب "الترغیب والترہیب" میں ان کی اچھی خاصی تعداد ذکر کی ہے۔ مومن کو بیماری سے تنگ دل نہیں ہونا چاہیئے بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ مرض میرے معاصی کا کفارہ یا میرے گناہوں کی سزا ہے۔ ان شاء اللہ اب گناہوں سے پاک ہو جاؤں گا۔ اور مغفرتِ الٰہی

کے لائق ٹھہروں گا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

كَيْفَ الصَّلَاحُ بَعْدَ هٰذِهِ الْآيَةِ مَنْ يَعْمَلْ سُوْءً يُجْزَ بِهِ وَكُلُّ شَيْءٍ عَمِلْنَاهُ نُجْزِيْنَا بِهِ فَقَالَ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ يَا اَبَا بَكْرٍ اَلَسْتَ تَمْرَضُ اَلَسْتَ تَحْزَنُ اَلَسْتَ تُصِيْبُكَ اللَّأْوَاءُ قَالَ قُلْتُ بَلٰى قَالَ هُوَ مَا تُجْزَوْنَ بِهِ۔

(رواہ ابن حبان فی صحیحہ)

اس آیت کے بعد کہ "جو کوئی برا کام کرے بدلہ دیا جائے گا" درستی احوال کی کیا صورت ہے؟ کیونکہ ہم جو کوئی کام کریں گے اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ حضورؐ نے فرمایا اللہ تمہیں معاف فرمائے اے ابوبکرؓ! کیا تم بیمار نہیں ہوتے؟ کیا تم حزن میں مبتلا نہیں ہوتے؟ کیا تمہیں اندوہ نہیں پہنچتا؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں؟ آپؐ نے فرمایا یہی ہے جو تم بدلہ دیئے جاتے ہو۔

حضرت ابوالدرداءؓ سے مرفوع روایت یہ ہے کہ:

اِنَّ الصُّدَاعَ وَالْمَلِيْلَةَ لَا تَزَالُ بِالْمُؤْمِنِ وَاِنَّ ذَنْبَهُ مِثْلُ اُحُدٍ فَمَا تَدَعُهُ وَعَلَيْهِ مِنْ ذٰلِكَ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ۔

(رواہ احمد)

مومن کے کوہِ اُحد کے برابر گناہ ہوتے ہیں اور اسے دردِ سر یا تپ عارض ہوتا ہے تو اس کے باعث اس پر رائی کے دانہ کے برابر بھی گناہ نہیں رہتا۔

حدیث کے الفاظ عام ہیں اور ہر گناہ کو شامل ہیں وہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ حقوق اللہ سے متعلق ہو یا حقوق العباد سے، لیکن دیگر دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ کبیرہ گناہ اور حقوق العباد اس سے مستثنیٰ ہیں واللہ اعلم!

یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک

شخص فوت ہوا تو ایک آدمی نے کہا کہ:

هَنِيْئًا لَّهٗ قَدْ مَاتَ وَلَمْ يُبْتَلَ بِمَرَضٍ ۔	مبارک ہو اس کو کہ وفات تک کسی مرض میں مبتلا نہیں ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَيْحَكَ مَا يُدْرِيْكَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ ابْتَلَاهُ بِمَرَضٍ يُّكَفِّرُ عَنْهُ مِنْ سَيِّئَاتِهٖ ۔	افسوس ہے تم پر! تمہیں کیا معلوم کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے مبتلا ئے مرض کرتا تو وہ مرض اس کی بعض برائیوں کا کفارہ ہو جاتا۔

(رواہ مالک مرسلاً)

معلوم ہوا کہ بیمار نہ ہونا کوئی اچھی بات نہیں ہے بلکہ موا خذہ و عقاب کی علامت ہے، اسی لیے حدیث عائشہ رضی میں فرمایا ہے کہ:

اَلْحُمّٰى حَظُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ مِّنَ النَّارِ ۔	بخار ہر مومن کا آگ سے حصہ ہے۔

(رواہ البزار)

الغرض سارے محن جو مومن پر وارد ہوتے ہیں، وہ بھی درحقیقت منن ہیں۔ اور جو کوئی ان محن پر صبر کرے، وہ ماجور ہوتا ہے اور جو کوئی ان پر شکر بجا لائے اس کا درجہ اللہ کے نزدیک بلند ہو جاتا ہے، اس لیے یہاں جو محن لکھے گئے ہیں وہ شکوہ و شکایت کے لیے نہیں بلکہ منعم حقیقی اور منّان مطلق کے شکریہ کی ادائیگی کے لیے لکھے گئے ہیں۔ اس کا شکوہ کرنا تو عین حرمان نصیبی ہے۔

ابتدائی مشکلات:

میں پانچ برس کی عمر میں یتیم ہو گیا تھا۔ جس بچے کا باپ، بقید حیات

نہ ہوا سے جن تکلیفوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے یا اس کی تعلیم کے سلسلہ میں جو رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں، انہیں ہر تجربہ کار آدمی جانتا ہے ؎

مرا باشد از حالِ طفلاں خبر!
کہ در طفلی از سر بر فتم پدر

خصوصاً جس کا باپ عالم، عامل ہو اور اپنی اولاد کا صالح ہونا چاہتا ہو اور اس کے سوا کوئی قریبی عزیز، مربی اور خبر گیر بھی نہ ہو، اس کا جوارِ رحمتِ الٰہی میں جانا اگرچہ اس کے لیے فوزِ عظیم ہے لیکن اولاد کے حق میں یہ ایک سخت مصیبت ہے۔ اللہ تعالےٰ میری ماں کو جنت الفردوس نصیب کرے، انہیں خدا پرستی و دینداری کا بڑا حصّہ ملا ہوا تھا۔ والد ماجد کی وفات کے بعد اُنہوں نے نہایت شفقت سے میری پرورش کی حتی الامکان تعلیم پر آمادہ کیا، باپ کی دعا نے اثر کیا کہ محض رحمتِ الٰہی میری مربی ہوئی اور کسی کا منّت پذیر نہ کیا۔ صغرِ سن کے سبب مجھے والد مرحوم کا حلیہ و شمائل یاد نہیں۔ لیکن میں نے انہیں دو بار خواب میں دیکھا۔ ایک بار اپنے وطن شہر قنوج میں کہ وہ دیوان خانہ میں آئے ہیں، کسی نے زنان خانہ میں جا کر کہا کہ تمہارے باپ آئے ہیں۔ ہم دونوں بھائی دوڑتے ہوئے ان کے پاس آئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے باپ کہیں گئے ہوئے تھے۔ اور اب مدّت دراز کے بعد آئے ہیں۔ سامنے جا کر بیٹھا شاید میرے سر پر ہاتھ بھی پھیرا اور فرمانے لگے کہ:

"کیا پڑھتے ہو؟"

میں نے کہا:

"قرآن شریف کا سیپارہ۔"

مجھے دعا دی۔ میں نے انہیں بہت خوش اور خوبصورت پایا۔ دوسری بار

انہیں اس شہر بھوپال میں خواب میں اس طرح دیکھا کہ میں ایک مسجد میں مغرب کی نماز کے لیے گیا ہوں، لوگ نماز پڑھ کر مسجد سے چلے گئے ہیں۔ مسجد کے متصل ہی قبرستان ہے۔ میں نے کہا کہ موتیٰ پر فاتحہ پڑھتا جاؤں۔ جب فاتحہ پڑھ کر لوٹا تو ایک قبر پر سے گزر ہوا۔ وہ شق ہو گئی اور ایک جسیم شخص اٹھ کر بیٹھ گئے۔ وہ میرے والد معلوم ہوتے تھے۔ مجھ سے فرمانے لگے بھائی وہ کام کرو جو آخرت میں کام آئے۔ میں ڈر گیا۔ اور پوچھا کہ وہ کام جو آخرت میں کار آمد ہو، کیا ہے؟ انہوں نے کچھ جواب دیا جو مجھے یاد نہیں رہا، اور میں وہاں سے چل دیا۔ صبح کو جی میں حساب لگایا کہ یہ کیا نصیحت تھی؟ تو معلوم ہوا کہ کچہری کے بعض منشیوں سے میری ملاقات تھی، جو فاسق تھے۔ اور میرے لیے بھی باعث فسق بنتے تھے، اس دن سے میں نے ان کی راہ و رسم چھوڑ دی۔ اور اللہ نے میرے شغلِ علم کے شوق کو زیادہ کر دیا۔ و للہ الحمد!

یتیمی کی یہ مصیبت بلوغت تک شاملِ حال رہی۔ جب بالغ ہوا تو طلبِ علم کے لیے گھر سے باہر نکلا اور مجھے طلبِ معاش کی کوئی فکر نہ تھی۔ جب علومِ درسیہ پڑھ کر دہلی سے وطن واپس آیا تو خیال ہوا کہ کسی جگہ ملازمت کرنی چاہیئے۔ بھوپال آکر آستانہ خاص رئیسہ مرحومہ میں دو ماہ بعد رمضان ۱۲۷۱ھ میں ملازم ہو گیا۔ دو برس تک ملازم رہا پھر وطن واپس آ گیا۔ راستہ میں کانپور سے گزر ہوا تو وہاں فوج برگشتہ تھی۔ مسافروں کے قافلے کے ہمراہ ہزار دشواریوں کے ساتھ وطن پہنچا۔ والدہ اور ہمشیرگان کو دیکھ کر مسرت ہوئی۔ ایک سال تک وطن میں گوشہ گزین رہا۔ سرکاری افواج نے جب رئیس فرخ آباد کی بغاوت کی وجہ سے قنوج کو تاراج کیا تو میرا گھر بھی دست بردِ غنیمت ہو گیا۔ اثاث البیت میں سے چند کتابوں کے سوا کوئی چیز باقی نہ رہی۔ تب بلگرام چلا گیا اور ہنگامہ غارت گری کے فرو ہونے تک وہاں رہا۔ پھر وہاں سے مرزا پور گیا، اور اکبر علی خان صاحب سوداگر شاہجہانپوری کے مکان پر دو تین ہفتے تک مہمان

رہا۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب مہاجر ساکن بہدوئی سے ملاقات ہوئی۔ جب وہاں سے بھوپال کی طرف چلا تو ایک دن دورانِ سفر یکہ ایک نالہ کے اندر جا پڑا، قریب تھا کہ ڈوب جاؤں مگر اللہ تعالے نے بچا لیا۔ کتب اور کپڑے لتے جو میرے پاس تھے وہ سب پانی میں بھیگ کر خراب ہو گئے ؏

چیزے کہ خشک ماند بغیر از دماغ نیست!

جل پور پہنچا تو مولوی نصر اللہ کھنوری نے والد مرحوم سے عقیدت کی وجہ سے اپنے ہاں مہمان رکھا، ان دنوں بارش کی کثرت تھی۔ چند روز بعد چل کر بھوپال آیا۔ مدار المہام صاحب بہادر سے ملاقات ہوئی۔ بعض اشخاص کی سعایت بے اصل پر رئیسہ نے مجھے ملازم رکھنے سے انکار کر دیا۔ میں ایک ہفتہ بعد براستہ سرونج جے پور کی طرف روانہ ہو گیا اور زبانِ حال سے کہہ رہا تھا ؎

باگذشتیم زبھوپال تو دلشاد نشیں

قفل بر در مزن و خار بدیوار منہ

اثنائے راہ شہر ٹونک سے گزر ہوا، وزیر الدولہ مرحوم نے آٹھ ماہ تک روک رکھا۔ اس اثناء میں رئیسہ نے خط لکھ کر بلایا۔ میں جب گیا تو نہایت اخلاق سے پیش آئیں۔ اور تنخواہ سابق میں اضافہ کر کے تاریخ بھوپال تحریر کرنے پر ملازم رکھا، اور مصارفِ سفر کی بھی رعایت فرمائی۔ اسی اثناء میں دستور العمل ریاست کی ترتیب کا کام بھی کرتا رہا۔ انہوں نے مجھے اپنے پاس ہی رکھا۔ کسی شخص کا ماتحت نہ کیا۔ اگرچہ میں ان کے غصے اور سختی مزاج کے باعث ان کی روبکاری سے گریز کرتا تھا۔ لیکن وہ میری حاضر باشی اور تیز دستی کے باعث مجھے جُدا کرنا نہیں چاہتی تھیں۔ انہوں نے مجھ پہ کبھی غصہ کا اظہار نہیں کیا تھا، نہ کبھی جھڑکا نہ کیا بلکہ عین دربار میں عیدین وغیرہ کے موقع پر سروقد کھڑی ہو کر تعظیم کرتی تھیں۔ اور بارہا سلام کہنے میں پہل کرتی تھیں۔ میں ان کے

اس اخلاق کا تہِ دل سے شکرگزار ہوں۔ میں نے کبھی ان سے اضافہ یا عہدہ کی درخواست نہیں کی اور نہ کبھی کوئی چیز مانگی۔ اپنی قسمت پر شاکر و قانع تھا۔ میں نے ان سے حج کی رخصت لی تھی۔ اسی دوران وہ مرض الموت میں بیمار پڑ گئیں اور بہت چاہا کہ اس سفر میں زرِ نقد سے میری اعانت کریں۔ لیکن میں نے گریز کیا اور ہر بار یہ کہہ کر ٹال دیا کہ جب اللہ تعالےٰ آپ کو صحت دے گا، تب جاؤں گا۔

چنانچہ ۲۷ رجب ۱۲۸۵ھ کو ان کا انتقال ہو گیا۔ اسی سال شعبان میں نواب شاہجہان بیگم صدر نشین ریاست ہوئیں۔ تب میں نے ان سے مکرر رخصت لے کر حجاز میمنت طراز کا سفر اختیار کیا۔ اور شعبان کے آخر میں نمازِ ظہر کے بعد بمبئی کی طرف کوچ کیا۔ رئیسہ عالیہ نے ثیابِ فاخرہ اور قیمتی اشیاء کے چند صندوق دیئے کہ حرمین شریفین کے مسکینوں پر تقسیم کر دوں۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ ان مساکین میں سے ایک نواب تجمل حسین خان رئیس فرخ آباد بھی تھے جو مجھے وہاں تباہ حالت میں ملے۔ میں نے انہیں بھی عمدہ لباس کا ایک جوڑا دیا۔ اور نہایت عبرت حاصل ہوئی۔ کیونکہ یہ وہ شخص تھا جس کی نوابی کے زمانہ میں، اس کی مدح میں غالب نے یہ شعر کہا تھا ؎

دیا ہے اور کو بھی تا اسے نظر نہ لگے!
بنا ہے عیش تجمل حسین خان کے لیے

آٹھ ماہ بعد فریضۂ حج اور زیارتِ مدینہ منورہ سے فارغ ہو کر واپس آیا اور رئیسہ کی خدمت میں وہ کاغذات اور رسیدات پیش کر دیں۔ جن پر مساکین کے دستخط تھے الا ماشاء اللہ۔ اب مجھے اہتمام مدارس پر مامور کر دیا گیا اور ایک سال بعد جب میں میر منشی ہو گیا اور خطاب و جاگیر اور ماہوار عہدہ سے سرفراز کیا گیا تو حسنِ کارگزاری کے باعث رئیسہ نے میری قدر شناسی فرمائی اور مجھے

نائب دوم ریاست مقرر کر کے ۴۲ ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر بھی عطا کی۔ پھر جب انہیں کرنل طامسن، پولٹیکل ایجنٹ اور جنرل میڈ نے کلکتہ میں نکاح ثانی کا مشورہ دیا اور کہا کہ آپ کا شوہر ریاست کے کام میں مدد دے گا۔ تو انہوں نے تحریراتِ سررشتہ کے بعد لارڈ میو گورنر جنرل ہند سے اجازت لے کر مجھ سے نکاحِ ثانی کر لیا اور سرکارِ انگریزی سے حسبِ معمول مجھے خلعتِ فیل واسپ وسلاح وغیرہ جس کی قیمت دس ہزار روپیہ بنتی ہے اور خطاب ولقب نوابی وغیرہ ملا اور دربار میں جملہ مراتب تعظیم ادا کئے گئے۔ یہ سارا قصہ تاریخ بھوپال میں مفصل لکھا ہوا ہے۔ اور ان مراتب کے اسانید ومسانید میرے پاس موجود ہیں۔ اور اب جو آخر ذیقعدہ سنہ ۱۳۰۲ھ سے کام چھوڑ کر علیحدہ ہو گیا ہوں تو رئیسہ عالیہ نے مجھے کاروبارِ ریاست میں مدد دہی کا بریت ذمہ کے ساتھ صافی نامہ جاری کیا، جس کی بنیاد پر میں اور میری اولاد ان شاء اللہ تعالےٰ ہر مؤاخذہ سے پاک صاف ہے۔ اس ہنگامہ رستخیز میں اگر اللہ تعالےٰ انہیں میرا ظاہری حامی نہ بناتا تو میں نہیں جانتا کہ میں دشمنوں اور حاسدوں کے ہاتھوں کس بلا وآفت اور گناہ ناکردہ میں گرفتار ہو جاتا۔ الحمد للہ علی العافیۃ!

رئیسہ عالیہ نے مجھ سے اور میری اولاد سے جو محبت وشفقت کی، میں اس کا شکریہ ادا کرنے سے بالکل قاصر وعاجز ہوں۔ میری طرف سے اللہ تعالیٰ انہیں آخرت میں اجرِ کبیر سے نوازے اور دنیا میں جملہ آفات سے محفوظ رکھ کر میرا اور ان کا خاتمہ بالخیر کرے۔ اللّٰھم آمین ثم آمین!

بہنوں اور بچوں کی شادی کا مسئلہ:

جب بالغ ہوا تو ہمشیرگان کے نکاح کی فکر دامن گیر ہوئی، انتہائی حیران تھا، نہ بلاد میں رکھتا تھا نہ کوئی شخص برادری میں تھا۔ چار وناچار بڑی ہمشیرہ کا

عقد سید عزیز حسین بن سید شریف حسن مفتی فرخ آباد سے کر دیا۔ دوسری بہن کی شادی بلگرام میں سید عبدالعزیز واسطی سے کر دی، تیسری بہن کا عقد شیخ حامد حسین بن مفتی محمد حسن مرحوم بریلوی سے کیا۔ یہ میرے حقیقی ماموں کے چھوٹے بیٹے ہیں۔ پھر یہی دقت اپنے لڑکوں کی شادی کے وقت پیش آئی۔ چنانچہ فرزندان کے لیے دختران میر حیدر علی ساکن موضع بلتی ضلع فتحپور علاقہ کانپور کو کمالِ صحت نسب کی وجہ سے اختیار کیا گیا۔ دختر کی شادی رئیسہ عالیہ کی عنایت سے ایک لاکھ روپیہ صرف کر کے میر عبدالحی خان بن مولوی سید عبدالرزاق کے ساتھ ہوئی۔ رئیسہ کی طرف سے ان سب بچوں کو خطاب، القاب مع اقطاع حاصل ہیں۔

اس زمانہ میں اہل شرف کے لیے قرابتِ صالحہ کا بہم پہنچانا بھی ایک مصیبت سے کم نہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ آجکل شوہر نہایت بیقراحت سے بیویوں کے مال کو حلال اور طیب سمجھ کر غارت کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ پر بیوی کے نان و نفقہ، مسکن اور دیگر ضروریات کے حقوق واجب نہیں سمجھتے حالانکہ اس کی فرضیت میں کسی فقیہ حنفی کا بھی اختلاف نہیں۔ پھر خود کما کر اپنے اہل وعیال کی پرورش کرنے کا کیا ذکر ہے؟ اہل اسلام کی خانہ ویرانی اور ادبار کے بڑے اسباب یہی ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ جب تک میں نے اپنے دست وبازو سے ملازمت کر کے اپنی گزر بسر کا سامان نہ پیدا کر لیا، تب تک نکاح نہ کیا، پھر نکاح کے بعد اہل وعیال کے سارے مصارف اپنی معاش سے پورے کرتا رہا۔ بیوی اگرچہ آسودہ حال تھیں۔ لیکن میں نے ان کے مال سے کبھی ایک پیسہ بھی نہ لیا، نہ کبھی خسر سے لیا، بلکہ خسر کی ہر چیز لینے میں عار محسوس کی، اور بارہ سال تک ان کے باغ میں قدم نہ رکھا بلکہ اگر انہوں نے کبھی کچھ دینا چاہا یا دیا تو اسے واپس کر دیا اور نہ لیا۔ وجہ یہی تھی کہ نفس اس بات سے

کمال عار محسوس کرتا تھا کہ جس کا نان و نفقہ مجھ پر واجب ہے، اس کا حقِ شرعی تو ادا نہ کروں، بلکہ اس کے مال و متاع کو بغیر کسی استحقاق کے اپنے نفس پر صرف کروں۔ اللہ تعالیٰ نے اس نیت کی برکت سے مجھے میری بیوی اور بیوی کے والد سے زیادہ تونگری بخشی اور اپنے سوا کسی کا محتاج، دست نگر اور مستمند نہ کیا۔ وللہ الحمد والمنۃ!

کس روز تہمتیں نہ تراشا کئے عدو:

جب رئیسہ نے مجھ سے نکاح کیا تو اہلِ دنیا کے نزدیک یہ نکاحِ ثانی بڑا عیب بن گیا۔ اگرچہ اسے عیب قرار دینے سے ایمان کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ارکانِ ریاست میں سے اکثر لوگوں پر اس معاملہ کا وقوع انتہائی ناگوار اور گراں گزرا۔ وجہ یہ تھی کہ بیگم صاحبہ نے مجھ سے ریاست کے کام میں مدد لینا شروع کی، اور مجھ پر کلی اعتماد کیا۔ میں نے بھی چار و ناچار اپنی تمام فکر و ہمت کو ان کی خیر خواہی میں صرف کر دیا۔ اور کسی کی خوشی و ناخوشی سے کام نہ رکھا۔ کیونکہ اگر میں صرف ان کا ملازم ہی ہوتا جیسا کہ اس قرابت سے قبل ملازم ریاست تھا۔ پھر بھی مجھ پر بحکمِ خدا و رسول ان کی امانت، دیانت اور خیر سگالی کی پاسداری واجب تھی، چنانچہ جب تک ملازم تھا بحمدہٖ تعالیٰ اسی طرح عمر بسر کی اور اب تو اس قرابت کی وجہ سے ان کا کام کرنا اور لوگوں سے بحسنِ امانت و دیانت برتاؤ رکھنا اور بھی مؤکد تر ہو گیا ہے۔ اگر یہ طریقہ اختیار نہ کرتا تو ان کا خائن و غاصب اور خدا کا ناشکر گزار اور گناہ گار ٹھہرتا اور دونوں جہانوں میں روسیاہی کے سوا اور کیا حاصل ہوتا؟ ہاں لوگوں کے ناراض رہنے کی آفت نہ آتی۔ بلکہ اگر دوسرے لوگوں کا سا طریقہ اختیار کرتا تو مجھے بھی بہت کچھ عیشِ ناجائز حاصل ہو سکتا تھا۔

زبانِ شکوہ اگر ہمچو خار داشتمے ! ہمیشہ خرمنِ گل در کنار داشتمے

ہزار خانۂ زنبور کردمے پُر شہد ! اگر گزیدنِ مردم شعار داشتمے

زدستِ راست نہ دانستمے اگر چپ را چہ گنجہا بہ یمین و یسار داشتمے

میری نگرانی سے پہلے اموالِ ریاست میں ہر طرح کی دست بُرد ہوتی تھی، اور مختلف ذریعوں سے ہر کوئی اپنے مفاد کو ہی ملحوظ رکھتا تھا۔ اب جو سب کے خوشے بند ہو کر ایک ابوبکر صدیق کا خوشہ کھلا رہا تو بدخواہوں کے دل پر غصہ و غضب کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ ان لوگوں نے میری علیحدگی بلکہ نام و نشان مٹانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ پہلے متوسلینِ قدسیہ بیگم نے حکام کو میری طرف سے بے اصل اراجیف پہنچا کر برہم کیا۔ لیکن اس کا کامل اثر نہ ہوا۔ اور جب وہ ۱۲۹۹ھ میں وفات پا گئیں تو اقربا و قریب نے پاؤں نکالے اور افترا و کذبِ بے حقیقت کا ایک آسمان کھڑا کر دیا۔ ایک جماعت کو ہموار کر کے اور ترقی مراتب وغیرہ کا لالچ دے کر ایک ہنگامۂ رستخیز برپا کر دیا۔ میں اور بیگم صاحبہ دونوں متحیر تھے کہ یہ کیا بات ہے، اس رستخیز کی علت کیا ہے؟ آخر میں نے یا رئیسہ عالیہ نے کس پر ظلم کیا ہے، جس کی تحقیق نہیں ہوتی ہے، اور یک طرفہ احکام ناروا جاری ہوتے ہیں۔ مدعیوں کی طرف سے کسی امر کا کوئی ثبوت پیش نہیں ہو سکا۔ بجز اس کے کہ جن لوگوں پر رئیسہ عالیہ نے احسان پر احسان کئے تھے اور جن کے ساتھ میں نے مروت، رعایت، قدردانی، اضافۂ تنخواہ، ترقی عہدہ جات و اختیارات کا برتاؤ کیا تھا، ان میں سے ہر شخص نے احسان و سلوکِ خیر کی مقدار کے مطابق عداوت و شکست پر کمر باندھی، جس کے ساتھ تھوڑا احسان کیا تھا۔ وہ تھوڑا دشمن ہوا، اور جس کے ساتھ زیادہ احسان ہوا تھا، وہ زیادہ دشمن ہو گیا:

كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۔[1]

اور ہنوز یہ دشمنی روز بروز ترقی پذیر ہے۔ حالانکہ منعمِ مجازی کی نعمت کا

[1] بنی اسرائیل: ۵۸

کفران بھی ایک معصیتِ عظمےٰ اور گناہِ کبیرہ ہوتا ہے۔ چوروں میں سے کوئی اگر کسی کا ایک دن نمک کھالے تو وہ اس کی چوری نہیں کرتا، اور اسے نہیں مارتا۔ ان لوگوں نے عمر یا نصف عمر یا ثلث عمر تک اس ریاست کا نمک کھایا اور بعض نے پشت ہا پشت سے اس ریاست کا نمک کھایا لیکن تباہی و بربادی کا باعث ہوئے، شاید وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مالکہ کے شوہر کی مخالفت مالکہ کی کورنمکی نہیں ہے۔ سو یہ امر تو لائقِ قبول تب ہو سکتا ہے کہ شوہر، رئیسہ کی رائے کے خلاف اپنی خود پرستی سے مختارِ کار بن بیٹھا ہو یا حیلہ و حوالہ سے رئیسہ کو جدا کرنا چاہتا ہو۔ اس جگہ تو عکس القضیۃ ہوا کہ سب لوگوں نے حکام کے سامنے بیان کیا کہ رئیسہ مجھ سے ناخوش ہے اور میری علیحدگی پر اپنا اتفاق رائے ظاہر کیا۔ اور حکام کے کانوں کو مخبری، دروغ گوئی، اتہام اور کذب سے بھر دیا۔ لوگوں کا ایک افترا مجھ پر یہ ہے کہ میں اولاد اور والدہ کے درمیان ناموافقت کا باعث بنتا ہوں۔ حالانکہ دینِ اسلام میں یہ تفریق گناہِ کبیرہ ہے اور دنیا میں میرے حق میں زہرِ قاتل ہے۔ کوئی فردِ بشر دیدہ و دانستہ اپنا برا نہیں چاہتا، پھر کیا میں ایسا ہی نادان تھا کہ اپنی جان کو اس تہلکہ میں ڈالتا۔ لیکن ؎

شورِ بختاں بآرزو خواہند! مقبلاں را زوالِ نعمت و جاہ
گر نہ بیند بروز شپرۂ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

یہ حکایتِ حال و شکایتِ قال واقعات بیان کرنے کے لیے ہے، اس لیے نہیں کہ اپنی علیحدگی کا کوئی رنج و فکر میرے دل کو دامن گیر ہے۔ میں تو مجبوراً اس مشغلہ میں مبتلا ہو گیا تھا، نیت، ارادہ یا تدبیر سے اس بلا کو مول نہیں لیا تھا ؎

اس کشمکش سے دام کے کیا کام تھا مجھے
اے الفتِ چمن ترا خانہ خراب ہو!

اب جو تائیدِ غیبی میرے شاملِ حال ہوتی ہے تو سب داخلی و خارجی

امور سے علیحدہ ہو گیا ہوں، اور اس منعم حقیقی و مجازی کی نعمت کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔

ایک حکایت:

شیخ علی متقی رحمہ اللہ نے جب کتبِ سنت میں عدل و انصاف کے فضائل کو دیکھا تو چاہا کہ خدمتِ عدالت اختیار کریں۔ بادشاہِ گجرات کو جب ان کے ارادہ کا علم ہوا تو انہیں حاکمِ عدالت متعین کر دیا۔ بہت جلد عملہ کی رشوت ستانی کی وجہ سے ان پر رشوت ستانی کی تہمت لگی۔ بادشاہ کو خبر ہوئی لیکن یقین نہ کیا۔ اس لیے کہ بادشاہ ان کے متعلق اعتقادِ عظیم رکھتا تھا۔ شیخ کو اس مخبری کا بالکل علم نہ تھا۔ وہ غافل اور بے خبر تھے۔ جب زیادہ شہرت ہوئی تو شیخ نے بھی سُنا اور بندوبست کیا کہ یہ دروازہ بند ہو جائے مگر لوگ کب دست کش ہو سکتے تھے، ناچار ایک دن وہ دیوانِ حکومت سے اپنا عصا لے کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہہ کر بھاگ گئے کہ دین و دنیا جمع نہیں ہو سکتے۔ ہر چند کہ بادشاہ نے عذر کیا اور اس گمان کی تکذیب کی۔ لیکن شیخ نے پھر سے اس عہدہ کو قبول نہ فرمایا۔ یہی حال میں بھی اپنے دلِ ناتواں میں پاتا ہوں کہ اگر اب کوئی ہزار بار چاہے کہ اس سابقہ حالت پر لوٹ آؤں تو مجھے ہرگز منظور نہ ہو گا ؎

مرا بر مسندِ جم می نشانند
الٰہی بر سرِ آں کو نشینم

مگس طینت لوگ:

میں یہاں اس قوم کے اندر محصور ہوں، جو جھوٹی بات سے خوش اور

سچی بات سے ناخوش ہوتی ہے اور مجھے اس ورطہ ہلاکت سے نجات کا کوئی چارہ میسر نہیں آرہا ؎

با ہر کہ راست گفتم فی الحال خصم من شد
خاموشی از ہمہ بہ چوں حق نمی تواں گفت

مجھ پر اس سے زیادہ کوئی امر شاق نہیں ہے کہ یہ لوگ اب بھی میرے ساتھ دوست داری کا اظہار کرتے ہیں، حالانکہ اگر ذرا سا بھی قابو پائیں تو خون پینے کو تیار ہو جائیں۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی مجھ سے واسطہ رکھے مگر نکس طینت اپنی طینت سے باز نہیں آتے۔ انہیں معلوم ہے کہ میں ان سے ناخوش ہوں اور ان کی منافقت و عداوت بھی مجھ پر آشکارا ہو چکی ہے۔ اس کے باوجود ہر حیلہ و مکر سے استتاراً واختیاراً درانداز ہونے کو تیار ہیں۔ کاش ان کا یہ رجوع انابت کے طور پر ہوتا۔ لیکن ؎

ہر کہ دراصل ناکس افتاد ست ۔۔۔ بتقالیب دہر کس نشود!
سگ نکس را اگر کنی مقلوب ۔۔۔ قلبِ او غیرِ سگ نکس نشود

جس صورت میں یہ واقعہ طلب مجھے رفع و خفض کے سارے صیغوں کا مصدر قرار دیتے ہیں۔ اور دنیا و دین کے اعتبار سے ساری مخلوق میں سے بدترین سمجھتے ہیں۔ اور خود مجھے بھی اقرار ہے کہ ہاں میں سراپا گناہ اور نامہ سیاہ ہوں تو مجھ سے راہ و رسم رکھنے کے کیا معنی؟ الحمد للہ کہ میں ان کے نزدیک سیئات کا مجمع اور یہ اپنے زعم میں حسنات کا منبع ہیں ؎

من ارچہ عاشقم و رند و مست و نامہ سیاہ
ہزار شکر کہ یارانِ شہر بے گنہ اند

میں تین سال سے اپنے غریب خانہ میں شکستہ پا و خزیدہ ہوں اور

میرے حساد خاطر آزمیدہ۔ اس کے باوصف مجھے کسی طرح ان سے امن میسر نہیں ؎

شیر را سلسلہ برگردن و روبہ ہمہ شب
فارغ البال برا طلال و دمن میگردد!
عاقل از کلبۂ احزان ننہد پا بیروں
غافل از روئے طرب گرد چمن میگردد

ہنگامہ آرائی و بے مروتی:

جب یہ ہنگامہ برپا ہوا تو اپنوں اور بیگانوں میں سے کسی شخص نے مجھ سے ہمدردی نہ کی۔ ہر شخص میرے نام بلکہ میرے سایۂ ناکام سے بھی بھاگنے لگا اور کسی نے جھوٹ موٹ بھی نہ پوچھا کہ تیرا کیا حال ہے ؎

یک حرف آشنا بغلط ہم کسے نگفت!
چنداں کہ خواب خوش بہر افسانہ سوختیم

ہاں میرے اہلِ بیت نے جان و مال و آبرو سے جس طرح بھی ہو سکا میرا ساتھ دیا۔ میں اس رفاقت و معیت کا تمام عمر خواہ عمر طویل بھی ہو شکریہ ادا کروں تو اس احسانِ کثیر کا تھوڑا سا شکریہ بھی ادا نہیں کر سکتا۔ اگرچہ ابتدا میں مردوں اور عورتوں کی ایک جماعت نے کوشش کی کہ میرے اور رئیسہ کے درمیان مفارقت ہو جائے۔ میں بھی ان کی ناتجربہ کاری کے سبب اور اس کشمکش سے اپنی رہائی کے خیال پر خوش تھا مگر جو امر مقدر نہ ہو وہ کسی تدبیر سے ظہور میں نہیں آتا۔ مجھے اگرچہ اس جگہ کا قیام سخت شاق ہے۔ لیکن میں مختار نہیں:

”عَسٰى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَعَسٰى أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ“

سورۃ البقرہ ۲۱۶:۲

اس حالت کے دامن گیر ہونے کی وجہ سے مجھے کوئی فکر نہیں کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کو حسیب، کافی اور رازق علی الاطلاق سمجھتا ہوں ؎

ولیکن خداوندِ بالا و پست!
بعصیاں درِ رزق بر کس نہ بست

اور یہ بھی جانتا ہوں کہ:

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ۔ اور آسمان میں ہے رزق تمہارا اور وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

اور اس آیت کو بھی پہچانتا ہوں:

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ۝ [۱] بے شک اللہ ہی رزق دینے والا، قوت والا مضبوط ہے۔"

انسان اگر اللہ تعالیٰ کے تطورات کو بمقدمہ ایصالِ رزق غور سے دیکھے تو حیران رہ جائے۔ کبھی دشمن کے ہاتھ سے اس کی ناخوشی کے باوجود رزق دلواتا ہے، کبھی ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ میرے ساتھ یہ معاملہ اس لیے ہوا کہ میری نارسائی میں دشمنوں اور حاسدوں نے اپنی رسائی یقین کر لی تھی۔ مگر تقدیرِ الٰہی سے معاملہ الٹ ہو گیا۔ میرا کام سے جدا ہونا تو میرے حق میں عین مصلحت تھا۔ لیکن انہیں ہنوز مدعا ہاتھ نہیں آیا۔ کسی اور ہی قوم کی مداخلت ہو گئی جس سے بالکل رفعِ امان ہو گیا ؎

شادم کہ از رقیباں دامن فشاں گذشتی!
گو مشتِ خاکِ ما ہم برباد رفتہ باشد!

وقال اللہ تعالیٰ:

نُوَلِّي بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا ہم بعض ظالموں پر ان کے دوسرے اعمال

كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ کے سبب بعض ظالموں کو مسلط کر دیتے ہیں۔

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ اَعَانَ ظَالِمًا سَلَّطَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ" جو کسی ظالم کی مدد کرے تو اسے اللہ تعالیٰ اس پر بھی مسلط کر دے گا۔

(رواہ ابن عساکر وہذا حدیث غریب)

وقال بعض الشعراء ؎

وَمَا مِنْ يَدٍ اِلَّا يَدُ اللّٰهِ فَوْقَهَا
وَمَا ظَالِمٌ اِلَّا سَيُبْلٰى بِظَالِمِ

ابن کثیرؒ نے مذکور آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ: ظالموں کے ساتھ ہم ایسے ہی کرتے ہیں کہ

"كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالظّٰلِمِيْنَ نُسَلِّطُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَنُهْلِكُ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ وَنَنْتَقِمُ مِنْ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ جَزَاءً" — بعض کو بعض پر مسلط کرتے ہیں، ہلاک کرتے ہیں، انتقام لیتے ہیں اور یہ ان کے ظلم و بغاوت کی سزا ہوتی ہے۔

"فتح البیانؒ میں لکھا ہے:

قَالَ ابْنُ زَيْدٍ نُسَلِّطُ بَعْضَ الظَّلَمَةِ عَلٰى بَعْضٍ فَنُهْلِكُهٗ وَنُذِلُّهٗ قَالَ فُضَيْلُ بْنُ عِيَاضٍ اِذَا رَاَيْتَ ظَالِمًا يَنْتَقِمُ مِنْ ظَالِمٍ فَقِفْ وَانْظُرْ مُتَعَجِّبًا۔ انتھی۔ — ابن زید کہتے ہیں کہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ ہم بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر کے انہیں ہلاک اور ذلیل کر دیتے ہیں اور فضیل بن عیاض نے کہا ہے کہ جب تم دیکھو کہ کوئی ظالم کسی دوسرے ظالم سے انتقام لے رہا ہے تو تم ٹھہرو اور تعجب سے دیکھو۔

الحمد للہ کہ اس اندرونی و بیرونی حبس بیص میں میرے پاؤں میں کوئی لغزش پیدا نہیں ہوئی اور نہ کسی امرِ مکروہ کا مرتکب ہوا بلکہ مستقل مزاج رہا، اور کسی طرح

کے تغیر و تبدلِ مزاج نے مجھ پر اثر نہ کیا اور میں نے اپنے لیے کسی بھی ذلت کو قبول نہیں کیا ؎

ما عجزِ دشمنیم و حریفاں زبوں طلب !
ای خونِ ما بگردنِ طبعِ غیورِ ما !۔

لوگوں نے تو بہت چاہا اور خوب ڈرایا تاکہ ان کی طرف التجا کروں، اور مزید ذلت پر ذلت احاطہ کرے بلکہ ادنیٰ سے ادنیٰ حواشی و مواشی کو بھی میرے ستانے کا حوصلہ پیدا ہوگیا۔ لیکن میں نے ان کی طرف رجوع نہیں کیا اور نہ ان کی ایذا دہی پر کچھ منفعل ہوا ؎

ما زہرِ قاتلیم فصیحے نہ شہدِ ناب ؛
مردِ طمانچہ خوردنِ بالِ مگس نہ ایم

پھر بعض دشمنوں نے اپنی مطلب برآری کے لیے منافع کی بہت کچھ توقع دلائی اور وہ بھی بیکار گئی۔ ولنعم ما قیل:

؎ بہشتے کہ بایں رسوائی دست بہم دہد بدتر از دوزخ ست "

آخر یہاں کے سب مناجاتی اور خرابانی متوسلین نے اتفاق کر کے مجھ پر آفتوں کا مینہ برسانا شروع کیا، اور اسلامی حقوق اور مروت کے بجائے تعصب اور کفرانِ نعمت سے کام لیا۔ الحمد للہ علی کل حال ؎

رَضِینَا قِسْمَۃَ الْجَبَّارِ فِینَا لَنَا عِلْمٌ وَلِلْجُہَّالِ مَالٌ
فَإِنَّ الْمَالَ یَفْنٰی عَنْ قَرِیْبٍ وَإِنَّ الْعِلْمَ یَبْقٰی لَا یَزَالُ

میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ جس طرح صغر سن سے اب تک میں کسی شخص کا منت کش نہ ہوا تھا، اسی طرح اس ہنگامۂ رستخیز میں بھی اپنے معبودِ واحد کے سوا کسی سے چارہ جُو نہ ہوا۔ اور نہ کوئی میرا شریکِ حال ٹھہرا۔ وللہ الحمد ! میں جس کا

بندۂ شرمندہ تھا، اسی نے مجھے ہزار عصیاں و ذنوب کے باوجود اپنی کنفِ حمایت میں رکھا، غیر کے احسان سے بچایا اور کسی کے سامنے درم، قلم یا قدم سے شرمندہ نہ کیا:

"لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ"!

پہلی رفیقہ حیات کا داغِ مفارقت:

انہی حالات میں ایک اور مشکل کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ اور وہ یہ کہ بچوں کی ماں کا انتقال ہو گیا۔ اگرچہ وہ مجھ سے نکاحِ ثانی کے سبب کشیدہ خاطر رہتی تھیں، لیکن میں ان سے خوش عقیدگی اور پابندی صوم و صلوٰۃ کی وجہ سے خوش تھا۔ بڑی خوش نصیب بیوی تھیں۔ جب تک زندہ رہیں، ان کے سانحہ انتقال کے سوا مجھے اور کوئی تشویش لاحق نہ ہوئی، البتہ رئیسہ عالیہ اور میرے درمیان مکمل ایک سال تک شکر رنجی رہی۔ دوسرے سال بھوپال کے تغیرِ حال کا ہنگامہ پیش آیا۔ اور سارے زمانہ کا رنگ بدل گیا۔ اور دو سال تک گوناگوں افکار و آفات کا تواتر رہا۔ اب ایک سال یعنی ۱۳۰۵ھ سے مصیبتوں کا وہ جوش و خروش نہیں ہے۔ لیکن کشفِ غمہ بھی کما حقہٗ نہیں؛

"لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا"[1]

کشفِ غمہ سے مراد صرف رئیسہ عالیہ کے ملالِ خاطر کا رفع ہونا ہے، اپنا اوج و موج مراد نہیں۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ دوبارہ اسی دلدل میں گرفتار ہو کر ممقوتِ خلق مسخوطِ خالق بنوں۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا۔ ع

مَنْ جَرَّبَ الْمُجَرَّبَ حَلَّتْ بِہِ النَّدَامَۃ

میں نے بچوں کی ماں کی زندگی میں ہی ان کی شادی کر دی تھی، تاکہ ایسا نہ ہو،

ان کی وفات کے بعد بچوں کو وحشتِ خاطر ہو اور مجھ سے بچوں کی خانہ داری کا انتظام نہ ہو سکے اور ساتھ ہی یہ بھی خیال تھا کہ اس طرح اسے بھی اولاد کی طرف سے طمانیتِ خاطر حاصل ہو جائے گی۔ اس کی زندگی ہی میں اللہ تعالےٰ نے بچوں کو بھی اولاد بخشی وللہ الحمد!

مرض الموت میں وہ اپنی دختر کے گھر آگئی تھیں، اسی جگہ ان کا علاج ہوتا رہا۔ اور اسی جگہ انتقال کیا۔ انتقال بروز چہار شنبہ (جس کی صبح کو غرۂ رمضان ۱۳۰۱ھ تھا)۔ چار بجے آخر شب بوقت اذانِ فجر ہوا۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔

تاریخِ وفات یہ ہے:

ـ نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهَا وَجَعَلَ أَوْسَطَ الْفِرْدَوْسِ مَأْوَاهَا ۔

دوسرا فقرہ تاریخ یہ بھی ہو سکتا ہے:

ـ نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهَا وَكَانَ بِأَوْسَطِ الْفِرْدَوْسِ نُزُلُهَا ۔

نماز جنازہ موتی مسجد میں پڑھی گئی، میں نے نماز بادیدہ پرآب معہ سورہ فاتحہ وغیرہ پڑھائی۔ نماز پڑھنے والوں کی لمبی لمبی گیارہ صفیں تھیں۔ اور ہر صف میں ۸۵ آدمی تھے۔ مدارالمہام صاحب مرحوم کے باغ میں ان کے مرقد کے متصل ہی دفن کیا گیا۔ وہاں دوبارہ کثیر آدمیوں نے نمازِ جنازہ پڑھی، اختتام دفن تک حفاظ نے سورۂ رعد پڑھی، ان کی عمر تخمیناً شصت سال ہو گی۔ دفن کے بعد غلہ اور نقدی وغیرہ بھی صدقہ کی گئی۔ میں نے ان کے مرض کے ابتدار میں یعنی ماہ شعبان میں یہ خواب دیکھا تھا کہ آسمان کے مشرق و مغرب میں ایک بدرِ کامل نکلا ہوا ہے۔ مگر زیادہ بلند نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ ایک نیزے کی بلندی پر ہو گا۔ لیکن اچانک وہ چاند آسمان سے زمین پر گر پڑا۔ اسی طرح ان کے مرض کے آخر

میں خواب دیکھا کہ مدار المہام مرحوم عمدہ سفید لباس پہنے ہوئے بگھی پر سوار میرے پاس آئے اور بہت خوش ہیں۔ لیکن لاغر بدن ہیں۔ کچھ گفتگو کی جو یاد نہیں رہی۔

مرحومہ کو اسی سال ۲۵ ر رجب کو بائیں پاؤں میں ورم کا عارضہ ہوا تھا۔ جونکیں لگوائی گئیں تو ان کے ڈنگ پک گئے، چنانچہ اسی تکلیف کی وجہ سے ماہِ رمضان کی پہلی رات رحمتِ الٰہی کے جوار میں منتقل ہوگئیں۔ حضرت ام سلمہ رضؓ سے مرفوع حدیث ہے:

"اَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ"	جو عورت فوت ہوئی اس حال میں کہ اس کا خاوند اس سے راضی تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔

(رواہ الترمذی)

میں ان سے راضی تھا۔ علاوہ ازیں اپنے جملہ حقوق سے انہیں بری الذمہ بھی کر دیا۔ اور میری نسبت اگر ان سے کچھ لغزشیں ہوئی ہوں تو انہیں بھی معاف کر دیا۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اِذَا صَلَّتِ الْمَرْأَةُ خَمْسَهَا وَاَحْصَنَتْ فَرْجَهَا وَاَطَاعَتْ بَعْلَهَا دَخَلَتْ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ"	جب عورت پانچوں نمازیں پڑھے، شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی اطاعت کرے تو جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔

(رواہ ابن حبان فی صحیحہ)

بحمدہٖ تعالےٰ ان میں یہ سارے اوصاف مجتمع تھے، علاوہ ازیں

نہایت سخی النفس تھیں، صدقات و خیرات خوب دیتی تھیں۔ میری اولاد نے ان کے ترکہ سے نقد یا جنس کا ایک پیسہ تک نہیں لیا۔ سب ان کی سابقہ اولاد کو دے دیا۔ اسی طرح میں نے بھی اپنا حصّہ نہیں لیا۔ اگرچہ رئیسہ کی مرضی یہی تھی کہ میں اور میری اولاد بھی شرعی فرائض کے مطابق اپنا اپنا حصّہ لے لیں لیکن میری ہمت قاصر رہی۔ وللہ الحمد!

ان کی وفات کے بعد میں نے ۲۷ر شوال ۱۳۰۱ھ کو انہیں خواب میں دیکھا کہ میرے حجرۂ خواب واقع محل سرکار میں آکر میرے پلنگ پر بیٹھ گئی ہیں۔ میں نے پوچھا مرنے میں بہت تکلیف ہوئی ہوگی؟ کہا:

"دو تین دن کا فاقہ ہوا اور کچھ نہیں"

میں نے پوچھا:

"قبر میں کچھ سوال و جواب ہوا؟"

کہا:

"مجھ سے کسی نے کچھ نہیں پوچھا"

میں نے کہا:

"اللہ نے تمہیں بخش دیا؟"

کہا: "ہاں"

میں نے خیال کیا کہ ان کے کان کے نیچے جو ورم ہو گیا تھا۔ وہ خشک ہو چلا ہے۔ اور وہ بہت خوش ہیں۔

نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہَا غَفَرَ اللّٰہُ لَنَا وَلَہَا بِمَنِّہٖ وَکَرَمِہٖ وَجَمَعَنَا فِیْ دَارِ کَرَامَتِہٖ وَرَحْمَتِہٖ۔ آمِیْن ثُمَّ آمِیْن!

☆

ہم گلستان میں بھی رہتے ہیں بیابان کی طرح :

میری اس بیوی کی پہلی اولاد جو پہلے شوہر سے تھی، وہ مجھ سے اور میری اولاد سے بلا کسی شرعی وجہ کے ناراض رہتی ہے انہیں اپنی ماں کے نکاح ثانی کی ناراضگی ہے۔ میں نے تو جہاں تک مجھے علم ہے ان سے کوئی برائی نہیں کی، اور نہ ہی انہیں اپنی ماں کے پاس کبھی آمد و رفت سے منع کیا۔ اگرچہ عدم جنسیت و عدم علم کی بنا پر ان کی مصاحبت میں رغبت نہیں ہے۔ پھر جب سے بی بی کا انتقال ہو گیا، انہیں مجھ سے اور بھی زیادہ وحشت ہو گئی ہے۔ ان کی ناخوشی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میں نے انہیں مناصب جلیلہ پر نہیں پہنچایا۔ گویا یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بات میرے اختیار میں تھی، حالانکہ میں اپنی بے اختیاری کا حلف اٹھا سکتا ہوں۔ ان کا نسب انصاری بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن میرے حق میں تو مہاجرین ہو گئے ہیں۔ وللہ الحمد علی کل حال۔

مجھے ان امور کے متعلق ان سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ خصوصاً اس جہت سے اب آئندہ ان سے قرابت جدید کی کوئی صورت نکلنے والی نہیں ہے۔ میری اولاد کی قرابت اہل سیادت سے ہے۔ اہل سعایت سے نہیں۔

حسن اتفاق دیکھو کہ اس شہر میں اس سال یعنی ۱۳۰۵ھ میں قیام کی مدت ۳۵ برس ہو رہی ہے۔ لیکن برایا و رعایا کی مجھ سے عجب طرح کی بیگانگی ہے، کسی کو اپنا دوست نہیں پاتا ہوں، اگرچہ میں کسی کا بدخواہ یا بداندیش نہیں ہوں، لیکن مجھے اس جگہ ہمیشہ،

"خلوت در انجمن و سفر در وطن"

کی کیفیت حاصل رہی، کبھی نوبت :

"یاد کرد بازگشت"

کی نہیں آتی ؎

وَإِنِّي غَرِيبٌ بَيْنَ بُسْتٍ وَأَهْلِهَا وَإِنْ كَانَ جِيرَانِي بِهَا وَبِهَا أَهْلِي

وَمَا غُرْبَةُ الْإِنْسَانِ فِي شُقَّةِ النَّوَى وَلٰكِنَّهَا وَاللّٰهِ فِي عَدَمِ الشَّكْلِ

افترا پردازیاں اور دشنام طرازیاں:

حاسدوں اور مخالفوں نے زمانہ دراز تک اُردو وانگریزی اخبارات میں میرے خلاف صدہا افترا باندھ کر مشہور کرائے اور صدہا دشنام لکھوائیں میں نے سکوت وشکیب اختیار کیا اور کسی بات کا جواب نہ دیا ؎

دشنام اگر دہد خبیثے چارہ نہ بود بجز شنیدن

گرپائے کسے سگ گزیدہ! با سگ نتواں عوض گزیدن

اللہ تعالےٰ نے ایک شخص کو صرف اسی وجہ سے بخش دیا تھا کہ لوگ اس پر دروغ بندی کرتے تھے اور وہ اس کذب وافتراء سے پاک تھا۔ بحمدہٖ تعالیٰ میں بھی ان وقائع اور بہتانات سے جو میرے متعلق لکھوائے گئے ہیں، مثلِ مسیح پاک نفس ہوں، اگرچہ اللہ کا حد سے زیادہ عاصی ہوں، لیکن ان طوفانات سے بری ہوں۔ وللہ الحمد! ؎

گر در حق ما کسے بدی گفت! زیں غم دلِ خود چرا خراشیم

من در حقِ اونکو بگویم! تا ہر دو دروغ گفتہ باشیم

یہ مصیبت حقیقت میں اللہ کا ایک احسان ہے۔ اور یہ اعداء نفس الامر میں اصدقا ہیں۔ ان کا غیبت کرنا، چغلی کھانا، برا بھلا کہنا، اور سخت وسست لکھوانا میرے لیے ان شاء اللہ العزیز، مغفرت کا موجب ہوگا، اور سچی بات یہ

ہے کہ ان لوگوں کی باتیں اگر لباس صدق سے آراستہ ہیں، تو اللہ تعالیٰ مجھے انابت اور استغفار کی توفیق بخشے اور میرے قصور معاف فرمائے اور اگر وہ لوگ کاذب اور مفتری ہیں، تو اللہ ان کے گناہوں کو معاف فرمائے۔ میں اپنے اعداء و حساد کو نام بنام پہچانتا ہوں۔ اور ان کے نفاق و بہتان کو خوب جانتا ہوں لیکن ان کے اسماء کی تعیین اس لیے نہیں کرتا کہ اس سے فتنوں کے بھڑکنے کا اندیشہ ہے ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ برون افتد کار
ورنہ در مجلسِ رنداں خبرے نیست کہ نیست

ہجومِ مصائب میں ایک غم خوار کا خط :

ایک جم غفیر نے یہ بھی فکر و تدبیر کی کہ جس طرح ممکن ہو مجھے قید، اخراج، حبس دوام یا قتل کی سزا ملے اور ہنوز وہ اپنی کارستانی و ایذا رسانی سے باز نہیں آئے، اور معلوم ہوتا ہے کہ جب تک میں اس جگہ زندہ اور موجود ہوں باز نہیں آئیں گے :

"وَأُفَوِّضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ" [1]

اس کے باوجود میں ان میں سے کسی کے درپے آزار نہیں ہوں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ :

"اگر سارا جہان تجھے نفع یا نقصان پہنچانے پر مجتمع ہو جائے تو جب تک اللہ نہ چاہے تجھے کچھ نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتا"

مجھے اس ہنگامہ میں اس حدیث کے صدق کا بخوبی تجربہ ہو گیا ہے۔

وللہ الحمد ؎

[1] المؤمن : ۴۴

يَوَا الثَّقَلَانِ الْجِنُّ وَالْإِنْسُ أَجْمَعُوْا ؛ يُرِيْدُوْنَ إِيْلَامًا لِأَصْغَرِ نَمْلَةٍ
يَكُوْنُ لَهَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ نَاصِرًا لَمَا ظَفِرُوْا مِنْهَا بِأَدْنٰى مَضَرَّةٍ

اس انقلاب سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا ہے کہ عزلت و خلوت اختیار کرنے کی وجہ سے اعداء، حساد اور اغیار کی رؤیت سے محفوظ ہو گیا ہوں ؎

در دیدہ بجائے سرمہ سوزن دیدن برق آمدہ آتش زدہ خرمن دیدن
در قید فرنگ غل بگردن دیدن بہ زانکہ بجائے دوست دشمن دیدن

جب یہ انقلاب ہوا تو "تحفۃ الہند" کے مؤلف عافاہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک خط لکھا، جس میں تحریر کیا کہ :

"میرے نزدیک آپ کا نفس مطمئنہ ہے، اللہ تم سے راضی ہوا اور تم اللہ سے راضی رہو۔ واللہ حسیبک۔ آپ کا حوصلہ عالی ایسا نہیں ہے کہ اندک زوال حشمت و جاہ دنیائے دوں کا، جو کہ اللہ کے نزدیک ایک پر پشہ سے بھی حقیر تر ہے۔ آپ کی خاطر کو مکدر کرے۔ حضرتِ من! کچھ اپنی بھی قدر پہچانو! تم لختِ جگرِ زہرا رضی ہو، تم نور چشم مرتضیٰ ہو، تم وارث سید الانبیاء ہو، تم جگر گوشہ رسولِ مصطفیٰ ہو، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تم مجدِّدِ دین ہو، تم محی سنت ہو، تم قامع بدعت ہو۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ !

اگر خطابِ نوابی نہ رہا تو کیا پروا ہے، خطاب وارث الانبیاء کافی ہے، اگر امیر الملک والا جاہ نہیں رہے، تو امیر المومنین تو ضرور رہو، اگر صدائے سلامی انواپ نہ رہی، بلا سے، ندائے "حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح" تو خداداد ہے، اگر خدمتِ مفوضہ رئیسہ بھوپال نہ رہی تو غم نہیں، خدمتِ مفوضہ خدا تعالیٰ و رسول ﷺ غنیمتِ کبریٰ

ہے۔ اس زوالِ بعض اقسام حشمت و جاہ کو ایسا سمجھو جیسے کوئی موئے عانہ و ناخنِ دست و پا کو قطع کر کے پھینک دیتا ہے۔ اور جانتا ہے کہ اوساخ بدن کے دور گئے۔ یہ وقت صبر و رضا و تسلیم کا ہے۔ مولوی منظر حسین رحمۃ اللہ علیہ[1] گاہ گاہ اس حدیث قدسی کو پڑھا کرتے تھے:

"تُرِیْدُ وَاُرِیْدُ وَمَا یَکُوْنُ اِلَّا مَا تُرِیْدُ فَمَنْ رَضِیَ فَلَہُ الرِّضَا وَمَنْ سَخِطَ فَلَہُ السَّخَطُ۔ او کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔[2]"

اللہ آپ کو ان شخصوں میں کرے جو اس آیت کے مصداق ہیں:

"اِنَّا وَجَدْنٰہُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّہٗ اَوَّابٌ[3]"

اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے کہ تم مصداق ان دو آیت کے ہو ایک:

"اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ۝ وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰی ۝ وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی[4]۔"

دوسری:

"اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ ۝ وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ ۝ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَکَ ۝ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ[5]"

اب انشاء اللہ مصداق اس آیت کے ہو گے:

---

[1] ـــــــــــــــ

[2] تو بھی ارادہ کرتا ہے اور میں بھی لیکن ہوتا وہی ہے جو تیرا ارادہ ہو، جو تیرے کام پر راضی ہو جائے اس کے لیئے رضا اور جو ناراض ہو جائے اس کے لیے ناراضگی ہے۔

[3] ص: ۴۴

[4] الضحیٰ: ۶ تا ۸

[5] الم نشرح: ۱ تا ۴

"فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا، إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا"

اللہ تعالےٰ نے آپ کے ہاتھ سے وہ کام لیے ہیں کہ کسی اور سے کم لیے ہوں گے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس کے حصول کی تدبیر نہ کیجئے بلکہ اس تدبیر میں تو ہم سب تمہارے خیر خواہ لگ رہے ہیں۔ اس واسطے کہ آپ کی عزت وجاہ تمام اہلسنت بلکہ تمام اہلِ اسلام کی عزت وجاہ ہے اور ہم کو یہ تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اعداء وحساد کو ہدایت کرے یا خوار و ذلیل فرمائے۔ غرض اس عرض سے یہ ہے کہ خاطر مبارک کو مطمئن وفارغ رکھ کر بدستور خدمت مفوضہ خدا و رسول ؐ میں مشغول رہو، اور اگر کبھی کچھ خیال نفس کا متغیر پاؤ تو یہ کہو سہ

غلامِ ہمتِ آنم کہ زیرِ چرخ کبود	زہر چہ رنگِ تعلق پذیرد آزاد است
نصیحتے کنمت یاد گیر و در عمل آر	کہ این حدیث ز پیرِ طریقتم یاد است
کہ اے بلند نظر شاہبازِ سدرہ نشیں	نشیمن تو نہ ایں کنجِ محنت آباد است
ترا ز کنگرۂ عرش میزنند صفیر	ندانمت کہ دریں دامگہ چہ افتاد است
غمِ جہاں مخور و پندِ من مبر از یاد	کہ ایں لطیفۂ نغزم ز رہروے یاد است

والسلام " انتہیٰ۔

میں اس خط کو اس جگہ نقل نہیں کرنا چاہتا تھا، کیونکہ وہ ان اوصاف پر مشتمل ہے، جن کے ساتھ میں اپنا اتصاف نہیں پاتا۔ صاحبِ خط نے حسنِ ظن سے جو چاہا لکھ دیا۔ میں تو اس خط کو صرف اس لیے یہاں نقل کر رہا ہوں کہ اس میں مجھے نصیحت و تسلی لکھی ہے۔

میں اللہ سے یہی چاہتا ہوں کہ مجھے خطِ مذکور کے مضامین کا مصداق بنا دے اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اس تہلکہ میں ثابت قدم رکھا، صبر عطا کیا، انقلاب سے رنجیدہ خاطر نہ کیا، بلکہ اس شغل سے جدا ہو جانا

بہت اچھا ثابت ہوا۔ میں ایک مدت سے اسی خلوت و عزلت اور اسی وحدت و تنہائی کا طالب تھا ؎

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر مے خواست
آخر آمد ز پسِ پردۂ تقدیر پدید

میں خطابِ نوابی کو رب الارباب کا ایک عتاب سمجھتا ہوں اور امیر الملکی و والا جاہی کو سببِ ہلاک یوم الحساب۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مجھے یہاں تین خطاب ملے، ایک امیر الافتخائی۔ دوسرا معتمد المہامی اور تیسرا یہ خطاب۔ میں ان خطابات میں سے کسی پر کبھی خوش نہیں ہوا، اور نہ ہی کبھی اظہارِ تفاخر کیا بلکہ ہمیشہ ان تحریکات اور تزفیات سے نہایت مد و شد کے ساتھ رئیسہ عالیہ سے معذرت چاہتا رہا لیکن میری عرض قبول نہ ہوئی ؎

آنچہ نصیب ست بہم میرسد
گر نہ ستانی بستم میرسد

اور اس امر کی شاہد خود رئیسہ عالیہ ہیں کہ ایک بار خود انھوں نے یہ چاہا تھا کہ مجھے صدر کی منظوری سے تاحیات ریاست کا خود مختارِ کار بنا دیں، چنانچہ اس تحریک کی مثل دفترِ ریاست میں موجود ہے۔ میں نے بڑی جد و جہد سے انہیں اس خیال سے باز رکھا ورنہ دنیا کا جادو تو ہاروت و ماروت کے سحر سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ میرے سوا کوئی دوسرا شخص اس زمانہ میں اس امر میں پیچھے رہتا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ حَمْدًا کَثِیْرًا۔

اب جو اس خطاب و القاب کا ازالہ ہو گیا ہے، اور جو نام میرے باپ نے رکھا تھا یعنی صدیق بن حسن وہ باقی رہ گیا تو یہ بات میرے لیے دنیا و آخرت کے اعتبار سے بڑی مسرت کی ہے۔ سلفِ اسلام ہمیشہ ایسے امور سے متنفر

رہتے تھے۔ اور ان کاموں میں دین کا نقصان سمجھتے تھے بلکہ وہ تو قید کئے گئے، ملک سے نکالے گئے، مارے پیٹے گئے اور بعض کو قتل بھی کیا گیا۔ لیکن انہوں نے ان مناصب کے قبول کرنے سے انکار ہی کیا۔ یہ کام انہی لوگوں سے بنتا ہے جو یوم الحساب پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ خطاب والقاب نہ مجھے طلب وتدبیر سے حاصل ہوئے تھے اور نہ ہی سوءِ تدبیر سے گئے بلکہ جس کے سبب سے ملے تھے اسی کی وفاداری میں گئے، وللہ الحمد!

علاوہ ازیں اس زمانہ میں خطاب کی وقعت ہی یہ رہ گئی ہے کہ اکثر نا اہلوں کو بصرفِ زر، آ شتمالی، شرکتِ محفلِ فجور، آلات واسبابِ فسوق کے استعمال کو زمکی آتا یا چالاکی اور فریب ودغا بازی سے مل جاتے ہیں۔ یہ باتیں کسی مسلمان سے بھلا کب ہو سکتی ہیں کہ اسے خطاب ملے یا مل کر باقی رہے۔

شعرانیؒ نے "منن کبریٰ" میں لکھا ہے کہ:

> مجھے اگر کوئی کنیت، لقب، شناخت یا سیادت کے بغیر محض میرے نام سے پکارتا ہے تو مجھے تکدر نہیں ہوتا کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ انسان کو اس کے نام سے پکارنا صدقِ محض ہے اور القاب یا کنیتوں وغیرہ میں اکثر کذب داخل ہو جاتا ہے، خواہ تاویل بعید سے ہو۔ اور کمتر لوگ اسے قبول کرتے ہیں۔
>
> سلف صالح، صحابہؓ وتابعینؒ بھی اسی طریق پر کاربند تھے کہ صرف نام لے کر ہی ایک دوسرے کو بلاتے اور جب کسی کو نام لے کر بلایا جاتا تو وہ لبیک کہتا۔ اور جو شخص "شمس الدین، نور الدین، اور سراج الدین" وغیرہ القاب پر خوش ہوتا ہے۔ اسے اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا، اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات ثابت ہو چکی

ہو کہ وہ جہنم کے کوئلوں میں سے ایک کوئلہ ہو گا۔ ہم القاب کی حرمت کا فتویٰ نہیں دیتے کیونکہ ان میں کذب غیر محقق ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ شمس الدین، نورالدین، وغیرہ کہنے سے کہنے والے کی مراد یہ ہو کہ وہ اپنی ذات کی حد تک دین کا آفتاب، نور یا قطب ہے۔ اسی طرح دیگر القاب کا معاملہ ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ بات دوست و احباب اور ہم عمر لوگوں کے متعلق ہے ورنہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے اساتذہ اور شیوخ کو سیادت، تفخیم اور تعظیم پر مشتمل القاب سے پکارے جیسا کہ سلف صالح کا معمول تھا۔ امام جلال الدین سیوطیؒ نے ذکر کیا ہے کہ اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ابوبکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ کو "عتیق" کے لقب سے نوازا۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے بھی ذکر فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو "صدیق"، حضرت عمرؓ کو "فاروق"، حضرت عثمانؓ کو "ذوالنورین" حضرت خالدؓ بن ولید کو "سیف اللہ"، حضرت حمزہؓ کو "اسد اللہ" اور حضرت جعفرؓ کو "ذوالجناحین" کے القاب سے سرفراز فرمایا۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین!

میرے لیے تو اب صرف اتنی کسر باقی رہ گئی ہے کہ میرا رب مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لقب کی برکت سے صدیقیت کا مصداق بنا کر نارِ جہنم سے آزاد کر دے تاکہ اس مناسبت سے صدیق کے بعد عتیق بھی ہو جاؤں اور دنیا سے رخصت ہوتے وقت ایمان کی حالت میں جاؤں۔

وما ذٰلك على الله بعزيز!

گہ ناز کند فرشتہ بر پاکیٔ ما ، گہ عار کند دیو زنا پاکیٔ ما ؛
ایمان چو سلامت بلب گور بریم احسنت برین چستی و چالاکیٔ ما!

خطاب والقاب کا انتزاع :

میرے دشمن اور حاسد سالہا سال سے میری خرابی کے درپے تھے۔ مجھ پر حکام وقت کی مخالفت کی تہمت لگائی اور "ہدایۃ السائل" اور رسالہ "اقتراب الساعۃ" کے مسائل ہشت گانہ کو اپنے افترا ر کے لیے دلیل وشاہد بنایا اور دوسری تہمت مجھ پر بدنظمی ملک کی لگائی حالانکہ میں فی نفسہٖ ان دونوں امر سے بری تھا۔

امر اوّل سے اس طرح کہ مسائل مذکورہ سابقہ کتب فقہ کا محض ترجمہ تھا میری طرف سے کوئی تحریر نہ تھی۔ اور وہ مسائل فقہ و حدیث کی کتب متداولہ مطبوعہ ہند و مصر میں اب تک موجود و مروّج ہیں۔ اور امر ثانی سے اس لیے کہ میں نہ مختارِ ریاست تھا نہ اہل کارِ ریاست کہ میری طرف ظلم کی نسبت درست ہو، بلکہ فی نفسہٖ کوئی ظلم موجود ہی نہ تھا۔ اس تہمت سے حاسدوں کا مقصود صرف یہ تھا کہ مجھے امورِ حل و عقد میں مدد دہی اور نگرانی سے جدا کر دیا جائے۔ چنانچہ ان کا یہ مقصود حاصل ہو گیا وللّٰہ الحمد!

۱۴ ذی قعدہ ۱۳۰۲ھ مطابق ۲۶ اگست ۱۸۸۵ء کو مجھ سے خطاب و القاب کا انتزاع ہو گیا۔ اور میں اس کام سے علیحدہ ہو گیا۔ بلکہ کام تو میں نے پہلے ہی چھوڑ دیا تھا اگرچہ کینے لوگوں نے مجھے اپنے افترا سے نہ چھوڑا۔ بہرکیف ۱۳۰۲ھ سے عجب طرح کا ہنگامۂ رستخیز میرے اور رئیسہ عالیہ کے متعلق روز افزوں ہے اور اخبارِ موحش و آثارِ خوف میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے اور ابھی تک ان اراجیف، ہموم، غموم اور کروب سے امن حاصل نہیں ہے۔

ایک افترار مجھ پر یہ بھی باندھا گیا کہ میں اپنے بعض بچوں کا رئیسہ عالیہ کی اولاد سے رشتہ کرنا چاہتا ہوں حالانکہ میری اولاد فارغ نہیں، بلکہ شاغل ہے اور پھر میں نسبِ سیادت کی حفاظت کو سب امور پر مقدم رکھتا ہوں دولت کے لیے قرابت کرنے سے مجھے سخت عار ہے۔ اس حیلہ سے اکتسابِ دولت و حکومت کا اندیشہ وہ کرے جو دنیا کو اپنی سعادت سمجھے ع

آنچہ فخر تست آن ننگِ من ست

ماہِ شعبان ۱۳۰۳ھ میں پریشانی و حیرانی کا سخت غلبہ تھا، اور بظاہر نجات و امن کی کوئی شکل دیکھنے سننے میں نہ آتی تھی۔ اسی اثناء میں ایک رات صبح جو نماز کے لیے بیدار ہوا تو میری زبان پر خود بخود یہ کلمہ جاری تھا۔

لَا تَخَفْ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ [۱] نہ ڈر یقیناً تو امن والوں سے ہے۔"

پھر دوسری رات بھی ایسے ہی ہوا، صبحدم بیدار ہوتے وقت یہ آیت میری زبان پر جاری تھی۔

وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ [۲] اور انہوں نے اس کے ساتھ مکر کا ارادہ کیا پس ہم نے ان کو خسارہ اٹھانے والے کر دیا۔

میں نے یقین کر لیا کہ میرے خیال و گمان کے بغیر اس قرارت و تلاوت کا دل و زبان پر جاری ہونا۔ رحمان و رحیم کی طرف سے امن و امان کی بشارت ہے۔ اس دن سے میرے دل میں استقلال اور طمانیت ہے۔ ہر چند کہ اس دوران میں لوگوں نے خوفناک خبریں سنا کر مجھے متزلزل کرنا چاہا۔ لیکن میں یقینِ غیبی پر مستقیم رہا اور ہجوم افکار سے پریشاں خاطر نہ ہوا۔

نہ شادی داد ساما نے نہ غم آورد نقصا نے

بہ پیش ہمتِ ما ہر چہ آمد بود مہما نے

اور سمجھ لیا کہ مجھ سے کچھ نہیں ہو سکتا، وہ بھی خدا کی طرف سے ایک تنبیہ تھی اور یہ بھی اسی کی طرف سے ایک تسلی ہے۔ خوش حالی اور تنگی سب اُسی ایک ذاتِ پاک کی طرف سے ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ رَبِّیَ اللّٰہُ حَسْبِیَ اللّٰہُ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ اِعْتَصَمْتُ بِاللّٰہِ فَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ مَا شَآءَ اللّٰہُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ؎

کیا فائدہ فکرِ بیش و کم سے ہو گا

ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہو گا

جو کچھ کہ ہوا، ہوا کرم سے تیرے!

جو کچھ ہو گا، ترے کرم سے ہو گا

دردِ منّت کشِ دوا نہ ہوا:

میں نے مکمل آٹھ ماہ تاج محل سے علیحدہ ہو کر نور محل میں گزارے اور اس مدّتِ دراز میں کسی خویش و بیگانہ نے ایک دن بھی قدم رنجہ نہ فرمایا ؎

رنگِ گل، نغمۂ بلبل، اثرِ بادِ بہار

جب سے ہم قید ہوئے کوئی گلستاں میں نہیں

غرہ جمادی الآخرہ ۱۳۰۳ھ کو میرے اہلِ بیت نے تنگ آ کر کلکتہ کا سفر اختیار کیا۔ اور میرے تاج محل میں رہنے کی اجازت حاصل کی ؎

اے صبا سوختگاں بر سرِ رہ منتظر اند!
کردہ عزم سفر لطفِ خدا یار تو باد!
ہیچ زاں یار سفر کردہ پیامے داری
ہمتِ اہلِ نظر قافلہ سالارِ تو باد

الحمدللہ میں نے اس طولِ تعب میں اللہ کے سوا کسی سے کوئی شکوہ نہیں کیا، نہ کسی طرح کی اعانت چاہی۔ انسان جب اپنی مصیبت کو اللہ کی طرف پھیرتا ہے اور غیر اللہ کو اس سے مطلع نہیں کرتا تو وہ مصیبت بہت جلد دُور ہو جاتی ہے۔ حالتِ عبودیت بھی اسی کی مقتضی ہے کہ عبد غیر کے روبرو نہیں بلکہ صرف آقا کے سامنے تضرع کرے۔

قَالُوْا اَتَشْكُوْا اِلَيْهِ مَا لَيْسَ يَخْفٰى عَلَيْهِ
فَقُلْتُ رَبِّيْ يَرْضٰى ذُلَّ الْعَبِيْدِ اِلَيْهِ

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ سے میری سرشت میں یہ رکھا ہے کہ ہر شخص خصوصًا کمینے آدمیوں کے منت کش ہونے سے گریز کرتا ہوں۔

برائے نعمتِ دنیا کہ خاک بر سرِ آں
منہ ز منتِ ہر سفلہ بار بر گردن
بیک دو روز زرد و نعمتش ز دست رود
بماندت ابدالدہر عار بر گردن

کھانے میں زہر:

ابتدائے عقدِ نکاح کے زمانہ میں مجھے اور رقیبہ کو طعامِ چاشت میں زہر دیا گیا تھا۔ عین تناولِ غذا کی حالت میں مجھے اور انہیں قے اور

دست شروع ہو گئے۔ ایک دو دن تک بالکل بے خبری رہی، تیسرے دن جب تقدیر الٰہی سے سب مادۂ سمیت خارج ہو گیا، تب ہوش آیا، یہ علاج بھی خزانہ غیب سے ہوا ؎

در قتلِ ما نکرد کمی انتظارِ تو
کوتاہیٔ کہ بود ز عمرِ دراز بود

لوگوں نے اس توہم کے دفع کرنے کے لیے باتیں بنائیں اور قاتل کی طرف سے خیال کو پھیر دیا۔ لیکن حقیقت حال مخفی نہ رہی ؎

تَمَنّٰی رِجَالٌ اَنْ اَمُوْتَ وَاِنْ اَمُتْ
فَتِلْكَ سَبِيْلٌ لَسْتُ فِيْهَا بِاَوْحَدٖ

مجھے معلوم ہے کہ کس نے زہر دیا اور کس لیے دلوایا۔ لیکن اس کا اظہار مصلحت کے خلاف ہے۔ امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے قاتل سے درگزر کی تھی۔ اسی طرح مرزا مظہر جانجاناں رحمہ اللہ نے بھی اپنا خون بہا معاف کر دیا تھا۔ بات درحقیقت یہ ہے کہ ہر شخص اپنے ظرف اور طبیعت کے مطابق کام کرتا ہے۔ کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں کہ جب قابو پاتے ہیں تو دشمن سے بھی درگزر کر جاتے ہیں۔ جس طرح بحمدہٖ تعالیٰ میں نے کیا اور کچھ وہ لوگ ہوتے ہیں کہ ذرا سی بھی قدرت ملے تو محسن کشی کو ثواب عظیم سمجھتے ہیں ؎

مَلَكْنَا فَكَانَ الْعَفْوُ مِنَّا سَجِيَّةً
فَلَمَّا مَلَكْتُمْ سَالَ بِالدَّمِ اَبْطَحُ

اور فارسی شاعر نے کہا ؎

بقدرِ وسعتِ مشرب بہر کس جرعۂ دادند
تو در پیمانہ مے داری و من خون در جگر دارم

اللہ تعالےٰ نے جو دنیا کو مبغوض و ملعون قرار دیا ہے تو بجا ہے، بیشک دنیا ایسی ہی جگہ ہے۔ دنیا دار ہمیشہ اہلِ دین کے دشمن ہوتے ہیں۔ نکاحِ ثانی کی عداوت اور امورِ سلطنت میں میری مدد دہی اس زہر کا باعث تھا۔ جب یہ تدبیر بھی کارآمد نہ ہوئی تو پھر اہلِ نفاق کا افترا پردازیوں پر اتفاق ہو گیا اور حکام کو ہمارے خلاف برہم کر کے جو کچھ کیا کیا ؎

اینائے زماں در پئے ہر شور و شر اند
اینا ستۂ نفاق و عین حذر اند
مانند قطار شتر ایں فرقۂ دوں!
با یکدگر اند و در پئے یکدگر اند

حالانکہ جب سے میں اس گھر میں آیا ہوں، کبھی اپنے رسوخ، نفاذِ حکم اور ترقی منصب کا اندیشہ نہیں کیا۔ میرے اوقات ہی یہ تھے کہ کام کے وقت کچہری میں بیٹھتا تھا۔ لیل و نہار کی باقی گھڑیوں کو علم و تالیف کے شغل میں صرف کرتا۔ ہر شخص سے تواضع سے پیش آیا، ہر کسی کی مداراتِ عرفی بجا لایا۔ ہمیشہ اپنے آپ کو "ا عدمن الناس" ہی جانا۔ کیونکہ اہلِ تجربہ نے کہا ہے ؎

إِنْ تَلْقَكَ الْغُرْبَةُ فِيْ مَعْشَرٍ ... قَدْ أَجْمَعُوْا فِيْكَ عَلَىٰ بُغْضِهِمْ
فَدَارِهِمْ مَا دُمْتَ فِيْ دَارِهِمْ ... وَأَرْضِهِمْ مَا دُمْتَ فِيْ أَرْضِهِمْ

لیکن بات دراصل یہ ہے کہ اس مرزبوم کے لوگ شروع سے اس امر کے عادی ہیں کہ ان پر رئیس کی طرف سے ہمیشہ قہر، زجر، جرمانہ اور معزولی کی بارش برستی رہے، تب کہیں راہِ راست پر رہتے ہیں ؎

اسی سے تو دلِ بیتاب ٹھیک رہتا ہے،
جو تجھ کو باندھ کے زلفِ سیاہ میں رکھے

رئیسہ حال کے عہد سعادت مہد میں ان کے رحم و کرم اور عفو کے سبب عقوبت معاصی سے تجاوز ہونے لگا۔ کورنمک لوگوں نے اس نعمتِ خداداد کی کچھ قدر نہ جانی، ہر کسی کو شر و فساد کا حوصلہ بڑھ گیا۔ احسانِ کریم، شیطانِ رجیم کے طغیان کا موجب ہو گیا ؎

خبیث را چو تعہد کنی و بنوازی،
بدولتِ تو گنہ میکند بانبازی

حکمتِ سعدی میں لکھا ہے کہ:

"رحم آوردن بر بداں، ستم ست بر نیکاں و عفو کردن از ظالماں جور ست بر درویشاں" ؎

نکوئی با بداں کردن چنانست
کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

اور عربی شاعر نے کہا ہے ؎

وَمَنْ يَصْنَعِ الْمَعْرُوْفَ فِيْ غَيْرِ اَهْلِهٖ   يُلَاقِيْ كَمَا لَاقٰى مُجِيْرُ اُمِّ عَامِرٖ
فَقُلْ لِذَوِي الْمَعْرُوْفِ هٰذَا جَزَاءُ مَنْ   يَجُوْدُ بِمَعْرُوْفٍ عَلٰى غَيْرِ شَاكِرٖ

ان میں کچھ ایسے لوگ بھی شامل ہو گئے، جو اپنے آپ کو اہلِ علم و دین خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ دین سے کوسوں دور ہیں اور محض شکم و شرمگاہ کے بندے، خواہشات کے پجاری، دینار و درہم کے غلام، فسق و فجور کے پرستار اور زور و شر کے تبع ہیں ؎

چو تاک از سبز پوشیہائے خود فکرِ دغل دارم

لباسِ صالحان و شیشۂ مے در بغل دارم

حاصل یہ کہ ان نمک حلال اور حلال خوروں نے ریئسہ کے ساتھ وہ کیا جو خارجیوں نے حضرت علی مرتضیٰ رضہ کے ساتھ کیا۔ اور مجھ سے اس طرح پیش آئے جس طرح یزید کا لشکر جنابِ حسین رضؓ کے ساتھ پیش آیا تھا۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ وَفِیْ کُلِّ حَالٍ وَلِکُلِّ حَالٍ وَمَعَ کُلِّ حَالٍ ؎

آشنایانِ جہاں طرفہ سلوکے کردند

آبِ خنجر عوضِ آبِ فراتم دادند

حکام کی طرف سے مجھ پر جو الزامات و اعتراضات قائم ہوئے بعض لوگوں نے ان کا جواب لکھ کر کشفِ غم کیا ہے "ماجرائے بھوپال" اس کا شاہد حال ہے، غرضکہ وہ سب اعتراضات نفس الامر میں ذنوب و آثام نہیں بلکہ محض اضغاثِ احلام ہیں۔ اگرچہ میں نے کتاب "ذم الدنیا" پڑھی تھی۔ اور تقلباتِ جہاں سے بھی آگاہی حاصل تھی۔ لیکن اس معاملہ کے وقوع نے کامل تجربہ بخش دیا ہے اور وحدت کی کثرت پر اور خلوت کی جلوت پر ترجیح کو ثابت کر دیا ہے۔ لہٰذا اب عزم صمیم ہے کہ دوبارہ اس بلا میں اختیاری یا اضطراری طور پر گرفتار نہ ہونے پاؤں۔ اور حیاتِ مستعار کے جو چند سانس باقی رہ گئے ہیں، تمنا ہے کہ کشاکشِ زمانہ سے محفوظ رہ کر آشیانۂ تنہائی میں بسر ہو جائیں ؎

ہلاکِ شیشۂ در خون نشستہ خویشم

کہ آخریں نفسش عذر خواہی سنگ ست

امام شوکانی کی تقلید کی تہمت:

اہلِ تقلید نے مجھ پر امام محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ کی تقلید کی تہمت لگائی کہ میں اپنے دین میں ان کا مقلد ہوں۔ اس تہمت میں طرفہ تماشا یہ ہے کہ جس طرح ائمہ اربعہ، مجتہدین اور دیگر سلف صالحین نے تقلید سے منع کیا ہے، اسی طرح یا اس سے بھی زیادہ ردِ تقلید میں شوکانی رح نے میدانِ مباحثہ میں جولانی دکھائی ہے اور وہ خود ایک مستقل مجتہد تھے۔ اس کے باوجود ان کی فقہ مذاہب اربعہ اہلسنت کے دائرہ سے خارج نہیں ہے۔ سوائے ایک دو خاص مسائل کے جن کی بنیاد محض رائے مجرد اور اجتہاد ناسدید پر نہیں بلکہ نص صحیح اور دلیل صریح پر ہے۔ پھر ان مسائل میں بھی وہ منفرد نہیں بلکہ سلف میں سے کئی حضرات ان کے قائل ہیں۔ پھر اس نہی کے باوجود میرا یا کسی اور کا ان کی تقلید کرنا چہ معنی ؟

میں نے اپنی تالیفات میں کئی مسائل میں ان کی مخالفت بھی کی ہے۔ کیونکہ مجھے ان کی موافقت میں کوئی واضح دلیل نہیں مل سکی۔ اگرچہ یہ بھی میرے عبور کا قصور رہے، ان کے علم وفضل کا قصور نہیں۔ وہ تو ایک محدث خالص، مفسر بحت، تابعِ دلیل، تارکِ قال وقیل، قاضی القضاۃ صنعاء دیمن، نقشبندی طریقہ کے حامل اور مذہب زیدیہ کی تردید کرنے والے تھے۔ اُنھوں نے اصول وفروعِ اسلام کو نصوص وبراہین صحیحہ پر منطبق کیا ہے۔ راجح ومرجوح کا پتہ دیا ہے۔ اور اپنی رائے کو مدوّن نہیں کیا۔ مقلد تو رائے کی تقلید کرنے والے کو کہتے ہیں، نہ کہ اسے جو روایت قبول کرنے والا ہو۔ میں نے اپنی کتب میں ان سے دلائل اور روایاتِ صحیحہ کو اسی طرح لیا ہے جس طرح اکثر مقامات پر سابق ولاحق علماء حنفیہ سے اخذ کیا ہے، جو مقامِ تحقیق وتقویٰ پر فائز تھے۔ یہ ان کی تقلید نہیں بلکہ عین اتباعِ حدیث وآیت

ہے۔ رب کعبہ کی قسم! میں ان کا مقلد مصطلح نہیں ہوں، جس طرح کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رح، حافظ ابن القیم رح، اور سید محمد بن اسمٰعیل رح وغیرہ کا بھی نہیں ہوں اگرچہ ان کے کلمات و تحقیقات کا ناقل، قابل اور قائل ضرور ہوں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ امتِ مسلمہ میں سے کسی شخص کا اتباع کسی پر بجز اللہ و رسول اللہ کے واجب نہیں ہے۔ اسی وجہ سے سارے سلف تقلیدِ رجال سے منع کرتے چلے آتے ہیں۔ پھر بھلا جو شخص ائمہ سلف کی تقلید نہیں کرتا۔ وہ ائمہ خلف کی تقلید کیوں کرنے لگا؟ لوگ تقلید اور اقتداء میں فرق نہیں کرتے۔ یہی عدم فرق اس جہالت اور اعتراض کا منشاء ہے، ورنہ اس طعن کا کوئی جواز نہیں تھا۔

ائمہ کی بے ادبی کا الزام:

رجماً بالغیب مجھ پر یہ طوفان بھی باندھا گیا کہ میں خدانخواستہ ائمہ اربعہ کے حق میں عموماً اور امام اعظم ابو حنیفہ رح کے حق میں خصوصاً بے ادب اور نامہذب ہوں۔ حالانکہ یہ محض افتراء ہے، اس کی تکذیب کے لیے میرا رسالہ "حلیۃ المنفعۃ" ہی کافی ہے۔ اگر میں ایسا ہوتا تو اپنی کتب میں ہرگز کسی حنفی مسئلہ کو ترجیح نہ دیتا، حالانکہ "مسک الختام" اور "شروح تجریدات صحیحین" وغیرہ میں بہت جگہ میں نے مذہب امام عالی مقام کو راجح لکھا ہے اور دوسرے مذہب کو مذہب مرجوح یا ضعیف یا مردود قرار دیا ہے۔ میں نے تو کسی کتاب میں بھی مقلدینِ مذاہب کے حق میں زبان قلم سے طعن و تشنیع کا کوئی لفظ نہیں نکالا چہ جائے کہ حضرات ائمہ اربعہ کے حق میں کوئی نازیبا کلمہ استعمال کروں۔

سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ! [1]

میرا چاروں ائمہ فقہ، جمیع محدثین، جملہ علماء پاک دین کے حق میں اسی طرح

[1] النور ۱۶

کا اعتقاد ہے جیسا کہ صحابہ رضہ، تابعین، تبع تابعین اور تمام سلف صالحین کے حق میں ہے۔ اگرچہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ خدا کے نزدیک ان کے تفاضلِ درجات کیا ہیں؟ میں ان سب کے حق میں بے ادبی کو سمِ قاتل اور زہرِ ہلاہل جانتا ہوں۔ میں بحمدہٖ تعالیٰ ان لوگوں میں سے نہیں ہوں کہ دنیا کے کتوں سے ڈر کر تقیہ کروں، اگر ایسا ہوتا تو آج مجھے ان آفتوں کا کیوں سامنا کرنا پڑتا، اور نہ میں ریاکار ہی ہوں، اس لیے کہ ریاکاری تو مال و جاہ اور عزت کے حصول کے لیے ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے میرے حوصلہ و ہمت سے بڑھ کر دے رکھا ہے، مجھے تحصیل حاصل سے کیا فائدہ؟ بے شک میں اس وقت تک کسی کی مجرد رائے اور اجتہاد کو نہیں مانتا جب تک کہ اسے دلیلِ سنت کے موافق نہ پاؤں، خواہ اس کا تعلق علمِ ظاہر سے ہو یا علمِ باطن سے۔ یہ طریقہ حلت و حرمت کے مسائل میں مطرد ہے۔ اور اصولِ عقائد میں متحد۔ رہے وہ امور جن کا تعلق ان دونوں اقسام میں سے کسی کے ساتھ بھی نہیں۔ وہاں میں معانی آیات و احادیث میں جملہ علماء اکابر، صلحاء اور ائمہ سلف کے اقوال و احوال پر اعتماد کرتا ہوں۔ خواہ علماء حنفیہ ہوں یا شافعیہ، حنابلہ ہوں یا مالکیہ، علماء صوفیہ ہوں یا مشائخ طریقت۔ عوام بلکہ خواص جہلا کا میرے متعلق یہ گمان کہ میں کسی عالم یا ولی اللہ کے حق میں بے ادب ہوں۔ بالکل گناہ محض ہے۔

إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا!

رہی یہ بات کہ ردِ تقلید یا ذمِ مقلدین سے سوءِ ادب لازم آتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ لازمِ مذہب کسی کے نزدیک بھی عینِ مذہب نہیں ہے اور اگر ہے تو پھر کوئی فردِ بشر بھی اس بلا سے محفوظ نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ردِ تقلید سے تو خود قرآن و حدیث بھرا پڑا ہے۔ اور علماء پر اسکی تبیین واجب ہے علم چھپانے والے کے لیے آگ کی لگام کی وعید آئی ہے، اس کے باوجود میں نے

ابقاء المنن ص ۱۳۰ تا ۱۳۸

فعلِ تقلید کی تردید کی ہے، متعین مقلدین کی نہیں۔ غیبت جب ہوتی ہے کہ خاص کسی شخص کا نام لے کر بُرا کہے۔ یہ کہنے اور لکھنے سے کہ فلاں فعل یا قول حرام، بدعت، کفر یا شرک ہے، کوئی قباحت لازم نہیں آتی۔ اسی طرح اس تصریح میں بھی کوئی برائی نہیں کہ تقلید شرعًا ثابت نہیں ہے اور اس کے قائل وفاعل دلیل اور مقصودِ تنزیل کے مخالف ہیں۔ جب تک کسی مخصوص شخص کا نام نہ لیا جائے اس میں کوئی قباحت نہیں۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ وحدت الوجود کا مسئلہ کتاب وسنّت کے واضح اور صریح نصوص کی بنیاد پر بے شک وشبہ کفر بواح ہے۔ لیکن ہم متعین طور پر اس کے قائل اولیائے کرام کو خواہ وہ مغلوب تھے یا یا مأوّل، کافر نہیں کہہ سکتے وَ قِسْ عَلٰی ہٰذَا۔ بلکہ اگر نظرِ غور سے دیکھا جائے کہ جو لوگ اتباع اور متبعین پر طعن یا سب وشتم کرتے ہیں وہ بڑی خطرناک حالت میں ہیں، اس لیے کہ یہ طعن در حقیقت شارع پر پہنچتا ہے۔ گو بعض افرادان متبعین کے ریاکار یا خطاوار ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ ورسول کے حق میں بے ادبی کفر صریح ہے، اللہ اور رسولؐ کو گالی دینے والا مرتد اور واجب القتل ہو جاتا ہے۔ بخلاف طعنِ تقلید کے کہ وہ طعن ائمہ دین پر نہیں ہوتا، اس لیے کہ وہ تو تقلید کی دعوت نہیں دیتے تھے بلکہ اس سے منع کرتے تھے، اور اتباع کا حکم تو کتاب وسنت اور آثارِ سلف میں بکثرت موجود ہے، اب جو کوئی اس پر طعن کرے گا۔ وہ روافض کے زمرہ میں داخل ہو جائے گا۔ اس لیے کہ یہ شیوہ نامرضیہ اسی فرقہ شنیعہ کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ سنّت وجماعت کو اس آفت سے سلامت رکھا ہے۔ واللہ الہادی!

تہمت وہابیت:

عام رواج کے مطابق مجھ پر مذہب وہابیت کی تہمت بھی لگائی گئی، اور اسی تہمت کو جرم عظیم قرار دے کر حکام کے پاس شکایت کی گئی، حالانکہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ سے، جن کی طرف وہابیت منسوب ہے۔ کابرا عن کابر، ابا عن جد مجھے تلمذ یا ارادت کا تعلق نہیں ہے۔ سُنا گیا ہے کہ وہ ایک حنبلی المذہب عالم تھے۔ ان کی تالیفات اس ملک میں مروج نہیں ہیں۔ ہاں میں نے ان کی صرف "کتاب التوحید" دیکھی ہے۔ اس میں آیات اور صحاح ستہ کی احادیث کے سوا اور کچھ نہیں، نہ جہاد وقتال کا ذکر ہے، نہ کسی قیل وقال کا۔ توحید کے موضوع پر ان آیات واحادیث سے زیادہ آیات واحادیث تو مجھے خود معلوم ہیں۔ پھر ان کی تقلید کے کیا معنی؟

مسئلہ جہاد ایک علیحدہ مسئلہ ہے، اسے کسی کی تقلید وعدم تقلید سے کچھ تعلق نہیں پھر مجھ جیسا شخص جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی عالم اور امام امت کی تقلید کیوں کرنے لگا؟ ۱۲۳۳ھ میں صاحبِ نجد کا ہنگامۂ رزم و بزم ختم ہو گیا تھا[۱]

---

[۱] حضرت نواب صاحبؒ کا اشارہ ان واقعات کی طرف ہے جب ۱۲۳۳ھ میں محمد علی پاشا والی مصر کے بیٹے ابراہیم پاشا کے ہاتھوں عبداللہ بن سعود بن عبدالعزیز بن محمد سعود کو شکست ہوئی، اور اس طرح اس پہلی سعودی حکومت کا خاتمہ ہو گیا، جس کی تعبیر میں..... شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ اور ان کے ساتھیوں کا بڑا ہاتھ تھا۔ مصری فوج نے پہلے سعودی پایہ تخت "درعیہ" کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، سارا شہر کھود کر پھینک دیا،

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ[1]

خدا جانے اس آخر زمانہ میں لوگوں کی عقلیں کدھر چلی گئی ہیں، بے لگام ہوکر دیوانہ وار منہ سے جو چاہتے ہیں بک ڈالتے ہیں، نہ لفظ سمجھیں نہ معنی۔ میرے اعتقاد میں علمائے یمن مثلاً سید محمد امیرؒ و قاضی شوکانیؒ علم دین میں محمد بن عبدالوہابؒ سے صدہا درجہ فائق تر تھے۔ لہٰذا جو استفادہ ان کی کتب سے ہوا، وہ آپ کی کتاب سے نہ ہو سکا[2]

اور یہی لوگ ہماری نسبت ملکِ نجد کے زیادہ قریب تھے اور شیخ کے

تمام باغ و نخلستان جڑ سے کاٹ ڈالے، بوڑھے بچے اور کمزور اور بیمار سب یکساں عتاب کا شکار ہوئے، گھروں میں آگ لگا دی گئی اور چند روز میں لہلہاتا ہوا باغ جل کر خاک بھسم ہوگیا۔" عنوان المجد ص ۲۱۳، تاریخ نجد (آلوسی) ص ۲۶-۲۴ بحوالہ "محمد بن عبدالوہاب" ص ۱۰۷، از مولانا مسعود عالم ندوی، م، خ، س۔ [1] البقرۃ: ۱۳۴

[2] حضرت نواب صاحبؒ نے شیخ کی کتب میں سے صرف "کتاب التوحید" کو ملاحظہ فرمایا تھا جیسا کہ قبل ازیں خود صراحت فرما چکے ہیں، اگر آپ شیخ کی دیگر کتب مثلاً (۱) کشف الشبہات من التوحید (۲) الاصول الثلاثۃ و ادلتہا (۳) شروط الصلوٰۃ وارکانہا (۴) اربع قواعد (۵) اصول الایمان (۶) کتاب فضل الاسلام (۷) کتاب الکبائر۔ (۸) نصیحۃ المسلمین (۹) ستۃ مواضع من السیرۃ۔

(۱۰) تفسیر الفاتحہ (۱۱) مسائل الجاہلیۃ
(۱۲) تفسیر الشہادۃ (۱۳) تفسیر علی بعض سور القرآن
(۱۴) کتاب السیرۃ اور (۱۵) الہدی النبوی وغیرہ کو بھی ملاحظہ فرما لیتے، تو شاید یہ رائے قائم نہ فرماتے۔ م، خ، س

معاصر بھی تھے، لیکن انہوں نے آپ کی تقلید اختیار نہیں کی۔ ہم اتنے دور دراز ملک میں رہتے ہوئے، جب کہ ان کے حقائق احوال سے واقفیت بھی نہیں، ان کے مذہب اور رائے کے کیونکر مقلد ہو گئے؟ ہاں یمن کے ائمۂ حدیث کی روایت ہم قبول کرتے ہیں، ان کی فقہِ سنت کو فقہِ غیر پر ترجیح دیتے ہیں، اور ان کے مدارجِ ایمان کو قوی، راسخ اور صحیح جانتے ہیں۔ صحیح مسلم میں مرفوع روایت ہے کہ:

اَلْاِیْمَانُ یَمَانٍ وَالْحِکْمَۃُ یَمَانِیَۃٌ — ایمان یمنی ہے، حکمت یمنی ہے، اور
وَالْفِقْہُ یَمَانٍ۔ — فقہ بھی یمنی ہے۔

جس کے ایمان، فقہ اور حکمت کی شہادت و خبر رسولِ مصدوق و مخبر صادق دیں، ہم اسے کس طرح نہ مانیں، ایمان سے مراد منطوقِ قرآن ہے، حکمت سے مراد علمِ سنت ہے اور فقہ سے مراد فہمِ حدیث ہے۔ وللہ الحمد۔

واللہ باللہ اگر میں اصطلاحی معنوں میں وہابی ہوتا تو کبھی بھی اسے نہ چھپاتا خواہ مجھ پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا۔ لیکن جب میں خالص محمدی اور صرف سنی ہوں تو مجھے جھوٹ بولنا کب روا ہے!

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ!

ہفواتِ عوام سے کلیجہ پک گیا ہے، اگر میرا بس ہوتا تو میں انہیں ہرگز آزاد نہ ہونے دیتا۔ وَاللّٰہُ الْھَادِیْ وَعَلَیْہِ اِعْتِمَادِیْ[1]

---

[1] امام محمد بن عبد الوہابؒ کی سیرت پر غالباً سب سے بہتر کتاب مولانا مسعود عالم ندویؒ کی "محمد بن عبد الوہابؒ۔ ایک مظلوم اور بدنام مصلح" ہے۔ م، خ، س

غریب خانہ ہے موجود ہر بلا کے لیے :

جب میرے دشمن ہر طرف سے ناکام رہے اور میری کام سے علیحدگی اور خطاب کے انتزاع کے بعد بھی ان کی مراد پوری نہ ہوئی، اس قدر تبدیلی کو انہوں نے کافی نہ سمجھا، اور میری طرف اقتحام حوادث کا کوئی راستہ نہ پایا تو ایک افترائے صریح باندھ کر ہر بار اسے شائع کرنے لگے یعنی محل یا شہر کے اندر جو حرکت و سکون ہو، وہ میری طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اگر چہ میرے فرشتوں کو بھی اس کی خبر نہ ہو۔

غرض جہان سے کیا اے فلک مرے ہوتے
غریب خانہ ہے موجود ہر بلا کے لیے
زباں چلائی، کٹے ہاتھ قطع، ہونٹ سیئے
یہ بندوبست ہوئے ہیں مری دعا کے لیے

پھر اس بارہ میں دو فریق ہیں۔

ایک فریق وہ ہے کہ فرضاً اگر میں اس کے روبرو حلف اٹھاؤں یا شاہد عدل لاؤں تو بھی میری عدم مخالفت کو تسلیم نہیں کرے گا۔ حدیث شریف میں فرمایا ہے :

"اِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ"۱؎ — ظن سب سے جھوٹی بات ہے"

اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

"اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا" ۲؎ — گمان یقین کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں آتا۔

اس ظن کی بنیاد محض اس بات پر ہے کہ میں اور رئیسہ ایک جگہ رہتے ہیں

۱؎ متفق علیہ ۲؎ النجم: ۲۸

حالانکہ میں پانچ برس سے ایک ہی مکان میں سکونت رکھنے کے باوجود اپنے ہم مسکن سے جدا رہتا ہوں۔ میری اور ان کی ہم نشینی آٹھ پہر میں ایک دو ساعت سے زیادہ نہیں ہوتی، اور وہ بھی کھانے پینے وغیرہ کی ضرورت کے موقعہ پر اور میں داخلی وخارجی کسی امر کے متعلق ان سے استفسار نہیں کیا کرتا اور نہ اپنی قدیم عادت کے مطابق انہیں کسی باب میں مشورہ یا رائے ہی دیتا ہوں، نہ وہ مجھ سے کچھ کہتی ہیں، اور نہ ہی انہیں کبھی میری رائے یا صوابدید پسند آئی ہے۔ وہ خود عقل تام اور تجربہ کی مالک ہیں۔ لیکن اس کے باوجود لوگوں کو آرام نہیں ہے، جب تک کہ میں ان کی مراد کے مطابق بالکل علیحدہ نہ ہو جاؤں۔ مگر معلوم نہیں کہ علیحدگی کے بعد پھر یہ تہمت کس کے سر پر جائے گی۔

دوسرا فریق اس امر کو بخوبی جانتا ہے کہ فی الواقع وہ میری مطیع اور پابند رائے نہیں ہیں۔ بلکہ میں ان کے ساتھ ہر امر میں مماشاۃ کرنے پر مجبور ہوں اور مجھے ان کی مخالفت کی بھی قدرت نہیں ہے۔ اور ان کا وہی حال ہے کہ:

بسلامے برنجند و بدشنامے خلعت دہند

اس جگہ بالک ہٹ، تریا ہٹ اور راج ہٹ سب جمع ہیں، اور میں بھی اپنے غنائے طبعی کا مقہور ہوں ؎

در کارِ ما مصالحِ خود داشت ناخدا	کشتی بموجِ رحمت بطوفان گزاشتیم
می آمد از کشودنِ در بوئے منتے	در بستہ باغِ خلد برضوان گزاشتیم

میں بکرات ومرات علیحدگی کا خواستگار ہو چکا ہوں اور تہِ دل سے یہ چاہتا ہوں کہ ع

بشہرِ خود روم و شہریارِ خود باشم

لیکن فکرِ بلیغ کے باوجود اب تک ہجرت کے اسبابِ میسر نہیں آئے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارِ مکہ کے ہاتھوں کلفت اور ایذا یابی کے باوجود تیرہ برس تک ہجرت نہیں کی تھی۔ اور ایک قول کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام اٹھارہ برس تک قید خانہ میں رہے۔ مکہ سے نکلنا اور جیل سے رہائی اسی وقت ہوئی جب اللہ نے چاہا۔

عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ!

اس کے باوجود بھی یہ لوگ کثرتِ حسد۔ اور اوہام و ظنونِ کاذبہ کی وجہ سے کسی وقت اپنے تجربہ، فہم اور علم سے منحرف ہو جاتے ہیں۔ اور مجھے امورِ سلطنت میں دخیل سمجھتے ہوئے معذور نہیں سمجھتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کی یہ بدگمانی اور دروغ بیانی خالقِ ارض و سما کی طرف سے ابتلا ہے۔ کاش ان کے یہ خیالات میرے حق میں میرے سیئات کا کفارہ بن جائیں۔ طرفہ تماشا تو یہ ہے کہ جو امر وہ میرے اندر موجود سمجھتے ہیں وہ صحیح طور پر فریقِ دشمن کے اندر موجود و مشاہد ہے لیکن انہیں اس وحدت وجود اور وحدت شہود کے باوصف کوئی اس فعل و حرکت کے ساتھ متہم نہیں کرتا، بلکہ دوسروں کا عیب مجھ پر لگایا جاتا ہے۔

رَمَتْنِیْ بِدَائِهَا وَانْسَلَّتْ ؎

جرم از طرف غیر و ملامت ہمہ بر من
گوئی سرانگشت ملامت زدہ گانم

میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اگرچہ ہر طرف سے سخت دلدل میں گرفتار ہو گیا ہوں اور "هَلْ إِلَىٰ خُرُوجٍ مِّن سَبِيلٍ[1]" کہتا ہوں لیکن اس نے ابھی تک مجھے دشمنوں کی دست برد سے محفوظ رکھا ہے:

فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيٓ إِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ؏[2]	پس بیشک وہ رب العالمین کے سوا سب کے سب میرے دشمن ہیں۔

[1] المومن : ۱۱ ۔ [2] الشعراء : ۷۷

سوا اس کی حفاظت مجھے دنیا و دین میں کافی ہے۔

اور یہ فتنہ پرداز لوگ :

اس فتنہ کا دھواں صرف اخوان الشیاطین ہی کی طرف سے نہیں بلکہ ارکانِ ضلالت اور عمائدِ فسق سب ہی نے اتفاق کر کے یہ بادِ گرد تارک چرخ مقرنس تک بلند کیا ؎

بے خبرے چند ز خود بے خبر
عیب پسندند بر غم ہنر
دود شوند از بدماغی رسند
باد شوند از بچراغی رسند

اس زلازل و قلاقل میں مجھے اللہ پاک کی صفاتِ جلال و جمال کا بخوبی شہود ہو گیا اور جو ایمان بالقدر پہلے علم الیقین کے مرتبہ میں تھا وہ اب عین الیقین بن گیا۔ بصیرت بصر پر غالب آ گئی، نمک حلالی و کورنمکی، دیانت و خیانت، صدق و کذب اور نفاق و اخلاص کا امتحان اور تجربہ کامل بخوبی حاصل ہو گیا۔ عقائد و اعمال کا حال و مآل مہر نیمروز اور ماہ نیم ماہ کی طرح واضح ہو گیا، تقیہ و تمذہب کا فرق بھی سمجھ میں آ گیا۔ بندگانِ شکم اور محرمانِ حرم کا تفاوت بھی ثابت ہو گیا۔ الف ب ج ح س س ع ق ق ل م م م ب ک ی وغیرہ کی خیر خواہیاں آنکھ سے دیکھ لیں، ان میں غالباً وہ لوگ ہیں، جن کی تمام عمر اسی گھر کی نمک خواری میں گزر چکی تھی، پھر نئے خبر سگالوں کا ذکر کیا؟ ایک شخص نے ۱۲ نمبر دوسرے نے دوگنی، تیسرے نے پانچ گنی، چوتھے نے دس گنی، پانچویں نے ۲۵ نمبر، چھٹے نے ۳۰ نمبر، ساتویں نے ۴۵ نمبر نصیحت ادا کی۔ الف ل م اس جنود مجندہ کے سرگروہ ہیں۔ بارہا آ سنیں سنا کرتے تھے، اب

جو دیکھا تو اژدہا کو کمین میں پایا۔ جو دشمنی ابلیسِ لعین نے آدم علیہ السلام سے کی تھی، اسی طرح کی عداوت اولادِ ابوالجان نے مجھ ناتوان سے برتی۔ ہمارے سارے ہنر اس جگہ عیب ٹھہر گئے، تمام منکرات، معروفات کی طرح سامنے آئے، انجام پر کسی نے غور نہ کیا، اور نہ اب تک ہوش ہے کہ کیا ہو رہا ہے، بلکہ کمال دور اندیشی و دانشمندی کے دعویٰ کے باوجود کسی نے اپنا کچھ نفع و نقصان نہ پہچانا۔ یہ حروف مقطعات و اعدادِ مختصرات اسرارِ مخفی ہیں، جن کا اظہار کرنا ممکن نہیں ہے ؎

باہر بد و نیک راز نتوانم گفت
کوتاہ سخنم دراز نتوانم گفت
حالے دارم کہ شرح نتوانم داد
رازے دارم کہ باز نتوانم گفت!

حضرت حذیفہ رض کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منافقین کے متعلق علم حاصل ہوتا تھا۔ مگر انہیں اس کے اظہار کی اجازت نہ تھی۔ حضرت ابوہریرہؓ کو بنو امیہ کے مفسدین کے حالات کا علم تھا۔ لیکن قتل کے خوف سے خاموش تھے۔ مجھے بھی وہ اسرار معلوم ہیں۔ جن کو سوائے میرے اور ایک نفسِ امّارہ بالسوء کے کوئی دوسرا نہیں جانتا۔ لیکن میں اس کے افشاء میں مصلحت نہیں دیکھتا۔ "کہ اس قدر کہتا ہوں:

"کہ کرد کہ نیافت"

بھلا یہ بھی کہیں ممکن ہے کہ بدی کا انجام یہاں یا وہاں بد نہ ہو:

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ [1] اور جو شخص ایک ذرے کے برابر برائی کرتا ہے اس کو دیکھ لے گا۔

بغاوت و مکر ایسی چیز ہے کہ کرنے والے پر ہی پلٹ کر آتی ہے۔

وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ ؕ

کم ظرف آدمیوں کا یہ حال دیکھا کہ ذرا سی نمائش پر جامہ سے باہر ہو جاتے ہیں۔ ہر طرف اظہارِ شادمانی کر کے بالا خوانی پر اتر آتے ہیں۔ ہر کہ و مہ کے سامنے اترانے لگتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس طرف تو ان امور پر بھی کچھ مسرت حاصل نہ ہوئی جو مابہ المسرت تھے۔ خدا کرے کہ ہمیں دنیا کے کسی کام پر مسرت نہ ہو۔ بڑی مسرت یہ ہے کہ ہم اللہ کے سچے بندے، پکے ایماندار، اور وفادار غلام بنے رہیں۔ وہ ہم پر اپنا فضل کرے، طریق عدل پر ہمارے ساتھ معاملہ نہ فرمائے۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ

خوشی ان لغوں لچوں کو زیادہ ہوتی ہے جو فقط اسی دنیا نے دوں کے جینے کو حیات اور اسی جگہ دل کی خواہشیں پوری کرنے کو سعادت جانتے ہیں۔ اور سوا سونے، کھانے، پینے اور لہو و لعب کے کوئی فکرِ عقبیٰ نہیں رکھتے ۔

گر آدمئی نزا ہنر بالیستے

قولِ تو بلیغ و معتبر بالیستے!

جز خوردن و خواب چوں نداری کارے

گوشِ تو ازیں دراز تر بالیستے!

مجھے ان اظہارات کی بابت بہت کچھ لحاظ تھا۔ لیکن جب کوئی معرفہ نہ دیکھا تو بحکم:

"مَا بَالُ اَقْوَامٍ يَفْعَلُوْنَ كَذَا وَكَذَا" ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو ایسے ایسے کام کرتے ہیں؟"

غیبتِ حرام سے اجتناب کے پیشِ نظر بطورِ معما قدرے قلیل لکھا

گیا ؎

فریاد حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست
ہم قصۂ عجیب و حدیثِ غریب ہست

اور عربی شاعر نے کیا ؎

شَكَوْتُ وَمَا شَكْوٰى لِمِثْلِي عَادَةٌ
وَلٰكِنْ تَفِيضُ الْكَأْسُ عِنْدَ امْتِلَائِهَا

اس کے باوجود ابھی تک بہت سے مخفی امور پردہ راز میں ہیں، جن کے بیان کرنے میں قباحت ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

انکارِ ولایت کا الزام:

بعض لوگوں کو یہ گمان ہے کہ میں اولیاء اللہ تعالیٰ کا معتقد نہیں ہوں، حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے، کیونکہ ولایتِ خدا کا وجود کتاب و سنت دونوں سے ثابت ہے۔ اور وقوعِ کرامات پر بھی قرآن و حدیث دلیل ہیں۔ پھر انکار کے کیا معنی؟ بلکہ میرے کتاب خانہ میں کتبِ تفسیر و حدیث کے بعد سب سے زیادہ کتب علم تصوف اور طبقاتِ اولیاء کی ہیں۔ مثلاً "رسالہ قشیری مع شرح" "احیاء العلوم" عربی و اردو مع ملخصِ احیاء، "عوارف"، "تعرف"، "طبقات کبریٰ"، "للشعرانی رح"، "اخیار الاخیار"، "مدارج السالکین" اور "قطر الولی" وغیرہ میں نے ان کتابوں سے بہت کچھ فائدہ حاصل کیا ہے، بلکہ اس باب میں میری اپنی تالیفات بھی موجود ہیں۔ مثلاً "ریاض المرتاض" "مکارم اخلاق ترجمہ ریاض الصالحین"، "خیرۃ الخیرۃ" وغیرہ۔

ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ میں اس علم میں بھی کتاب و سنت کا پابند ہوں اور اس حال و قال کا معتقد اور قائل نہیں ہوں، جو نصِ کتاب یا دلیلِ سنت کے خلاف ہو، اور نہ ان رسوم مشائخ کو جائز جانتا ہوں جو کسی برہان پر مبنی نہیں ہیں کیونکہ جس طرح تقلید فروع احکام میں بے اصل ہے، اسی طرح مکشوفات و رسوم میں بھی بے سند ہے۔ صوفیہ صافیہ میں سے کوئی شخص کسی خاص مذہب کا مقلد نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کہا گیا ہے:

"اَلصُّوفِيُّ لَا مَذْهَبَ لَهٗ" صوفی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا"

"احیاء العلوم" اور "فتوحاتِ مکیہ" کو دیکھو کہ ان میں تقلید اختیار کرنے سے کس قدر تحذیر اور اتباع اختیار کرنے میں کس قدر تحریض ہے۔ سید الطائفہ حضرت جنیدؒ نے جو یہ فرمایا ہے تو کوئی مبالغہ نہیں کیا ؎

"طَرِيْقَتُنَا هٰذِهٖ مُقَيَّدَةٌ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ" ہمارا یہ طریقہ کتاب و سنت کے ساتھ مقید ہے"

سارے خلف و سلف مشائخ اسی قول و حال پر گزرے ہیں۔ بلکہ اکثر صوفیا علم ظاہر میں ظاہری المشرب تھے۔ جیسے ابن عربیؒ وغیرہ اور بعض جو کسی مذہب کی طرف منسوب تھے تو وہ بھی بطریق تستر تھے، بطورِ تحقیق نہیں جیسے جیلیؒ حنبلی کہلاتے تھے تاکہ عامۃ الناس کے اعتراض سے محفوظ رہیں جو کہ جامد علی التقلید ہوتے ہیں۔ جنیدؒ پر جب حقائقِ توحید کے بیان کی بابت اعتراض اور مواخذہ ہونے لگا تو وہ متستر بفقہ ہو گئے، اور سفیان ثوریؒ کے مقلد ہو کر فقیہ مشہور ہو گئے۔

تصوف و سلوک سے مراد مرتبۂ احسان میں استقامت ہے نہ کہ کرامات اور کشوفات و رسوم کا اظہار کہ یہ نہ اصل مقصود ہیں، اور نہ وسائل مقصود، بلکہ

مجاہدات اور ریاضات کے ثمرات ہیں۔ کسی کو یہ ثمرہ اس جگہ حاصل ہوتا ہے، اور راسخین فی العلم والعمل کو اُس جگہ ظاہر ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ رض و تابعین رح سے کرامات کا صدور بہت کم ہوتا تھا۔ اور اولیائے خلف سے بہت زیادہ ظاہر ہوا حالانکہ کوئی ولی، صحابی کے ادنیٰ مرتبہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اس مسئلہ پر ساری امت کا اجماع ہے۔ اگر "اولیاء الرحمٰن" اور "اولیاء الشیاطین" کے فرق کو سمجھنا ہو تو "کتاب الفرقان" کا مطالعہ کرو، اگر تصوفِ صافی ملاحظہ کرنا ہو تو..... "مدارج السالکین" دیکھو، اگر سلوک سنّی منظور ہو تو "ریاض المرتاض"، کفایت کرتی ہے۔ علاوہ ازیں اکثر صحابہ رض کو دنیا ہی میں جنّت کی بشارت دی گئی لیکن اولیائے کرام کا انجام ہمیں معلوم نہیں وہ صرف خدا کو معلوم ہے کہ کس کا خاتمہ اچھا ہوا اور کس کا اچھا نہ ہوا۔ اپنا کشف اپنے حق میں یا کسی دوسرے کا کشف اپنے حق میں محل خطا و صواب ہوتا ہے۔ اس لیے کہ کسی کے حق میں ہم جزم کے ساتھ حسنِ خاتمہ اور وجوبِ جنت کے متعلق نہیں کہہ سکتے اگرچہ ہر مسلمانِ صادق کے حق میں مغفرت کی اُمید رکھتے ہیں۔ پھر اولیاء کا کیا ذکر کہ وہ تو صفوۃ الصفوۃ، خیرۃ الخیرۃ اور نخبۃ النخبہ ہیں: جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ وَحَشَرَنَا فِي زُمْرَتِهِمْ تَحْتَ لِوَاءِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ!

تالیفات پر اعتراضات:

میری تالیفات پر بعض قاصرین نے براہِ حسد کچھ فاسد قسم کے اعتراضات بھی کیے ہیں۔ لیکن یہ مصیبت بھی درحقیقت احسان ہے۔ حاسد نے مجھ پر احسان کیا کہ اپنی نیکیوں کو میری برائیوں کی میزان میں ڈال دیا۔ اگر ان کے اعتراضات اخلاص اور نیتِ صادقہ پر مبنی ہوتے اور مقصود حق اور دین کی حفاظت

ہوتی تو انہیں بہت کچھ اجر حاصل ہوتا۔ لیکن افسوس تو یہ کہ ان کی بنیاد "عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ" ہے، اور ان کا تعلق مجرد حمیتِ جاہلیت اور عصبیت و نفسانیت سے ہے، اس لیے ان اعتراضات کا نفسِ مسائل سے بہت کم تعلق ہے، اکثر موا خذات لاطائل ہیں۔ اس کے باوجود میں جانتا ہوں ع

ہیچ نفس بشر خالی از خطا نبود

اگر یہ بات نہ ہو تو پھر خالق و مخلوق کے کلام میں کیا فرق رہ جائے ؎

مجھے یہ ڈر ہے کہ ایمان لے نہ آئیں لوگ
خدا کرے غلطی کچھ میرے سخن میں رہے

مثل مشہور ہے کہ:

"اَلْفَاضِلُ مَنْ عُدَّتْ سَقَطَاتُہٗ
وَاُحْصِیَتْ مُلْتَقَطَاتُہٗ"

سعدیؒ نے کہا ہے کہ:

"متکلم را تا کسے عیب نہ گیرد سخنش صلاح نہ پذیرد" ؎

مشو غرہ بر حسنِ گفتارِ خویش
بتحسینِ نادان و پندارِ خویش

الغرض اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میں کسی کلام میں خطا نہ کروں، تو اسے بشر نہیں سمجھنا چاہیے۔ اہل تجربہ نے کہا ہے:

اَیُّ جَوَادٍ وَاِنْ عَتَقَ مَا یَکْبُوْ وَاَیُّ عَضْبٍ مُھَنَّدٍ لَا یَکِلُّ وَلَا یَنْبُوْ ۔	کونسا تیز رفتار گھوڑا ہے جو گردن اٹھا کر رکھنے کے باوجود کبھی منہ کے بل نہ گرتا ہو اور کونسی تیز ہندی تلوار ہے جو کبھی کند نہ ہوتی ہو اور کبھی کاٹنے میں ناکام نہ ہوتی ہو"

مقریزیؒ نے کتاب "المواعظ والاعتبار" میں عذر مذکور لکھ کر اپنی پریشانی کا حال یوں بیان کیا ہے:

"لَا سِيَّمَا وَالْخَاطِرُ بِالْأَفْكَارِ مَشْغُولٌ وَالْعَزْمُ لِالْتِوَاءِ الْأُمُورِ وَتَعَسُّرِهَا فَاتِرٌ مَحْلُولٌ وَالذِّهْنُ مِنْ خُطُوبِ هٰذَا الزَّمَنِ الْقَطُوبِ كَلِيلٌ وَالْقَلْبُ لِتَوَالِي الْمِحَنِ وَتَوَاتُرِ الْإِحَنِ عَلِيلٌ" ؎

خصوصاً جب کہ دل افکار میں مشغول ہے، عزم امور کے التواء اور مشکل ہونے کی وجہ سے پریشان ہے، ذہن اس پر فتن زمانے کے حوادث کی وجہ سے مضمحل ہے اور دل آلام ومصائب کے پے درپے نزول کی وجہ سے بیمار رہے۔

يُعَانِدُنِي دَهْرِي كَأَنِّي عَدُوُّهُ ۔۔۔ وَفِي كُلِّ يَوْمٍ بِالْكَرِيهَةِ يَلْقَانِي

فَإِنْ رُمْتُ شَيْئًا جَاءَنِي مِنْهُ ضِدُّهُ ۔۔۔ وَإِنْ رَاقَ لِي يَوْمًا تَكَدَّرَ فِي الثَّانِي

پھر لکھا ہے:

"اَللّٰهُمَّ غَفْرًا مَا هٰذَا مِنَ التَّبَرُّمِ بِالْقَضَاءِ وَلَا التَّضَجُّرِ بِالْمَقْدُورِ بَلْ أَنَّةُ سَقِيمٍ وَنَفْثَةُ مَصْدُورٍ يَسْتَرْوِحُ إِنْ أَبْدَى التَّوَجُّعَ وَالْأَنِينَ وَيَجِدُ خِفًّا مِنْ ثِقْلِهِ إِذَا بَاحَ بِالشَّكْوَى وَالْحَنِينِ"

اے اللہ! مغفرت فرما! یہ قضا پر تنگدلی اور مقدور پر بے چینی نہیں ہے بلکہ یہ تو بیمار کا کراہنا اور سینہ کے مریض کا تھوکنا ہے۔ وہ (مریض) درد اور کراہنے کے اظہار سے آرام پاتا ہے، اور جب وہ کھل کر شکوہ وشکایت اور گریہ وزاری کا اظہار کرتا ہے تو اسے اپنے بوجھ میں قدرے تخفیف محسوس ہوتی ہے۔

؎

وَلَوْ نَظَرُوا بَيْنَ الْجَوَانِحِ وَالْحَشَا ۔۔۔ رَأَوْا مِنْ كِتَابِ الْحُبِّ فِي كَبِدِي سَطْرًا

وَلَوْ جَرَّبُوا مَا قَدْ لَقِيتُ مِنَ الْهَوَى ۔۔۔ إِذًا عَذَرُونِي أَوْ جَعَلْتُ لَهُمْ عُذْرًا

سنہ ۱۳۰۱ھ سے مسلسل بعینہٖ یہی حال میرا ابھی ہو رہا ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ!

؎ اَضَاعُوْنِیْ وَاَیَّ فَتًی اَضَاعُوْا
لِیَوْمِ کَرِیْہَۃٍ وَسَدَادِ ثَغْرٍ!

آمدم بر سرِ مطلب اب میں اہلِ انصاف کی خدمت میں یہی بات کہتا ہوں کہ میری تالیف ہو یا کسی اور عالم کی، خواہ قدیم ہو یا جدید، ہر مسلمان ایماندار تقویٰ شعار کو اس کی بابت کلمہ مشہورہ "خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا کَدِرَ۔" پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔ اس لیے کہ غلطی، خطا، اختلاف، تناقض اور تعارض اور ان جیسے دوسرے عیوب سے صرف اللہ و رسول ؐ کا کلام ہی محفوظ ہے اور کسی کو یہ بات میسر نہیں:

وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا۔[1]	اور اگر وہ (قرآن) اللہ کے غیر کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت اختلاف پاتے۔"

یہ بات کہ میری تالیف ہر خطا و نقصان یا سہو و نسیان سے محفوظ ہے، ایک خیالِ مختل اور تعینِ معتل ہے۔ ہاں جاہل بے شعور یہ کرتا ہے، کہ جب کوئی شخص کسی کی تالیف پر اعتراض اور اس کی تردید کرتا ہے، گو وہ درجہ علم و فضل میں اس معترض علیہ سے کم ہو مگر وہ جاہل یوں گمان کر لیتا ہے کہ وہ تالیف ناقص و ناقابلِ قبول ہے۔ حالانکہ یہ بات بالکل خلافِ عقل ہے۔ کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ دو چار مقامات میں خطا و سہو سے، اس تالیف کے سارے فضائل بے اعتبار ٹھہر جائیں، بلکہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ کم علم لوگ زیادہ علم والوں پر معترض ہوتے ہیں۔ اور اعتراض محض عدمِ فہم، قلتِ عبور یا تحصیلِ شہرت کے لیے ہوتا ہے۔ عقلمند وہ ہے جو یہ تصنیف کو میزان میں رکھ کر پرکھے، عمدہ تحقیقات علوم کو قبول کرے

[1] النساء: ۸۲

اور اقوالِ ضعیفہ کو ترک کر دے، یا ان کی اصلاح فرمائیے، اور نسخہ غلط کو صحیح کرے، مؤلف زندہ ہو تو اسے مطلع کرے، اور جلد بازی سے بغیر سمجھے بوجھے اعتراض نہ کردے۔ ہم نے دیکھا کہ بعض لوگوں نے بعض تالیفات پر اعتراض کئے لیکن وہ سب انہی پر منقلب ہوتے تھے، اور بعض ایسے دعوے پیش کیے، جن میں وہ خود مدعا علیہ بن گئے۔

ایک شخص نے کہا کہ مباہلہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھا۔ لیکن تنقیح کے وقت عدمِ خصوصیت واضح ہو گئی یا جیسے دعوے کہ سیوطیؒ، ابن حجر عسقلانیؒ کے شاگرد نہیں تھے، حالانکہ خود سیوطیؒ اپنی کتاب "تدریب الراوی" میں اپنے آپ کو ان کا شاگرد لکھا ہے اور اسی طرح شعرانیؒ نے بھی "منن کبریٰ" میں انہیں حافظ ابن حجرؒ کا شاگرد لکھا ہے۔ وقِس علیٰ ہذا!

میری تالیفات پر بھی اسی قسم کے اعتراضات ہوئے، جو کہ میزان میں صحیح ثابت نہ ہوئے، البتہ بعض وہ اعتراض ضرور قرینِ قیاس تھے، جن کی بنیاد سہو القلم، کاتب، ناقل، طابع یا مطابقتِ ماخذ پر تھی، ان میں سے بھی بعض غیر قرینِ قیاس تھے، بہرحال جو اعتراض براہِ اخلاص ہو، وہ بلاشک لائقِ قبول ہوتا ہے، اور جس کی بنیاد آب وسراب پر ہو یا خیال وخواب پر محرومنافست وتحاسد پر، اللہ اس میں برکت نہیں دیتا۔ اور اس کتاب ومؤلفِ کتاب کو نظرِ اعتبار سے ساقط نہیں کرتا۔ کسی مؤلف کی یہ تمنا کہ لوگ ہماری تالیف کو قبولیت بخشیں، ہم کو بڑا عالم سمجھ کر تواضع سے پیش آئیں اور ہمارے سامنے کسی دوسرے اہلِ علم کی رفعت و وقعت باقی نہ رہے، عین ریا، عجب، کبر، حسد، اور حقد ہے۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا!

میں تمام جہان کے علماء سے یہ چاہتا ہوں کہ وہ میری کسی کتاب کی کوئی بات اس صورت میں ہرگز قبول نہ کریں۔ جب کہ وہ کتاب وسنت اور علمائے سلف

اور ائمہ ملت کی تحقیقات کے خلاف ہو بلکہ:

"کالائے بد بریش خاوند"

سمجھ کر پھینک دیں۔ مجھے اس امر کا کچھ ملال دامن گیر نہ ہوگا۔ اس لیے کہ میں نہ تو معصوم ہوں اور نہ مجھے اپنے غلطی سے محفوظ ہونے کا دعویٰ ہے۔ بلکہ کثیر التالیف شخص سہو و نسیان کا لازماً شکار ہو جایا کرتا ہے۔

اہل بیت کا ظاہری برتاؤ:

میرے اہل بیت کا مجھ سے ظاہری برتاؤ ایسا تھا جس سے سب نے یہ جانا کہ گویا میں ہی اس جگہ صاحبِ حل و عقد ہوں، اور باطن میں مجھے کسی بات کا اختیار نہ دیا۔ اور اسی وجہ سے میں آلام و مصائب کا تختۂ مشق بنا ؎

ہمارے دوست کی ہم پر یہ مہربانی ہے
ہمارے واسطے جو کچھ ہر اک عدو نے کیا

اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا تو شاید خدا کے حکم سے ان آفتوں کی نوبت نہ آتی۔ میری یہ تمنا نہیں تھی کہ میں رسائی حاصل کر کے کوئی ناجائز نفع حاصل کروں۔ اگر اوروں کی طرح عیاذاً باللہ۔ کذب، خیانت اور مکر سے کام لیتا تو آج وہ بھی مجھ سے اس موجودہ حالت کی بہ نسبت زیادہ خوش ہوتیں۔ کیونکہ مستورات کا مزاج دروغ پسند اور فریب زدہ ہوتا ہے، چنانچہ لوگوں نے خیانت کی، خیر خواہی کے پردے میں بدخواہی کا کام کیا۔ اور ہم راز بن کر زرِ خطیبہ خرد برد کر دیا۔ وہ لوگ اب تک زیادہ ملتفت الیہ اور معتمد علیہ ہیں۔ اور جس نے حق بات ناصحانہ کہی اور سچی دلسوزی سے پیش آیا وہی دشمن ٹھہرا۔

وَكَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُوْرًا ؎

بنی اسرائیل: ۵۸

قدر ہم چاہنے والوں کی تر سے دیکھ چکے
خوار پھرتا ہے پرانا تو پشیمان نیا

لوگوں کی ناراضگی کا اصل سبب:

لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ میں فقط اپنا ہی بھلا چاہتا ہوں۔ کسی اور کا خیر طلب نہیں ہوں، حالانکہ اپنی بھلائی کے لیے میں نے کبھی کوئی فکر اور درخواست نہیں کی۔ جس دن سے مجھے اس ریاست سے کچھ تعلق یا توسل ہوا ہے، جسے پینتیس[۳۵] برس ہو رہے ہیں، اس مدتِ دراز میں میں نے کبھی بھی تنخواہ میں اضافہ کا سوال نہیں کیا نہ ترقی کی درخواست کی، نہ سفارش لایا، نہ اپنے لیے، نہ اولاد کے لیے اور نہ کسی قریبی عزیز کے لیے، مجھے جو کچھ ملا وہ میری کوشش اور کشش کے بغیر ہی ملا۔ میں نے اپنے تمام وقت کو آقا کی رضا جوئی میں صرف کیا اور وہی میرا بڑا جادو تھا۔ امتثالِ امر میں کبھی کسی خویش و بیگانہ کی رعایت نہیں کی، اسی وجہ سے میں لوگوں کے خاطر خاطر پہ گراں گزرا ؎

چوں کوہ کنش محنتِ سخت آمدہ در پیش
ایں بود سزائے دلِ راحت طلبِ ما

مکروہات میں شرکت:

شرک و کبائر تو نہیں البتہ بہت سے دنیاوی مکروہات اور صغیرہ گناہوں میں اس قرابت کی وجہ سے کراہتِ طبیعت کے ساتھ شریک ہونا پڑا کیونکہ مستورات کے لیے اپنی رسوم کی پابندی جملہ امور سے مقدم ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص ان کے کھیل تماشے میں شریک نہ ہو تو ان پر بہت گراں گزرتا ہے۔ اور ان کے

نزدیک بڑا مخلص وہی ہے جو ان کے ہر مکروہ فعل کو ممدوح قرار دے ۔ میں اگر محض ملازم یا ہم رتبہ زوج ہوتا تو ان اثقال کو کبھی بھی نہ اُٹھاتا ۔ لیکن ناگہاں ایسے جال میں پھنس گیا کہ اس سے رہائی میرے اختیار میں نہ رہی ۔

ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۔

کیونکہ اس کی نگہ ناز سے جینا ہوگا

زہر دے اس پہ یہ تاکید کہ پینا ہوگا!

چین دینے نہیں وہ داغ کسی طرح مجھے!

میں جو مرتا ہوں تو کہتے ہیں کہ جینا ہوگا!

لیکن میں اب پانچ برس سے بحمدہٖ تعالیٰ کل امور داخلہ وخارجہ سے علیحدہ ہوں ۔ وللہ الحمد والمنۃ !

دنیا میں معیار :

میں نے امانت ، دیانت ، عفت اور صدق کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا جیسا کہ ہر مومن ، دیندار اور مسلم پرہیزگار پر واجب ہے ۔ جس طرح میرا یہ فعل اہلِ بیت کو ناگوار محسوس ہوا ۔ اسی طرح جملہ رعایا پر بھی نہایت گراں گزرا ۔ اگر میں حرام کار ، مکار ، دغاباز ، چالاک ، سفاک ، خائن ، خودغرض اور بندۂ دنیا ہوتا تو سب کے نزدیک مقبول اور ہر دلعزیز ہوتا ۔ کیونکہ میں یہ دیکھتا ہوں کہ جو اخوان وارکان ان مذکورہ اوصاف کے ساتھ متصف ہیں ، وہ مجھ سے زیادہ عزیز اور کامیاب ہیں ۔ اور ان کا جو پاسِ خاطر ہے وہ میرا نہیں ، اور جو قدر ان کی ہے وہ میری نہیں ۔ لیکن میں اس مشکل کو بھی خدا کا ایک احسان سمجھ کر اس کا شکر ادا کرتا ہوں ، اور جانتا ہوں کہ وقفۂ زندگی بہت کم ہے ۔ آنکھ بند ہوتے ہی ہر کسی کو

اپنے کام کے انجام کا آغاز معلوم ہو جاتا ہے ؎

بوقتِ صبح شود ہمچو روز معلومت
کہ باکہ باختۂ عشق در شبِ دیجور

تجاہلِ عارفانہ :

میرے دشمن اور حاسد جو میرے حال وقال کی حقیقت سے واقف ہیں۔ یا تجاہلِ عارفانہ کرتے ہیں، اُنہوں نے سب کو چھوڑ کر صرف مجھے اپنے عداوت اور حسد کے تیروں کا نشانہ بنا رکھا ہے۔ شہر و دیار میں جو حوادثِ روز گار اور تقلباتِ لیل و نہار ہوتے ہیں، وہ سب رجمًا بالغیب میری ہی طرف منسوب کئے جاتے ہیں حالانکہ میں طبعًا تمام دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوں۔ اور میری اس عادت کو وہ لوگ بھی غالبًا جانتے ہیں۔ اور میری آزادگی سیرت اور بے پروائی خاطر کو بھی بخوبی پہچانتے ہیں ؎

ہمت نگر کہ ہر ورقِ دفترِ اُمید
صد پارہ کردہ ایم و بخونناب شستہ ایم

اللہ تعالیٰ نے اس جگہ سب کے دلوں سے صدق و راستی کے نور کو چھین لیا ہے۔ اِلّا ماشاء اللہ تعالیٰ ! اور جس قدر حسد اور کینہ کا یہاں چرچا ہے شاید ہی کسی دوسرے شہر میں ہوا ور یہاں کے لوگوں کو علم اور دین سے جو نفرت ہے کسی اور جگہ معلوم نہیں ہوتی۔ اگرچہ اس آخری زمانہ میں کوئی قصبہ یا شہر قیامت کی ان علامات وغیرہ سے محفوظ نہیں رہا۔

علیحدگی کے باوجود مصائب کا ہجوم :

میں بلا قصد و نیت ، شادی اور اولاد کی وجہ سے یہاں کا متوطن ہو گیا تھا ۔ میرا خیال تھا کہ جرم کے بغیر کوئی شخص مجرم نہیں ٹھہرتا ۔ اگر ریاست سے میرا تعلق ختم ہو جائے گا ۔ تو میں مجرد رعیت بن کر یہاں رہ سکتا ہوں ۔ لہٰذا اپنے گھر میں گوشہ گزیں رہوں گا ۔ جس طرح کہ عام لوگ رہتے ہیں ۔ لیکن مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ علیحدگی کے باوجود مصیبتوں اور آزمائشوں کے تیروں کا ہدف بنایا جاؤں گا ۔ اور بغیر جرم کے عام لوگوں کی بہ نسبت زیادہ مجرم اور عاصی قرار دیا جاؤں گا ۔ اب جو اس بلا میں پھنس گیا ہوں اور نقل مکانی کرنا چاہتا ہوں تو کوئی درست تدبیر سمجھ میں نہیں آتی ہے چارو ناچار تقدیر پہ صبر کر رہا ہوں ، اور اللہ تعالےٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے جملہ شر ور سے محفوظ رکھے گا ۔ حتیٰ کہ میری دلی تمنا بر آئے اور مجھے ہجرت کی توفیق مل جائے ؎

ما گر شنیم ز بھوپال تو دلشاد نشین
قفل بر در مزن و خار بدیوار منہ

یہ نہیں ہو سکتا :

میں نے یہاں کے سخت لوگوں سے بڑی ظاہری و باطنی تکلیف اٹھائی ہے اور مجھ لاغر کی طرف سے انہیں کوئی آزار نہیں پہنچا ، جس کسی امر کو انھوں نے میری طرف سے سمجھا ہے ۔ میں نفس الامر میں اس سے بری ہوں اور اس بات پہ مباہلہ کرنے کو بھی تیار رہوں ؎

دشمنی فکرِ کسان دوستی اندیشۂ ما ؎
عیب شغلِ دگران ست و ہُنر پیشۂ ما

کینہ کی یہ کارروائی میرے ساتھ محض حسد کی وجہ سے کی گئی ہے، وہ مجھ سے خود اس بات کے طالب تھے کہ میں ان کے سب کام ہمیشہ ان کے منشا کے مطابق کرتا رہوں۔ لیکن میں اس معاملہ میں قاصر تھا۔ کیونکہ میں نہ رئیس تھا اور نہ رئیس کی طرف سے مختار۔ علاوہ ازیں اگر مجبورِ بے اعتبار نہ بھی ہوتا تب بھی مجھ سے یہ امر ممکن نہ تھا کہ کسی شخص کی خاطر، خواہ وہ میرا لختِ جگر یا عزیزِ کرم گستر ہی کیوں نہ ہو، کوئی ایسا امر بجا لاؤں جو آقا یا عقل و دین کی مرضی کے خلاف ہو۔ بفرضِ محال اگر میری سابقہ حالت پھر لوٹ آئے تو بھی میں اپنی روشِ قدیم سے منحرف نہیں ہو سکتا۔

احسان فراموش :

قدیم متوسلین کے علاوہ اس فتنہ کو برپا کرنے میں ان لوگوں نے بھی حصّہ لیا۔ جنہیں میں نے ذلت کے گڑھے سے نکال کر اوجِ عزت پر پہنچایا تھا اور معمر، کارگزار، شریف القوم، اور صاحبِ علم و ہنر سمجھ کر اس جگہ خدمات پر مامور کیا تھا، جن کو اب کسی جگہ کوئی جگہ نہیں ملتی ہے، ان سے ان ہمدردیوں کے مقابلہ میں یہ دشمنیاں ظاہر ہوئیں۔

«وَ هٰذَا مَبْلَغُهُمْ وَنَصِيبُهُمْ وَاللّٰهُ حَسِيبُهُمْ!

انجامِ کار یہ لوگ بھی کامیاب نہ ہوئے بلکہ اللہ تعالٰے نے اکثر سے انتقام لیا ؎

دریں چمن کہ بہار و خزاں ہم آغوش ست
زمانہ جام بدست و جنازہ بردوش ست!

ذکر و فکرِ دنیا سے نفرت:

مجھے قدیماً و حدیثاً اہلِ روزگار کے استخبار و اخبار سے کلی نفرت ہے اور احوال اہلِ دنیا کے شغل، اور تذکار سے مکمل بُعد ہے۔ اس کے باوجود جسے پاتا ہوں وہ مجھے اسی ذکر و فکرِ دنیا میں مشغول کرنا چاہتا ہے۔ اور اپنی روش و راہ کی طرف کھینچتا ہے، جس سے میں تہ دل سے بھاگتا ہوں، نہ کوئی علم کا چرچا ہے نہ دین کی گفتگو ہے، نہ آخرت کی یاد ہے، نہ موت نہ برزخ کا ذکر۔ ہر صاحب و مصاحب کی ساری ہمت یہ ہے کہ مجھے نقصان پہنچائے۔ اور اپنا دنیاوی نفع حاصل کرے۔ میں ان لوگوں سے طبعی طور پر گریز کرتا ہوں۔ لیکن یہ میرے تعاقب سے باز نہیں آتے۔ ایک دو یا تین چار ہوں تب بھی صبر آئے، مشکل تو یہ ہے کہ ان بہائم و دواب کا ایک طویلہ ہو گیا ہے ۔

سلیم از دستِ بیدادِ کہ نالم!
بکشتِ ماگزارِ لشکر افتاد ست

یہاں اختلاط زیادہ بر آشنائی کی رسم ہے اور میرا یہ حال ہے کہ مار گزیدہ

از ریسماں می ترسد ع
منتِ ناآمدن از آمدن افزوں بود

عَافَانَا اللّٰهُ تَعَالٰی مِنْ عِنَایَاتِهِمْ وَمَا نَنَا بِمَنِّہٖ عَنْ تَفَضُّلَاتِهِمْ۔

ریاست کی خدمت:

جب میں صرف ملازم تھا، مجھے ریاست کے اندرونی یا بیرونی کاروبار سے کچھ سروکار نہ تھا۔ اپنی خدمتِ مفوّضہ کا بجا لانا اور آقا کی بازپرس سے بچے رہنا ہی نصب العین تھا۔ الحمدللہ کہ میں نے اس نوکری چاکری میں فرائض منصبی کی ادائیگی میں کبھی چشم پوشی نہیں کی، نہ اوروں کی طرح کام سے جان چرائی اور نہ غیر حاضری اختیار کی بلکہ سخت محنت و مشقت کے ساتھ پندرہ سال تک کام کرتا رہا ؎

عیش میں بھی تو نہ جاگے کبھی تم کیا جانو
کہ شبِ غم کوئی کس طور بسر کرتا ہے

پھر جب اُس حالت سے اِس حالت کو پہنچا اور اسے انجام کے اعتبار سے پہلی حالت سے بہتر سمجھتا ہوں، اگرچہ پرستارانِ دنیا کی نظر میں یہ بھی ایک بڑا اوج ہے تو منعم حقیقی و مجازی کے تشکریہ کی ادائیگی میں محنت، جگرسگالی، خیراندیشی اور خیرطلبی کا کوئی دقیقہ اپنی قدرت کی حد تک فروگذاشت نہ کیا۔ میں شب و روز آسیا دچکی) کی طرح گردشِ محن و غمن میں رہا۔ خصوصاً اس جہت سے کہ آقا نے امارت کے کاروبار کا تمام بوجھ ظاہری طور پر میرے سر اور کندھے پر ڈال دیا تھا۔ مگر باطنی اعتبار سے سب امور اپنے ہی قبضۂ اختیار میں رکھے تھے۔ یہ وہ بار تھا جس کا کوئی شمار نہیں، میری یہ کیفیت ہوتی ؎

بارِ جہاں بردلِ آں نازنیں!
سینۂ چنیں نازک و بارِ چنیں

میں نے کمال جدو جہد کے ساتھ ریاست کے کندھے کو قرض کے بارِ گراں سے سبکبار کیا، خزانہ کو خزانہ عامرہ بنا دیا۔ یہ کس کے لیے؟ انھی اولاد و احفادِ آقا کے لیے۔ اسی طرح سڑکوں کی درستی، مساجد و مدارس کی تعمیر، مکانوں کا انتظام، محکموں کا نظم و نسق، ٹیکسوں سے آزادی، سالانہ محاصل کے بقایا کی معافی، فقراء کی مراعات، اہلِ خدمت کی ماہانہ تنخواہوں میں اضافہ، رفاہِ عامہ کے امور کی تجدید، فرائضِ صلوٰۃ وصوم کے مدارج کی تکمیل، انفارِ رعایا و برایا کی افزائش، مستحق و غیر مستحق لوگوں میں مال کی تقسیم اور بہت سے دیگر امور میں سعی وافر ظاہر کی، اور آقا کی اولاد و احفاد کے ساتھ مواسات میں خصوصًا اور پاسداریِ اخوان میں عمومًا اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ ارکان و اہل کارانِ ریاست کو ان کی لغزشوں اور غلطیوں کے باوجود "نازیانہ" زجر و توبیخ اور سزائے جرمانہ وغیرہ کی تعزیرات سے مسلسل محفوظ رکھا۔ مقدور بھر وقت کو سعی میں بسر کیا، کسی کی سعایت میں نہیں۔ اور دل کو ہر خیالِ باطل اور فکرِ لاطائل سے بچایا۔ اپنی نسبت کبھی یہ تصور نہیں کیا کہ "من کیستم" بلکہ "من آنم کہ من دانم"، کو ہمیشہ ملحوظِ نظر رکھا۔ ہمیشہ اخلاق اور مروّت سے کام لیا۔ دشمن سے بھی انتقام کا قصد نہ کیا۔ ہاں ایک امر میں مجھے بلا شبہ ناکامی رہی کہ جس کسی سے آقا کا دل آشفتہ یا افسردہ تھا۔ اور اس کے موجبات کا علم بھی آقا ہی کو ہے، میں نے ماوشما کے پاس خاطر کی غرض سے محسن سے معارضہ نہیں کیا۔ اور یہی ایک امر میری طرف سے اکثر اشخاص کے خاطر پر گراں گزرا، اور انھوں نے دیدہ و دانستہ آقا سے توقطعِ نظر کیا، اور مجھ بے بال و پر کو شکار سمجھ کر میرے لیے دامِ کید بچھایا اور یہ نہ سمجھا کہ ؎

چرخ کوکب یہ سلیقہ ہے ستم گاری میں!
کوئی محبوب ہے اس پردۂ زنگاری میں

اور میں اس شعر کا مصداق ہو گیا ؎

کارِ زلفِ تست مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند

میرے خیال میں آقا نے بھی کسی گروہ پر ستم گری نہیں کی۔ بلکہ جس قدر غیظ و غضب ان کے دل میں ہوگا یا اب ہے یا جتنا قصور خطا وار وں کا تقاضا یا فی الواقع ہے، ان کو عمداً، تعزیراً، سیاستہً یا ریاستہً ان کے قصور اور گناہوں کی مقدار کے مطابق کیفرِ کردار تک نہ پہنچایا۔ یہ بات آقا کی خوشامد کے لیے نہیں ہے۔ کیونکہ میں طبعی طور پر آشنائی سے خالی ہوں اور حق گوئی سے مالی، مجھے اظہارِ حق میں کسی کی خوشی و ناخوشی سے غرض نہیں ہوتی۔ اگر میں دیگر دنیا دار لوگوں کی طرح ہوتا تو اس کتاب میں آقا کے شکوہ و شکایت کے متعلق کوئی حرف و حکایت نہ لکھتا۔ لیکن میں نے جو کلام جس جگہ مناسب سمجھا بلا تکلف خامۂ صدق نگار کے حوالہ کر دیا۔ الغرض جس جاں فشانی و جان کاہی اور بے آرامی سے آقا کی نیک نامی اور اپنے حسنِ خاتمہ کی اُمید سے پندرہ برس بسر کئے تھے۔ وہ ساری محنت یارانِ زمانہ کی دراندازی اور واقعہ طلبی کی بنا پر دست بردِ فنا ہو گئی۔ یکایک جہاں کے حالات دگرگوں نظر آئے، دین پرستی و دنیاداری کا سارا کارخانہ تہ و بالا ہو گیا، ناتواں بینوں کی نظر لگ گئی، بہت زیادہ لوگ بگڑ گئے اور بہت تھوڑے بن گئے۔ یا اس کے برعکس ؎

دل بسے خوں بکف آورد ولی دیدہ بریخت
اللہ اللہ کہ تلف کرد کہ اندوختہ بود!

مالی پوزیشن کا غلط اندازہ :

یہاں کے حاسدوں اور دشمنوں نے میری مالی پوزیشن کو رجماً بالغیب مقدار موجود سے زیادہ خیال کیا ۔ اور خال کو جبال کے برابر مشہور کر دیا ۔ حالانکہ میں نے اس جگہ جتنا کمایا اس کا اکثر حصہ اسی جگہ عمارات اور دیگر ضروریات میں وقتاً فوقتاً صرف کر دیا ۔ سوائے جاگیر کے اور کوئی آمدنی بھی نہیں ہے ، اور نہ مجھ پر آقا کی طرف سے بارانِ عطا برستا ہے ، اور نہ میں اپنے لیے مال جمع کرنے کا عادی ہوں ؎

دولتِ دنیا کہ تمنا کند
باکہ وفا کرد کہ با ما کند!

ہاں امن کا خواہاں ہوں اگر اللہ تعالیٰ نے لطف فرما کر مجھے اس جگہ امن بخشا تو میں اسی حالتِ راہنہ پر عزلت پذیر رہوں گا ۔ اور اگر تقدیر الٰہی میں کچھ اور ہے تو میں بہر حال راضی بالقضاء ہوں ؎

رَضِينَا قِسْمَةَ الْجَبَّارِ فِينَا ۔۔۔ لَنَا عِلْمٌ وَلِلْجُهَّالِ مَالُ
فَإِنَّ الْمَالَ يَفْنَى عَنْ قَرِيبٍ ۔۔۔ وَإِنَّ الْعِلْمَ يَبْقَى لَا يَزَالُ

اس شہر پر آشوب و ہنگامۂ جاں کوب میں میرے مال کی ایک کثیر مقدار حالتِ ضیاع میں ہے ، جس کا اندازہ چار لاکھ کے قریب ہے ۔ یک نیم بابت دہات اور دو نیم بابت مکانات ۔ یہ تو اندیشہ مال کا ہے ، رہا خوفِ جان سو وہ علیحدہ سوہانِ روح ہو رہا ہے ؎

دماغش نشگفتہ تا خونِ عاشق رائگی ریزد ؛
انارِ خندۂ ادا ز جلال آباد می آید!

غرض (عزت) تو مدت سے دستہ بردارِ اہلِ غرض ہو چکی ہے ؛ فقط

ایک ایمان باقی رہ گیا ہے، وہ ان شاء اللہ فنا پذیر نہ ہوگا۔ ہاں اگر وہ بھی جان و مال اور آبرو کی طرح زید و عمرو کے ہاتھ میں ہوتا تو یہ حاسد ہرگز اسے بھی نہ چھوڑتے بلکہ تاراج کرتے، مگر وہ تو کسی بشر کے قبضۂ قدرت میں نہیں ہے، اس لیے ان کے شر سے محفوظ ہے۔ حفظہ اللہ وسلمہ

اس شہر کے لوگ:

میرے زمانہ آفت نشانہ میں علمائے آخرت روئے زمین سے بالکل مفقود ہو گئے ہیں۔ اِنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا [۱]
اب جو لوگ اپنے آپ کو اہلِ علم کے زمرہ میں شمار کرتے ہیں، یہ سب عشاقِ دنیا ہیں ان کا شغل تحصیلِ کتاب کے بجائے، استحصالِ مال و خطاب ہے۔ یہ خود لوگوں کو برانگیختہ کرتے ہیں کہ وہ:
اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ
کے مصداق ہو جائیں۔ رات دن فنونِ جہالت میں مشغول رہتے ہیں، خواص نے عوام کا شیوہ اختیار کر لیا ہے۔ اور عوام تو پہلے ہی کالانعام ہیں۔ منجیات و معروفات نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئے ہیں، مہلکات و منکرات، حسنات قرار پا گئے ہیں۔ قیامت کی چھوٹی علامتوں کا ایک مدت دراز سے ظہور ہو چکا ہے۔ اب چودھویں صدی کے آغاز میں ہر طرف سے قیامت کی بڑی علامتوں کا ظہور ہو رہا ہے۔ حدیثِ ابن عمرؓ میں مرفوعاً آیا ہے:

"اِنَّمَا النَّاسُ کَالْاِبِلِ الْمِائَةِ	لوگ سو اونٹوں کی طرح ہیں، جن میں سے ایک
لَا تَکَادُ تَجِدُ فِیْهَا رَاحِلَةً"	بھی سواری کے قابل نہ پا سکے۔

(متفق علیہ)

[۱] ۱۳: ۴۱

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ لوگ تو بہت ہیں لیکن اچھے کم سے

آنچہ پر جستیم وکم دیدیم وبسیار ست ونیست ؎

نیست جز انسان دریں عالم کہ بسیار ست ونیست!

حدیثِ مرداس اسلمی میں فرمایا ہے:

"یَذْهَبُ الصَّالِحُوْنَ الْاَوَّلُ فَالْاَوَّلُ وَيَبْقٰى حُفَالَةٌ كَحُفَالَةِ الشَّعِيْرِ اَوِ التَّمْرِ لَا يُبَالِيْهِمُ اللّٰهُ بَالَةً" (رواہ البخاری)

نیک لوگ ایک ایک کرکے چلے جائیں گے اور جو کی بھوسی یا کھجور کے چھلکے کی طرح کے لوگ (نکمے اور ناکارہ) رہ جائیں گے۔ جن کی اللہ کو کوئی پروا نہ ہوگی۔

حضرت حذیفہ رضؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ:

"يَرِثُ دُنْيَاكُمْ شِرَارُكُمْ" (رواہ الترمذی)

شریر لوگ تمہاری دنیا کے وارث نہ ہو جائیں۔

انہی سے مروی دوسری مرفوع حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَكُوْنَ اَسْعَدَ النَّاسِ بِالدُّنْيَا لُكَعُ بْنُ لُكَعٍ"

اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ لئیم بن لئیم دنیوی طور پر سب سے زیادہ سعادتمند نہ ہو جائے۔

(رواہ الترمذی والبیہقی فی دلائل النبوۃ)

لکع بن لکع سے لئیم بن لئیم مراد ہے یعنی وہ شخص، جس کی اصل معلوم نہ ہو۔ اور اس کا خلق اچھا نہ ہو، سو اس زمانہ میں اس قسم کے لوگ رہ گئے ہیں، یہ زمانہ اہلِ اسلام کے صبر کرنے کا ہے اگرچہ یہ صبر سخت تلخ ہے۔ حدیث انس رضؓ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ اَلصَّابِرُ فِيْهِمْ عَلٰى دِيْنِهٖ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ۔ (رواہ الترمذی)

لوگوں پر ایک ایسا دور آئے گا کہ دین پر صبر کرنے والا ان میں ایسے ہوگا جیسے آگ کے شرارے کو پکڑنے والا۔"

اور فرمایا:

اِذَا كَانَ اُمُوْرُكُمْ اِلٰى نِسَائِكُمْ فَبَطْنُ الْاَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا۔ (رواہ الترمذی)

جب تمہارے کام تمہاری عورتوں کے ہاتھ میں ہوں تو پھر شکم زمین تمہارے لیے پشتِ زمین سے بہتر ہے۔

یعنی ایسے جینے سے مرنا بہتر ہے۔ ہمیں اس حدیث کا شہود اس وقت بخوبی ہو رہا ہے۔ نَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَافِيَةَ!

درس کی بندش:

بین مغرب اور عشاء کے درمیان اپنے بڑے لڑکے کو سنت، فقہ سنت اور تفسیر کی کتابیں پڑھایا کرتا تھا۔ اس درس میں دو چار اہل علم بھی شریک مذاکرہ رہتے تھے۔ دراندازلوگوں نے اسے امر غیر واقع پر محمول کر کے نوبت یہاں تک پہنچائی کہ چار و ناچار اس درس و مذاکرہ سے دست بردار ہونا پڑا۔ اور میں اس حدیث کے مصداق ہو گیا کہ:

عَلَيْكَ بِخَاصَّةِ نَفْسِكَ وَدَعْ اَمْرَ الْعَوَامِّ [1]

عوام کے معاملہ کو چھوڑ کر اپنے نفس کی خیر مناؤ۔

اب پانچ سال کی مدت سے درس بند ہے۔ انا للہ! ہاں اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے امن پیدا فرما دے تو کچھ عجب نہیں کہ مجھے اس کار خیر

کی پھر سے توفیق نصیب ہو جاتے:

"لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا"[1]

اب ضعف و پیری کے سبب تصنیف وتالیفِ کتب کی بھی قوت باقی نہیں رہی اگرچہ اس مدت میں شغلِ تصنیف بدستور باقی رہا اور میں اپنی عادت و جبلت سے قاصر نہ ہوا۔ اس سے پیشتر میرا زمانہ مظہر جمال تھا، اب وقت میرے حق میں مظہرِ جلال ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ۔

زمانہ دشمنِ ہنرمنداں ست و اہلِ زمانہ صدچنداں الغرض ؎

بہر کجا کہ غمے ہست میہمانِ من ست
خلیل عشقم ولختِ جگر نخوان من ست
مکن بایں خنکی اے رقیب دعویِ عشق!
کہ ایں تپیدن ست کہ مخصوصِ استخوانِ من ست
کہ گفتہ ست کہ تنہا و بیکسم مظہر
کہ غم رفیقِ من و دردِ مہربانِ من ست

تعویذ گنڈا کرنے والوں کی یلغار:

انقلاب کا ہنگامہ سُن کر اہلِ عزائم نے آگھیرا۔ عام لوگوں کے ذہن میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ امراء و رؤساء عملیات کے معتقد ہوتے ہیں۔ حالانکہ پہلی بات یہ ہے کہ میں امیر نہیں ہوں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ علم سے فقیر بھی نہیں ہوں کہ اہلِ شرک و بدعت کے دامِ تزویر میں گرفتار ہو جاؤں۔ میں تو اپنے اعتقاد کے مطابق کسی شخص کا معتقد نہیں ہوں۔ خصوصاً ان فقراء و مشائخ کا تو بالکل نہیں جو جہالت کے اس دور میں دکانداری کرتے ہیں۔ مجھے ان کی

[1] الطلاق: ۱

حرکات بے برکات پر تعجب ہے کہ یہ اپنی جہالت، خباثت اور شرک و بدعت میں کس موحد کو پھانسنا چاہتے ہیں۔ ان احمقوں نے اتنا بھی خیال نہ کیا کہ میں تو مشہور اہل حدیث ہوں، اور "تقویۃ الایمان" اور رسائل توحید کا پابند ہوں۔ میرے سامنے کسی رمال، جفار، منجم اور عزیمت خواں کی اتنی قدر بھی نہیں، جتنی انسان کی نظر میں جانوروں کی ہوتی ہے۔ کیونکہ موحد تو ہر بلا ورخاوہ مصیبت و عافیت میں اللہ ہی کو پکارتا ہے۔ جان جائے، مال جائے، آبرو جائے مگر ایمان نہ جائے کچھ ہو مگر اللہ و رسول ﷺ کے طریقہ سے انحراف نہ ہو ؎

من نخواہم کرد ترکِ لعلِ یار و جام مے!
زاہداں معذور داریدم کہ ایں ہم مذہب ست

اور عربی شاعر نے کہا ؎

مَذَاهِبُ شَتّٰى لِلْمُحِبِّيْنَ فِي الْهَوٰى
وَلِيْ مَذْهَبٌ وَحْدُ أَعِيْشُ بِهٖ وَحْدِيْ

ہاں وہ لوگ جو عقل و دین کے اعتبار سے ناقص ہیں، وہ جلدان کے پھندے میں حصولِ مدعا اور دفعِ بلا کی امید سے پھنس جاتے ہیں، یا عوام کالانعام جنہیں دین و ایمان سے کچھ حصہ نہیں ملا۔ وہ اپنا مال ان حرام خوروں اور دغابازوں کو کھلاتے اور دیتے ہیں۔ اور جو شخص پاک دین والا، صاحب توحید ہے، وہ اپنے نشۂ توحید، اور مستیٔ حسنِ عقائد میں ان اکالین بطالین کی کچھ پروا نہیں کرتا ؎

سرم بدنیا و عقبیٰ فرو نمی آید
تبارک اللہ ازیں فتنہ ہا کہ در سر ماست

در اندرونِ منِ خستہ دل ندانم کیست
کہ من خموشم و او در فغان و در غوغاست!
ازاں بدیرِ مغانم عزیز میدارند
کہ آتشے کہ نمیرد ہمیشہ در دلِ ماست

اللہ تعالیٰ مجھے اسی توحید و سنّت پر زندہ رکھے اور سارے انواعِ شرک و بدعت سے بچائے کیونکہ میں توحید کے طفیل سارے جہاں کے علوم و معارف سے بے نیاز ہوں ؎

زباد شاہ و گدا فارغم بحمد اللہ
گدائے خاکِ درِ دوست پادشاہِ من ست!
اگر بہ تیغِ اجل خیمہ بر کنم شاید
رمیدن از درِ دولت نہ رسم و راہِ من ست

اور اگر بالفرض حصولِ مدعا اور دفعِ کرب و بلا کے لیے عزائم و ادعیہ کا بجا لانا ضروری ہے تو آیاتِ کتاب اللہ اور اذکار و ادعیۂ ماثورہ ہی کافی ہیں۔ وہ کون سی دینی و دنیاوی آفت و مصیبت ہے، جس کا علمی علاج شرعِ شریف میں نہیں ہے، اور وہ کون سی حاجت، مطلب اور مدعا ہے، جس کے لیے ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ذکر یا دعا تعلیم نہیں فرمائی ؎

باغِ مرا چہ حاجتِ سرو و صنوبر ست
شمشادِ خانہ پرورِ ما ازکہ کمتر ست

ختمِ قرآن مجید، ختمِ حصنِ حصین، ختمِ بخاری شریف، اذکارِ دفعِ کرب اور ادعیہ دافعۂ اسقام و مرض مجرب ہیں۔ اور ان کے استعمال کا طریقہ اہلِ علم ولایت نے بیان کر دیا ہے۔ میں نے بھی اس باب میں ایک مختصر سا رسالہ

"کتاب الداء والدواء" نامی لکھا ہے، جو سارے جہان کے عزائم و رُقی و اعمال کا بدل ہو سکتا ہے۔ نصوصِ کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منصوص اور مشائخ و علماء کے مجربات پر مشتمل ہے۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ!

دنیا دار اللہ تعالیٰ کو تو بھول جاتے ہیں۔ اور اس کے اسماءِ حسنیٰ کے ساتھ استمداد و استعانت نہیں کرتے اور نہ اس آیت کو یاد رکھتے ہیں:

اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ؛ مدد طلب کرو صبر اور نماز کے ساتھ۔

مگر زید و عمرو کے ساختہ و پرداختہ عزائم اور غیر معتبر مشائخ کی ترتیبات پر جھک پڑتے ہیں۔ ان کو ہرگز فراموش نہیں کرتے۔ اس لیے نہ ان کی وہ مصیبت دور ہوتی ہے اور نہ ایمان سلامت رہتا ہے ؎

لِکُلِّ شَیْءٍ اِذَا فَارَقْتَہٗ عِوَضٌ
وَلَیْسَ لِلّٰہِ اِنْ فَارَقْتَ مِنْ عِوَضٍ

اور یہ خواب سنانے والے:

ایک جماعت نے وقتاً فوقتاً میرے پاس آ کر اپنے خواب بیان کرنا شروع کر دیئے۔ یعنی ان کا مقصود یہ تھا کہ مجھے خوش کریں اور اپنی خیر خواہی و اخلاص ثابت کریں۔ کسی نے کہا آج ہم نے یہ دیکھا ہے۔ دوسرے نے کہا ہم نے وہ دیکھا ہے تیسرے نے کہا مجھے یہ نظر آیا اور چوتھے نے کہا تم پھر اسی اوج موج پر ہو جاؤ گے ؎

ہر کسے در ظنِ خود شد یارِ من
وا ز درونِ من نجست اسرارِ من

ان لوگوں نے یہ نہ سمجھا کہ اگرچہ خواب ممکن الحصول ہے۔ لیکن خواب

مومن صالح کا سچا ہوتا ہے، اس شخص کا نہیں جو تحصیلِ دنیا کے لیے خواب بناتا ہے۔ یہ لوگ غالباً شیطان کے مسخرین کے شکار ہیں کہ اس ذریعہ سے رسائی پیدا کر کے دوسرے کو دھوکا میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ مستورات ایسی باتوں میں آکر خوش ہو جاتی ہیں۔ ع

آدمی فربہ شود از راہِ گوش

اور جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے علم و فہم عطا کیا ہے، وہ ایسے خوابوں کو "اضغاثِ احلام" سمجھتے ہیں، نہ خوش ہوتے ہیں اور نہ فالِ بد لیتے ہیں ؎

چو غلامِ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم

منافقوں کا ایک گروہ:

جس طرح جاہل اہلِ عزیمت نے ہجوم کیا۔ اور اکلِ مال بالباطل کے ارادہ سے خطوطِ رمل اور دیگر اعمال وغیرہ میری طلب کے بغیر بلکہ ممانعت کے باوجود لکھ لکھ کر بھیجے، اسی طرح ایک جماعت نے درستیِ معاملہ کے لیے کارگزاری اور خیر سگالی کا منافقانہ طور پر اظہار شروع کر دیا تاکہ مال خرد برد کر لیں۔ اور انہوں نے مجھے صدہا طرح کے مغالطے دیئے۔ کیونکہ جب ایک آسودہ حال شخص کا حال خراب ہوتا ہے تو بہت سے خانہ خراب لوگ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور روا قعہ طلب لوگ رات دن اسی تانک جھانک میں رہتے ہیں کہ وسائط بن کر عداوت کی بنیاد کو مضبوط کریں۔ فریقین کو مصالحت سے دور رکھیں اور اس طریق سے جتنا رزقِ حرام ملے اسے نوشِ جان کریں۔ اور سادہ لوح لوگ صحبتِ بد، کوزنمک مصاحبین حرام خور، خدام اور نابکار اعزہ کی وجہ سے ان کے انواع واقسام کے فساد کو

عین صلاح سمجھ کر، ان کے اختیار و اظہار کے پابند ہو جاتے ہیں:

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ [۱]

لیکن دانش مند اور عاقبت اندیش ان کے دامِ مکر و فریب میں نہیں آتے:

"وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝" [۲]

اللہ تعالیٰ کو جب کسی گھر کا ویران کرنا منظور ہوتا ہے، تو وہ گھر والوں کی عقل سلب کر لیتا ہے، ان پر حکمت کے دروازوں کو مسدود کر دیتا ہے، پھر ان سے وہی افعال و حرکات صادر ہوتے ہیں، جو بربادی و تباہ کاری کا موجب ہوتے ہیں: زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ [۳]

ہوں کیوں نہ منحرف رہِ درسمِ صواب سے
ٹیڑھا لگا ہے قط قلمِ سرنوشت کو

اولاد کا معاملہ:

میری اولاد اگرچہ ابنائے زماں کی بہ نسبت غربت و عدمِ فساد کے ساتھ متصف ہے، لیکن انہیں علم و عمل اور تدبیرِ معاش کے ان مراتب سے بھی کچھ حصہ نہیں ملا جو انسان کو دنیا میں شرعاً، عرفاً اور عقلاً درکار ہوتے ہیں۔ اور نہ کسی طرح کی قدرت رکھتے ہیں کہ میرے ساتھ موافقت و رفاقت اور اعانت کر سکیں۔ میں اس حالتِ راہنہ میں بالکل تنہا ہوں اور جب تک زندہ ہوں، ان کی ضروریات کا بندوبست رکھتا ہوں۔ معلوم نہیں کہ میرے بعد کیسے گزر بسر کریں گے۔ اس لیے کہ اس زمانہ میں دستور یہ ہے کہ لوگ جس کو معمولی سا بھی مرفہ الحال پاتے ہیں۔ ہزار حیلہ، نفاق اور تدبیر سے اس کے دوست بن کر بہت جلد اسے مفلس اور تہی دست بنا دیتے ہیں۔ اور وہ شخص اسراف و تبذیر کا انجام نہیں سوچتا۔ اور جب خدانخواستہ

[۱] البقرہ ۲۲۰ [۲] البقرہ ۲۱۶ [۳] الانعام ۴۳

زمانہ کے حوادث اور آفات سر پر آ تے ہیں۔ اس وقت نادم ہو کر آباؤ اجداد کی نصیحت کو یاد کرتا ہے۔ لیکن جب مال تباہ ہو جاتے اور وقت ہاتھ سے نکل جائے تو ندامت کا کیا فائدہ ؎

صد حیف کہ ما پیرِ نود سالہ نبودیم
روزے کہ رسیدیم بایامِ جوانی

یہ وہ وقت ہے کہ دین و آبرو کی حفاظت کے لیے اولاد کا نہ ہونا، اولاد کے ہونے سے بہتر ہے۔ لیکن مجبوری یہ ہے کہ انسان کے بلیے تقدیر کے ساتھ جنگ کرنا اور کامیاب ہونا ممکن نہیں اور جو اولاد ناز و نعمت میں پرورش پاتی ہے، اسے عواقبِ امور کا کچھ تجربہ نہیں ہوتا۔ اور وہ معاملہ فہمی، کارگزاری اور مردم شناسی سے بہت دور ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَوَمَنْ یُّنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَةِ وَهُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ ؕ [1]	کیا وہ جو زیور میں پرورش پائے اور جھگڑے میں بات واضح نہ کر سکے۔ (اس کو خدا کی بیٹی کہتے ہو)۔

پھر خدانخواستہ ایسے ناعمین اور متنعمین کو ذرا سی بھی تکلیف پہنچے تو اسے پہاڑ برابر جانتے ہیں۔ اور استقلال چھوڑ کر مضطرب الحال ہو جاتے ہیں۔ اور ہر شخص کو ظالم کہنے لگتے ہیں ؎

نازپروردہ چو تابِ ستمِ عشق نداشت
یار را نام جفا پیشہ و بدکیش نہاد

مجھے اپنی اولاد میں سے دختر اور فرزندِ صغیر سے زیادہ محبت ہے کہ یہ کسی قدر میری رضا جوئی میں رہتے ہیں۔ یہ بات ان کے لیے دونوں جہانوں میں مفید ہے اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی و

[1] الزخرف: ۱۸

ناراضگی والد کی رضامندی وناراضگی میں ہے۔ اور اسی وجہ سے اللہ تعالٰے نے بھی فرمایا ہے،

أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ۝ [1] میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا بھی۔ میری طرف ہی پلٹنا ہے۔

پسرِ یعقوب نے کہا تھا:

"فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّىٰ يَأْذَنَ لِي أَبِي" [2] پس میں اس سرزمین سے ہرگز نہیں جاؤں گا جب تک کہ میرا باپ مجھے اجازت نہ دیدے۔

اویس قرنی رح جو حدیثِ صحیح مسلم کی نص کی روشنی میں تمام تابعین سے افضل ہیں، اپنی والدہ کی خدمت کی وجہ سے ـــــــ ـــــــ ـــــــ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے۔ سنتِ صحیحہ کی نص کے مطابق ماں باپ مسلمان اولاد کے لیے جنّت ہیں یا جہنم [3]

لیکن اس زمانہ میں لوگوں نے اس کے بالکل عکس کو عین سعادت سمجھ لیا ہے:

"لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ"

ہجرت کا خیال:

طلبِ رزق نے مجھے میرے وطنِ قدیم سے جدا کیا۔

فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ [4] پس چلو پھرو تم اس (زمین) کی راہوں میں، اور اس خدا کے رزق میں سے کھاؤ۔

---

[1] لقمان: ۱۴ [2] یوسف: ۸۰ [3] یعنی اولاد ماں باپ کی خدمت کے باعث یا تو جنت حاصل کرتی ہے یا ان کی نافرمانی کے باعث جہنم رسید ہوتی ہے۔ [4] الملک: ۱۵

بحمدہٖ تعالےٰ میرے وطن میں میری عزت وجاہ، رؤساء اہلِ علم ودولت کی طرح اب تک باقی ہے۔ میں اپنے نانا کے گھر شہر بانس بریلی میں پیدا ہوا تھا، پھر والد کے انتقال کے بعد ایک مرتبہ والدہ کے ہمراہ وہاں گیا، تب سے اب تک پھر جانا نہ ہوا۔ والد مرحوم کی قبر خاص قنوج کے محلہ شیخپورہ میں ہے، برادر کلاں کی قبر گجرات کے شہر بڑودہ میں ہے۔ والدہ، ہمشیرہ کلاں اور خواہر وسطیٰ کی قبریں بھوپال کے مدار المہام مرحوم کے باغ کے متصل ہیں۔ نہیں معلوم کہ میری گور کہاں ہوگی۔ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ [۱]

اب میرا موطن وہ شہر ہے، جو اس آیت کا مصداق ہے:

سَاُورِیْکُمْ دَارَ الْفٰسِقِیْنَ [۲] عنقریب میں تم کو فاسقین کا گھر دکھاؤں گا۔

یہ وہ جگہ ہے جہاں علم مر جاتا ہے۔ عالم مردار سے زیادہ خوار رہتا ہے، اہلِ معرفت وصلاح تو شاید یہاں پہلے ہی سے کبھی پیدا نہیں ہوئے، اہلِ حسد کا اس جگہ بازار ہے۔ اہلِ نفاق کا ہر جگہ دربار ہے ؎

وَمَنْزِلَۃُ الْفَقِیْہِ مِنَ السَّفِیْہِ
کَمَنْزِلَۃِ السَّفِیْہِ مِنَ الْفَقِیْہِ

اگرچہ ساری دنیا میں شر کا خیر پر غلبہ رہتا ہے اور حکمتِ الٰہی کا یہی تقاضا ہے۔ لیکن اس شہر خاص میں کئی مرتبہ تجربہ ہوا کہ جس انسان میں جتنی ہنرمندی ہوگی۔ وہ یہاں اتنا ہی عیب دار ہوگا کہ عیب دار کو یہاں ہنرمند سمجھا جاتا ہے سعدیؒ نے خوب کہا ہے:

"دہ آدمی بر سفرہ بخورند و دو سگ بر مرداری بسر نبرند عقل دردستِ نفس چناں گرفتار ست کہ مرد عاجز در دست زن گربزہ"

[۱] لقمان: ۳۴ [۲] الاعراف: ۱۴۵

لیکن مجبوری یہ ہے کہ انسان کو اپنی بود و باش میں کچھ اختیار نہیں ہے۔ آب و دانہ کی قید (زنجیر) لوہے کی قید (زنجیر) سے بھی زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔ اس شہر میں میری پا شکستگی کی یہی وجہ ہے۔ اس چودھویں صدی میں جملہ اہلِ دین کے لیے ایک یہ بھی آزمائش ہے کہ ان کے لیے عرب و عجم میں کوئی پرامن جائے ہجرت نہیں۔ ہجرت تو اسی لیے ہوتی ہے کہ اگر انسان اپنے ملک اور گھر میں اپنے دین کے شعائر علی الاعلان بجا نہ لا سکے تو کسی ایسے اسلامی ملک میں جا رہے جہاں بلا روک ٹوک اپنے دین پر قائم دائم رہ سکے۔ اور اس کا برملا اظہار کر سکے۔ اگر ہجرت میں یہ صفت نہ ہو بلکہ دوسری جگہ یہاں کی نسبت بھی زیادہ فتنہ و فساد پیش آئے تو اپنی جان یا اسلام پسر دونے کے سوا اور کیا چارہ ہے ؎

سیرہا در ہوس آباد تمنا کردیم
منزلِ یاس زہر راہگزر نزدیک ست

نہایت مجبوری و معذوری سے یہ قصد کیا تھا کہ اپنے قدیم شہر قنوج ہی میں طرحِ توطن ڈال لی جائے۔ لیکن جب غرہ جمادی الاخریٰ ۱۳۰۵ھ کو عزیزی میر علی حسن خان نے اسے ملاحظہ کر کے ناپسند کیا تو چار و ناچار وہاں کے خیال کو دل سے دور کیا۔

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝

حاسدوں کی طرف سے کچھ اور تہمتیں :

حاسدوں اور دشمنوں نے کبھی دناءتِ نسب کی تہمت لگائی، کبھی اختیارِ حرفہ کی اور کبھی سابقہ فقر و مسکنت کی۔ لیکن میں بحمدہٖ تعالےٰ ان سب عیوب سے پاک ہوں۔ اس لیے کہ میرے نسب میں بارہ ائمۂ اہلِ بیت میں سے آٹھ

تو متصل آتے ہیں۔ اور وہ سب ساری امت کے پیشوا تھے۔ پھر مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے لے کر آٹھ دس پشت تک ولایت وعلم کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر بعض آباؤ اجداد کے پاس بے پناہ ثروت ودولت تھی۔ میرے باپ کے زمانہ سے پھر علم کا شغل غالب آیا۔ چنانچہ اس امامت، ولایت، امارت اور علم کے سوا میرے خاندان میں کسی نے کوئی حرفہ اختیار نہیں کیا۔ اگرچہ میرا اعتقاد ہے کہ حرفہ سب سے افضل کمائی اور رزقِ حلال وطیب ہے۔ اکثر انبیاء، صلحاء اور علمائے امت صاحبِ حرفہ گزرے ہیں۔ اور وہ اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے اور کتبِ عقائد میں لکھا ہے کہ:

"ہاتھ کی کمائی مستحب ہے اور اس کا منکر بدعتی ہے۔"

لیکن اس جگہ اعدائے نامحمود کے عار کو دفع کرنا مقصود نہیں بلکہ امرِ واقع کا اظہار مقصود ہے۔ فقر مجھ پر یتیمی کی وجہ سے طاری ہوا تھا۔

"اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى" لہ

میں اس حالت میں بحمدہٖ تعالیٰ رسولِ امت اور صلحائے امت کا ہم صفیر رہا۔ یہ کوئی عار وننگ کی بات نہیں۔ ہماری ہستی آدم علیہ السلام سے لے کر اس دم تک ایک مشتِ خاک ہے۔ آدم علیہ السلام عصیان کے سبب کمالِ فقر ومسکنت کے ساتھ جنت سے نکلے تھے۔ یہاں تک کہ بدن کے کپڑے بھی نہ رہے۔ وہ بھی اتر گئے۔ ستر کو پتوں سے چھپایا تھا۔ یہی حال ہماری ماں حوا کا تھا۔ اسی طرح سارے انبیاء ورسل نے بھی فقر کو اختیار کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب فرعونِ لعین سے بھاگ کر چاہِ مدین پر آئے تو بالکل بھوکے، پیاسے اور محتاج تھے، انہوں نے فرمایا تھا:

لہ الضحیٰ: ۸-۶

رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ؎۱ | یارب! میری طرف تو جو بھی بھلائی نازل کرے میں اس کی طرف محتاج ہوں۔

اور ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا۔ ؎۲ | اے اللہ! آلِ محمدؐ کے رزق کو قوت بنا دے۔

قوت مقدارِ کفاف کو کہتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی درست نہیں کہ ہر فقیر خدا کا ممقوت اور ہر غنی اس کا محبوب ہوتا ہے بلکہ جسے اللہ دوست رکھتا ہے اسے دنیا سے اس طرح بچاتا ہے، جیسے ہم بیمار کو کھانے پینے سے بچاتے ہیں۔ (رواہ ابو سعید مرفوعًا)

بلکہ دنیا تو اہلِ اسلام وصلاح کی نسبت اہلِ کفر وفسق کو زیادہ ملتی ہے یہ حالت لائقِ حقارت نہیں بلکہ قابلِ فخر ہے۔ اور حدیثِ حارثہ بن وہب میں مرفوعًا آیا ہے:

اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَھْلِ الْجَنَّةِ کُلُّ ضَعِیْفٍ مُّتَضَعَّفٍ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَھْلِ النَّارِ کُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُّسْتَکْبِرٍ ؎۳ | کیا میں تمہیں خبر نہ دوں کہ اہلِ جنت کون ہیں! ہر کمزور جو لوگوں میں کمزور سمجھا جاتا ہو۔ اگر اللہ پر قسم اٹھائے تو وہ اسے پورا کرے۔ کیا میں تمہیں آگ والوں کی کی خبر نہ دوں کہ وہ کون ہیں! ہر سخت خو، اکھڑ اور متکبّر!

(رواہ البخاری ومسلم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے مرفوع روایت ہے:

اِنَّہٗ لَیَاْتِی الرَّجُلُ الْعَظِیْمُ السَّمِیْنُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یَزِنُ عِنْدَ اللّٰہِ | قیامت کے دن ایک بہت بڑا اور موٹا آدمی آئے گا۔ جس کا اللہ کے ہاں مچھر

؎۱ القصص ۲۴ ؎۳ متفق علیہ

جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ ؎ کے پر جتنا بھی وزن نہیں ہوگا۔

(رواہ الشیخان)

اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

إِنَّمَا الْغِنٰی غِنَی الْقَلْبِ وَالْفَقْرُ فَقْرُ الْقَلْبِ ؎ تونگری دل کی تونگری اور غریبی دل کی غریبی کا نام ہے۔

(رواہ النسائی)

یعنی تونگری بدل ست نہ بمال۔ سعدرضؓ سے آپؐ نے فرمایا تھا:

هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ؟ کیا تم صرف اپنے کمزوروں کی وجہ سے مدد نہیں کیے جاتے اور رزق نہیں دیے جاتے ہو؟"

(رواہ البخاری والنسائی)

دنیا کے اکثر سلاطین و بادشاہ تملک و تسلط سے قبل محتاج تھے۔ اس طرح کی عار وہ لوگ دلاتے ہیں جن کے پاس ایمان کا کچھ حصہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ؎ ۱ "(اللہ ہی) جس کے لیے چاہے رزق کشادہ کرتا ہے اور (جس کے لیے چاہے) تنگ کرتا ہے۔"

نیز فرمایا:

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۔ ؎ ۲ "دنیوی زندگی میں ان کے درمیان ان کی معیشت ہم نے تقسیم کی ہے۔"

میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میرا سابقہ فقر، اضطراری نہ تھا بلکہ اختیاری تھا اس لیے کہ میرے باپ نے پانچ لاکھ کی جاگیر کو چھوڑ کر علم و فقر اختیار

۱ الرعد: ۲۶ ۲ الزخرف: ۳۲

گیا تھا۔ اس بات سے سارے اہلِ وطن واہلِ دکن واقف ہیں۔ اور اب جو مجھ پر بسطِ رزق ہوا ہے تو یہ میری سعی و کوشش سے نہیں بلکہ محض اللہ تعالےٰ کے فضل سے ہوا ہے۔ نہ میں نے حلال وحرام کی تمیز کے بغیر اکٹھا کیا ہے اور نہ میں اس فکر میں کبھی رہا کہ مال کو ہر طرح جمع کروں خواہ طاعت سے ملے یا معصیت سے۔ میرے حاسدوں نے اپنی تمام فکر طلبِ مال میں ضائع کی اور حصولِ دولت و حکومت کے لیے کوئی گناہ نہ چھوڑا۔

لٰکِنْ قَدَّرَ اللّٰہُ وَمَا شَآءَ فَعَلَ۔

خاتمہ

اس عجالۂ نافعہ میں جس قدر مِنَن و محَن کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کے معلوم کرنے سے یہ بات بخوبی ثابت ہو جاتی ہے کہ مِنَن کثیر ہیں اور محَن قلیل۔ اور اللہ تعالیٰ کی سنّت اسی طرح جاری ہے کہ اس کی رحمت کو اس کے غضب پر سبقت و غلبہ حاصل ہے۔ مِنَن پر شکر بجالانا واجب ہے۔ لیکن کسے طاقت ہے کہ وہ کما حقہٗ شکر ادا کر سکے۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا [1]

محَن بھی فی نفسہا اجر و ثواب سے خالی نہیں۔ گو ہم اپنے قصورِ فہم سے ان معانی کا ادراک نہ کر سکیں جو محَن کے تطورات میں مخفی ہوتے ہیں۔ ہمیں محَن پر بھی صبر و شکر کرنا لازم ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ۔

اگر اللہ تعالےٰ اپنے ناچیز بندے سے خوش ہو جائے تو پھر سارے محَن عین مِنَن ہیں۔ اور اگر خدا نخواستہ ناراض ہو جائے تو اس دارِ فانی کے سارے مِنَن و نعم آخرت کے لیے فتن و نقم ہیں۔ اعتبار حسنِ خاتمہ و سوءِ خاتمہ کا ہے، ابتداءِ امر کا نہیں۔ لیکن خاتمہ، فاتحہ کے موافق ہوا کرتا ہے۔ اس لیے بعض اہلِ حق نے کہا ہے کہ سب لوگ انجام کار سے ڈرتے ہیں لیکن میں آغازِ امر سے، اس لیے کہ یہ معلوم نہیں ہے کہ ازل میں قلمِ تقدیر نے کیا لکھا ہے، اگر خاتمۂ حسنیٰ لکھا ہے تو زہے سعادت، ورنہ یہاں کی ساری طاعت ضائع ہے۔ آدمی اہلِ جنت کا سا کام کیا کرتا ہے لیکن قضا و قدر غالب آتی ہے تو مرتے وقت اہلِ نار کا سا کام کر کے مرجاتا ہے اور کوئی آدمی اہلِ نار کا سا کام

نوشتۂ ازل سبقت کرتا ہے تو مرتے وقت بہشت والوں کا سا کام کر جاتا ہے۔ اور بخش دیا جاتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس فریقِ ثانی میں سے کر لے۔

سہل بن سعدرضؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

إِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ وَإِنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَإِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ۔	"آدمی جہنمیوں کے سے کام کرتا ہے، حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے اور بعض دفعہ جنتیوں کے سے کام کرتا ہے، حالانکہ وہ جہنمی ہوتا ہے اعمال کا انحصار خاتموں پر ہے"

(متفق علیہ)

اِس حدیث میں توجہ دلائی گئی ہے کہ ہمیشہ طاعتِ الٰہی کے کام کرنے چاہئیں اور معاصی سے بچتے رہنا چاہیئے۔ نیز عجب و فرح سے روکا گیا ہے۔ کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ انجام کیا ہونے والا ہے ؎

حکمِ مستوری و مستی ہمہ برخاتمت ست ❖
کس ندانست کہ آخر بچہ حالت گزرد

سید نے حاشیۂ مشکوٰۃ میں لکھا ہے:

وفیہ انہ لا یجوز الشھادۃ لاحد بالجنۃ ولا بالنار۔	"اس سے معلوم ہوا کہ کسی کے لیے جنتی یا جہنمی ہونے کا حتمی فیصلہ کر دینا جائز نہیں!"

حضرت ابن مسعود رضؓ سے مروی مرفوع روایت کے الفاظ یہ ہیں:

فَوَاللّٰهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ غَيْرُهُ إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَا يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ	اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم میں سے ایک شخص جنتیوں جیسے کام کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے اور کتاب (تقدیر)

فَيَدْخُلُهَا وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتّٰى مَا يَكُوْنَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا۔	سبقت کر جاتی ہے اور وہ کوئی جہنمیوں کا سا کام کر کے واصلِ نار ہو جاتا ہے۔ اور تم میں سے ایک جہنمیوں کے سے کام کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن کتاب سبقت کر جاتی ہے۔ اور وہ جنتیوں کا سا کام کر کے جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔
(متفق علیہ)	

یہ حدیث اس بات پر حجت ہے کہ جس بات کے ساتھ "کتابِ محفوظ" سابق ہو چکی ہے، اس میں کچھ فرق نہیں پڑتا، اور جب تک موت عملِ خیر اور ایمانِ صادق پر نہ آئے، ظاہر اعمال کا کچھ اعتبار نہیں۔ اس حدیث میں جس طرح صلحاء کے لیے زجر ہے۔ اسی طرح نافرمانوں کے لیے اس میں بشارت ہے۔ اس میں رجا و خوف اور مسئلۂ قضا و قدر سب کچھ کا بیان ہے۔ اس حدیث سے زیادہ خوفناک حدیثِ ابنِ عمرو رض ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپ کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں۔ فرمایا:

"تم جانتے ہو کہ یہ دونوں کتابیں کیا ہیں؟"

ہم نے کہا کہ:

"ہم تو نہیں جانتے۔"

آپؐ نے جو کتاب دائیں ہاتھ میں تھی اس کے متعلق فرمایا:

هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ فِيْهِ أَسْمَاءُ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَأَسْمَاءُ اٰبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ ثُمَّ أُجْمِلَ عَلٰى اٰخِرِهِمْ فَلَا يُزَادُ فِيْهِمْ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ أَبَدًا۔	"یہ اللہ کی طرف سے ایک کتاب ہے جس میں اہلِ جنت کے نام، ان کے آباء اور قبائل کے نام ہیں اور پھر آخر میں بالاجمال ان کا بیان ہے۔ پس اب کبھی بھی ان میں کمی بیشی نہ ہوگی۔

پھر جو کتاب بائیں ہاتھ میں تھی، اس کے متعلق فرمایا:

هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ فِيْهِ أَسْمَاءُ أَهْلِ النَّارِ وَأَسْمَاءُ اٰبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ ثُمَّ أُجْمِلَ عَلٰى اٰخِرِهِمْ فَلَا يُزَادُ فِيْهِمْ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ أَبَدًا ۔	یہ اللہ کی طرف سے ایک کتاب ہے جس میں اہلِ دوزخ کے نام، ان کے آباء اور قبائل کے نام ہیں۔ پھر آخر میں ان کا بالاجمال بیان ہے پس کبھی بھی ان میں کمی بیشی نہ ہوگی۔

آخر میں صحابہ رضؓ نے یہ سن کر عرض کی کہ جب جنتی و جہنمی مقرر ہو چکے اور ان میں کمی بیشی بھی نہ ہوگی تو پھر عمل کرنا کس لیے ہے۔ اس سے گویا فراغت مل گئی؟

آپؐ نے فرمایا:

سَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا فَإِنَّ صَاحِبَ الْجَنَّةِ يُخْتَمُ لَهٗ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنْ عَمِلَ أَيَّ عَمَلٍ وَإِنَّ صَاحِبَ النَّارِ يُخْتَمُ لَهٗ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ وَإِنْ عَمِلَ أَيَّ عَمَلٍ ۔	سیدھے راہِ حق پر چلتے رہو، جنتی کا خاتمہ عملِ جنت پر اور دوزخی کا خاتمہ عملِ دوزخ پر ہوتا ہے۔ خواہ وہ کوئی کام کریں۔

پھر ہاتھ سے اشارہ کر کے ان دونوں کتابوں کو پھینک دیا اور فرمایا:

فَرَغَ رَبُّكُمْ مِنَ الْعِبَادِ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ۔ (رواہ الترمذی)	تمہارا رب بندوں سے فارغ ہو چکا ہے ایک فریق جنت میں اور ایک فریق جہنم میں جائے گا۔

حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کہتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهٗ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهٗ مِنَ الْجَنَّةِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَفَلَا نَتَّكِلُ عَلٰى كِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ قَالَ اعْمَلُوْا	تم میں سے ہر ایک کی جہنم یا جنت کی جگہ لکھ دیا گیا ہے۔ صحابہؓ نے کہا اے اللہ کے رسول! کیا ہم اپنے نوشتہ پر اعتماد کر کے عمل کو چھوڑ نہ دیں۔؟ آپؐ نے فرمایا عمل کرو کیونکہ ہر آدمی

فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ أَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ وَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ الشَّقَاوَةِ ثُمَّ قَرَأَ فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝ لہ

(متفق علیہ)

کو اسی عمل کے لیے توفیق ملے گی جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے، اہلِ سعادت میں سے ہے تو عملِ سعادت کی توفیق اور اگر اہلِ شقاوت میں سے ہے تو عملِ شقاوت کی توفیق دی جائے گی۔ پھر آپؐ نے ان آیات کی تلاوت فرمائی پس جس نے (راہِ خدا میں مال) دیا اور پرہیزگاری کی اور نیک بات کی تصدیق کی پس ہم اسکو آسانی (کی راہ) کی توفیق دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہی کی اور نیک بات کو جھٹلایا پس ہم اسکو تنگی کی (راہ کی) توفیق دیں گے"

معلوم ہوا کہ نفسِ اعمال کو نجات و ہلاکت میں کچھ دخل نہیں ہے۔ لیکن اعمال انجام کی علامت ضرور ہیں۔

"إِنْ خَيْرًا فَخَيْرًا وَإِنْ شَرًّا فَشَرًّا۔"

یہ حدیث جس طرح ڈرانے والی ہے اسی طرح خوشخبری دینے والی بھی ہے ہمیں چاہیئے کہ اپنی حالتِ حسنٰی پر بے خوف نہ ہوں اور کثرتِ معاصی سے مایوس نہ ہوں۔ ہمیں حکم ہے کہ طاعات پر مواظبت کریں اور گناہوں سے بچیں۔ لہذا ہم پر ہر دم اس امر کی بجا آوری میں لگے رہنا اور ہر دم اللہ تعالےٰ سے جنت کا سوال کرتے رہنا اور جہنم سے پناہ مانگتے رہنا واجب ہے۔ مقدر میں جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ ضرور ہوگا۔ ہماری طلب سے نہ جنت ملے اور نہ جہنم سے بچ سکیں۔ اے اللہ! اگر تو نے میرا نام اشقیاء کے زمرہ میں لکھا ہے تو میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میرا نام ہلاک ہونے والوں کے دیوان سے خارج فرما کر دیوانِ سعداء

لہ مشکوٰۃ ص ۲۰

میں لکھ دے۔ یارب! تیرا یہ بندہ اب حالتِ اسلام میں بوڑھا ہوگیا ہے، قابلِ رحم و کرم ہے، تجھ سے مغفرت مانگتا ہے، اس بڑھاپے کی شرم تیرے ہاتھ میں ہے ؎

رسمیست کہ مالکانِ تحریر — آزاد کنند بندۂ پیر

؎ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا شَابَتْ عَبِيْدُهُمْ — فِيْ رِقِّهِمْ اَعْتَقُوْهُمْ عِتْقَ اَبْرَارٖ

وَاَنْتَ يَا سَيِّدِيْ اَوْلٰى بِذَا كَرَمًا — قَدْ شِبْتُ فِي الرِّقِّ فَاَعْتِقْنِيْ مِنَ النَّارِ

مجھے اس بات کا بڑا ڈر ہے کہ اپنی کتابِ سابق (نوشتۂ تقدیر) کا علم نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی ابوعبداللہ رضؓ نامی تھے۔ لوگ ان کے پاس عیادت کو آئے تو وہ رو رہے تھے۔ پوچھا گیا کہ تم روتے کیوں ہو؟ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے یہ بات نہیں کہی تھی کہ:

خُذْ مِنْ شَارِبِكَ ثُمَّ اَقِرَّهٗ حَتّٰى تَلْقَانِيْ۔ — اپنی مونچھوں کو کٹواؤ اور پھر اس پر میری ملاقات تک قائم رہنا۔

انہوں نے کہا ہاں حضورؐ نے یہ فرمایا تھا۔ لیکن میں نے آپؐ کو یہ بھی ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

اِنَّ اللّٰهَ قَبَضَ بِيَمِيْنِهٖ قَبْضَةً وَّاُخْرٰى بِالْيَدِ الْاُخْرٰى وَقَالَ هٰذِهٖ لِهٰذِهٖ وَ هٰذِهٖ لِهٰذِهٖ وَلَا اُبَالِيْ۔ (رواہ احمد) — اللہ تعالیٰ نے دائیں ہاتھ میں (انسانوں کی) ایک مٹھی بھری اور بائیں ہاتھ میں بھی ایک مٹھی بھری پھر فرمایا یہ اس (جنت) کے لیے ہیں اور یہ اس (جہنم) کے لیے ہیں۔ اور مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں۔ اور میں نہیں جانتا کہ میں کس مٹھی میں ہوں۔ یعنی جنت والوں کی مٹھی میں ہوں یا کہ جہنم والوں کی مٹھی میں۔

جب صحابہ کو یہ خوف تھا اور وہ بشارتِ نبوی کے باوجود اس قدر لرزاں و ترساں تھے۔ تو مجھے تو خواب یا بیداری میں کسی طرف سے بشارت بھی نہیں ملی اور

اگر ملتی بھی تو کب لائقِ اطمینان تھی جب تک کہ دنیا میں کامل ایمان پر خاتمہ نہ ہو۔
مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے کہا کہ :
"میں نے تمہیں جنت میں خراماں دیکھا"
فرمانے لگے کہ :
"کیا شیطان کو میرے اور تیرے سوا کوئی اور نہ ملا جس سے وہ مسخراپن کرتا"
یہی مثال میری ہے بلکہ میں نے غلط کہا۔ اس لیے کہ مالک رح نے انکار از راہِ تواضع کیا تھا اور کیا عجب کہ صاحبِ خواب سچا ہو۔ بلکہ یہی بات یقینی ہے کیونکہ از خود خواب بنانا گناہِ کبیرہ ہے اور اس وقت کے لوگ اہلِ تقویٰ ہوتے تھے۔ لیکن میرا حال و قال و فعال اس کے خلاف ہے کہ یہ سب اہلِ نار اور منکرینِ یوم الحساب کے سے اعمال ہیں۔ اور میرے بارے میں تو کسی نے بھی کوئی خوابِ صادق نہیں دیکھا۔ اور اگر دیکھا بھی ہوتا تو میں اسے دیکھنے والے کے حال پر محمول کرتا۔ واللہ! باللہ! اگر اللہ نے یاس کو کفر نہ فرمایا ہوتا تو میں بالکل مایوس ہو چکا تھا۔ کیونکہ عمل کچھ نہیں اور مغفرت کی امید بلکہ یقین ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا غرور (دھوکا) ہوگا کہ گناہ تو اتنے ہیں کہ زمین سے آسمان تک اور مشرق سے مغرب تک میرے معاصی سے بھر جائے۔ طاعت کو دیکھو تو بجز زبان سے کلمہ کہنے کے کسی فعل کی قول سے تصدیق نہیں ہوتی۔ یہ اگر نفاقِ جلی نہیں تو پھر کیا ہے؟ اللہ ہی رحم فرمائے، مرنے سے پہلے عملِ خیر کی توفیق بخشے اور کتابِ سابق میں اگر نجات لکھی گئی ہے تو کچھ ٹھکانا ہے۔ ورنہ اپنے حال نے تو بالکل ناامید کر رکھا ہے۔ اب جو عمرِ فانی پنجاہ سال سے

لہ سابق میں یہی واقعہ بشر حافی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

متجاوز ہو رہی ہے تو ہر دم ایمان کا خوف لگا ہوا ہے، ہمارے سلف چالیس سال کے بعد اشغالِ دنیا سے کنارہ کش ہو جاتے تھے، اور ہماری شامتِ اعمال کو دیکھو کہ ابھی تک ترک و تجرید کی توفیق نہیں پائی ؎

دمِ اخیر ہے اسے داغؔ! توبہ کر توبہ
کہ روسیاہ ابھی اختیار باقی ہے

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ مِنْ ذُنُوْبِیْ كُلِّهَا عَلِمْتُهَا اَوْلَمْ اَعْلَمْهَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ۔

مجھے اس رسالہ کے لکھنے کی ضرورت تو نہ تھی۔ لیکن جب میں نے علامہ شعرانی کی کتاب "منن کبریٰ" کو دیکھا کہ اس میں انہوں نے اپنے مِنَن اور تھوڑے سے مِحَن لکھے ہیں تو مجھے خیال آیا کہ میں بھی اپنے کچھ مِنَن و مِحَن لکھوں اور اس بہانہ سے اللہ تعالیٰ کے شکر و سپاس کا کچھ اظہار کروں، اگرچہ نہیں کر سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احسانات و انعامات مجھ پر بے حساب ہیں۔ اگر ساری عمر ایک سجدہ میں گزر جائے تو ایک نعمت کا شکر بھی ادا نہیں ہو سکتا۔ پھر مِنَن و احسانات بے پایاں کس طرح ضبط و بیان میں آ سکتے ہیں۔

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰى وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ۝

خصوصاً میرے جیسا انسان جس کے گناہ بہت ہوں وہ اگر اللہ تعالیٰ کا کچھ ڈر رکھتا ہو تو نہایت شرم کی وجہ سے اس کی زبان رب تعالیٰ کے سامنے جاری نہیں ہو سکتی ؎

اُحِبُّ مُنَاجَاةَ الْحَبِيْبِ بِاَوْجُهٍ
وَلٰكِنْ لِسَانُ الْمُذْنِبِيْنَ كَلِيْلُ

میں چاہتا تھا کہ اس رسالہ میں کلام کو ذرا طول دوں اور دل کھول کر اللہ سے دعائیں مانگوں۔ لیکن اپنے قلب وقالب کے معاصی پر نظر کی وجہ سے دعا مانگتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ اور ترکِ دعا میں اس بات کا خوف ہے کہ اللہ کی تدبیر سے بے خوف رہنے والوں میں میرا شمار نہ ہو جائے۔ اس لیے چارو ناچار سوال اور دعا کرنا ہی راجح نظر آیا ؎

منِ سرگشتہ کجا دمی و مے خانہ کجا

خواہشِ مغفرتِ دوست گنہگارم کرد

اللہ نے اپنی رحمت سے اہلِ کفرو شرک کی ایک بہت بڑی تعداد کو توبہ نصیب کر کے ان کی مغفرت فرمائی۔ میں اگر عاصی ہوں اور میرا عصیان حدِ شرک و کفر تک بھی پہنچا ہو (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ اللّٰہِ) تو بھی میں اپنے الٰہ العالمین، رب السمٰوات والارضین سے نا امید نہیں ہوں۔ بلکہ یہی دعا کرتا ہوں کہ مجھے موت سے پہلے صدقِ دل سے توبہ وانابت کی توفیق مرحمت فرمائے اور میرا خاتمہ اسلام ایمان اور احسان پر فرمائے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَيْهِ بِعَزِيْزٍ!

ہاں وہ اور لوگ تھے یا ہیں جن کو اس نے مرتبۂ فوز بخشا ہے۔ میں اسی کو غنیمتِ کبریٰ جانتا ہوں کہ:

« فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ »

کے مصداق ہو جاؤں۔ رفعِ درجات کجا، حصولِ معارف ومقامات کجا ؎

عَلٰى اَنَّنِىْ رَاضٍ بِاَنْ اَحْمِلَ الْهَوٰى

وَاَخْلُصَ مِنْهُ لَا عَلَىَّ وَلَا لِيَا

ساعتِ کبریٰ کی شرطوں کے طلوع نے یہ حال کر رکھا ہے کہ اگر صبح کو ایمان ہوتا ہے تو شام کو کفر، شام کو ایمان ہوتا ہے تو صبح کفر۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ

۱۳۲ ربیع ۱۹۰۰م

سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بَادِرُوا بِالْاَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَ يُمْسِي كَافِرًا وَ يُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا يَبِيعُ دِينَهٗ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا۔

ان فتنوں سے پہلے پہلے (نیک) اعمال کرلو جو شب سیاہ کے ٹکڑوں کی طرح ہوں گے کہ آدمی صبح مومن ہے تو شام کو کافر، شام کو مومن ہے تو صبح کافر، اپنے دین کو دنیا کے حقیر سے سامان کے عوض بیچ دے گا۔

(رواہ مسلم)

فتنوں کے ایسے طوفان ہیں کہ ہر طرف شیطانی لشکروں کا غلبہ ہے، اللہ کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا۔ یہ تو وہ وقت ہے کہ اگر کسی مسلمان کا ایمانداری اور تقویٰ شعاری کا ارادہ ہو تو اس کا کوئی مددگار نہیں بلکہ سب اس کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ اعوان و انصار کا یہ خذلان و فقدان، ایمان و اسلام کی مزید تباہی کا باعث ہے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا!

میں اپنا یا اپنی اولاد کا کچھ بھی بھلا نہیں کر سکتا۔ جس طرح اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کرتا ہوا کہتا ہوں:

"اُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَی اللّٰهِ"[1]

اسی طرح اس پیرانہ سالی میں کہ پیغام مرگ دمبدم چلا آرہا ہے، اپنی اولاد و احفاد کو بھی خالق و رزاق کے سپرد کرتا ہوں۔ اگر رحمٰن کے مطیع رہیں گے تو دونوں جہان میں بہتری و بھلائی پائیں گے،

"وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ"[2]

اگر خدانخواستہ نافرمان و ناشکرے ہوں گے تو وہی حال ہوگا جو سارے ہالکین کا ہونا ہے:

[1] المومن ۴۴: [2] الاعراف: ۱۹۶

"وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ" [1]

ہر انسان کا رزق زمین پر نہیں بلکہ آسمان پر ہے:

"وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ" [2]

جب اس پر انہیں یقین کامل ہوگا تو وہ اللہ کے سوا کسی سے کچھ سوال نہ کریں گے۔ اور دنیا کے لیے ذلت کے متحمل نہیں ہوں گے۔ بلکہ غنا کی بجائے عزت و وقار کے ساتھ فقر کو اختیار کریں گے اور اہلِ دول و ریاست کے قرب و قرابت سے ایسے بھاگیں گے جیسے کوئی غضبناک شیر سے بھاگتا ہے۔ صاحبِ اولاد، امیر یا غریب بیوہ عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے سے بھی اجتناب کریں گے۔ کیونکہ اس زمانِ فاسد و عصر کاسد میں اس کے مفاسد حساب سے باہر ہیں۔ اور ناکح کو عذابِ الیم اور عقابِ دائم میں جینا مرنا پڑتا ہے ؎

دادیم ترا ز گنجِ مقصود نشان
گر ما نرسیدیم تو باری برسی

اگر ایسا نہ کریں گے تو وہ جانیں اور ان کا کام جانے، مجھ سے جو بنا اور اللہ نے بنایا، راحتِ دنیا اور فضیلتِ عقبیٰ کے اسباب ان کے لیے جمع کر دیئے ہیں۔ بشرطیکہ اسراف نہ کریں اور قلیل پر قناعت کریں، دنیا و اہلِ دنیا کو ہیچ اور پوچ سمجھیں، اور آخرت پر اسے ترجیح نہ دیں۔

"اَلْمَالُ غَادٍ وَرَائِحٌ"

دنیا فضائل سے نہیں بلکہ وسائل سے ملتی ہے، اور محتاج آدمی سب کی نظر میں حقیر و ذلیل ہوتا ہے گو کتنا ہی فضل و کمال کیوں نہ رکھتا ہو ؎

فَصَاحَةُ سَحْبَانٍ وَخَطُّ ابْنِ مُقْلَةٍ
وَحِكْمَةُ لُقْمَانٍ وَزُهْدُ ابْنِ أَدْهَمِ

إِذَا اجْتَمَعَتْ فِي الْمَرْءِ وَالْمَرْءُ مُفْلِسٌ
فَلَيْسَ لَهُ قَدْرٌ عَلَى وَزْنِ دِرْهَمِ

[1] ابراہیم: ۷ [2] الذاریات: ۲۲

عَرَضْتُ عَلَى الْخَبَّازِ نَحْوَ الْمُبَرِّدِ وَكُتُبًا حِسَانًا لِلْخَلِيلِ بْنِ اَحْمَدِ

وَدِيْوَانَ ابْنِ سِيْرِيْنَ وَخَطَّ ابْنِ مُقْلَةٍ وَتَوْحِيْدَ جَهْمَانٍ وَفِقْهَ مُحَمَّدِ

وَنَاشَدْتُهٗ شِعْرَ الْكُمَيْتِ وَجَرْوَلٍ بِغُنَّةِ لَحْنٍ لِلْغَرِيْضِ بْنِ مَعْبَدِ

فَلَمْ يُغْنِ عَنِّيْ كُلُّهَا قَدْ ذَكَرْتُهَا سِوٰى دِرْهَمٍ نَا وَلْتُهٗ كَانَ فِيْ يَدِ

اہل اللہ کبھی غنا کو اختیار کرتے بھی ہیں تو اس لیے کہ اللہ کے دشمنوں کی نظروں میں معزز و مکرم رہیں اور کسی کے محتاج نہ ہوں، حبِّ مال و جاہ کے لیے اختیار نہیں کرتے۔ اس زمانہ میں صاحبِ عیال سے تو ہرگز فقر پر صبر نہیں ہو سکتا بلکہ بحکم:

"کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا"

ایمان و ایقان کے زوال کی نوبت آجاتی ہے۔ اس لیے ہر عاقل کے لیے لازمی ہے کہ وہ افراط و تفریط سے بچ کر میانہ روی اختیار کر لے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا!

طلبِ معاش میں اجمال واجب ہے، جو کوئی ایسا کرتا ہے وہ دنیا میں با آبرو رہتا ہے اور آخرت میں بھی ان شاء اللہ مناقشۂ حساب سے بری ہو جائے گا۔ میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا، اب طولِ تقریر کا نہیں بلکہ ختمِ تحریر کا وقت ہے۔ میری دعا اس جگہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ:

"اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْاُمُوْرِ كُلِّهَا وَاَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَةِ!"

اور دوسری دعا یہ ہے:

"رَبِّ اَنْتَ وَلِيِّيْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ

وَاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ؟ [1]

یہ دعائیں اس لیے کہ مجھے معلوم ہے کہ حسنِ عاقبت، نعمتِ عافیت، اور وفات علی الاسلام سے بڑھ کر دنیا و دین کی کوئی نعمت نہیں:

"فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ" [2]

یہ رسالہ ذوالحجہ ۱۳۰۴ھ کے آخر میں نیم روز کے قریب تشتتِ بال و تفرق خیال میں ایک عشرہ میں ختم ہوا۔ تاریخِ ختم بمادۂ سالم یہ آیت شریف ہے:

"وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا" [3]

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَيْرَ عُمْرِيْ اٰخِرَهٗ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا!

---

[1] [2] [3] ابراہیم ۳۴

حصّہ دوم

اضافات و ملحقات

مُرتّبہ

حافظ صلاح الدین یوسف

ذوقِ مطالعہ

ترجمہ اقتباس از سلسلۃ العسجد فی ذکر مشائخ السند
تالیف والا جاہ نواب صدیق حسن خانؒ

(صفحات ۶۲ تا ۶۶)

فصل ششم:

یہ فصل ان کتب کی فہرست کے سلسلے میں ہے جن میں سے کچھ کتابیں ان سطور کے راقم نے اپنے لیے منتخب کر لی تھیں اور باقی تمام مدرسہ ریاست بھوپال میں داخل کر دی تھیں۔

امام الزرکشیؒ نے اپنی کتاب "الاصطلاح علی ابن الصلاح" میں لکھا ہے کہ "الفہرسۃ" س پر زبر اس کے ساتھ تائے تانیث لگا کر ہا پر وقف صحیح ہے۔ جیسا کہ ابن جنی نے تثقیف اللسان میں کہا ہے۔ فہرست۔ س ساکن اور تا اصل۔ اس کا لغوی معنیٰ ہے جملہ اعداد (یعنی پورا شمار) یہ لفظ فارسی ہے اور عوام میں کتابوں کی فہرست کے لیے مستعمل ہے۔ الفہرست شمار (گنتی) کے لیے اسم ہے اَلفَہرَسۃ مصدر ہے (یعنی شمار

کرنا فہرست لکھنا)

میں نے یہ جو کہا ہے وہ میں نے شیخ الاسلام و مفتی الانام سلیمان بن عبدالرحمٰن مقبول الاہدل رحمہ اللہ تعالے کا لکھا ہوا پایا ہے۔ احد مراح کے ضمیمہ میں ہے کہ الفہرس۔ زیر کے ساتھ۔ ایسی کتاب جس میں (بہت سی) کتابوں کی (تفصیل) جمع کی جائے۔ یہ فہرست کا معرب ہے۔ اور ایسا ہی القاموس میں ہے۔

یہ تمام کتابیں اور رسالے جو اس فصل میں لکھے گئے ہیں۔ ان تمام کتابوں میں سے ہیں جو میری دسترس میں تھے۔ اور وہ عقلیات و حکمتِ اوائل کی کتابیں جو اللہ تعالے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کا علم ہے۔ میں نے ایک طویل عرصہ سے الگ کر دی تھیں۔ کیونکہ

"الصباح یغنی عن المصباح"

طلوعِ صبح چراغ سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

جز نشرعہ سنّت نرود جانبِ جنّت
زائر بکجا راہئے برد اہلِ جہاں را

(زائر الٰہ آبادی)

اِن تینوں زبانوں کی کتابوں میں سے علم تفسیر و حدیث و فقہ سنّت مطہرہ اور وہ سب جو آلات و معدات کی قسم سے ہیں۔ میرے نزدیک سب سے بڑھ کر پسندیدہ ہیں۔ اور ان کی حفاظت و نگرانی میں پورا پورا اہتمام کرتا ہوں۔ کیونکہ ؎

زائر از آں بگوش کشد کایں حدیث دیں
اے سیّدِ رُسل گہرِ کانِ لعلِ تست!

نازاں اس لیے ان کو غور سے سنتا ہے کیونکہ اے سید المرسلین
یہ دین کی باتیں تیرے لعل و جواہر کی کان کے موتی ہیں۔"

نیز عربی، فارسی، ادب کی کتابیں اور بعض عربی، عجمی شاعری کے دیوان اس لیے باقی رکھے گئے ہیں کہ وہ میرے نزدیک چھوٹے لڑکوں کی تعلیم کے لیے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں کیونکہ ایک طویل عرصہ پہلے ہی ان سے اپنا شوق پورا کر چکا ہوں۔ اور اب ان کی حاجت باقی نہیں رہی۔ جو اردو ریختہ کی بہت سی کتابیں ہیں۔ وہ زیادہ تر دینی کتابوں کے تراجم جو عورتوں کی تدریس اور ان کی تہذیب عقائد و اعمال کے لیے رکھی گئی ہیں اس کے سوا کوئی بات نہیں۔

"إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرئ ما نوى"

ان میں سے بہت ہی کم وہ کتابیں ہوں گی جو بعض احباب و اکابر کے تذکار کے لیے محفوظ رکھی گئی ہیں۔ مزید برآں اس میں ایسی کوئی بات نہیں جو ہمارے مقصود کے مخالف ہو بلکہ اس کا وجود میرے نزدیک عدم جیسا ہے اور اس کا عدم وجود کی طرح۔ اور یہ تمام چھوٹی بڑی کتابیں جن کا ذکر زبانِ قلم پر آیا اور ان کا نام بھی لیا گیا ہے اور اس مقالے کی تحریر کے وقت میرے کتاب خانہ میں رونق افروز ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ سب میرے مطالعہ میں آ چکی ہیں۔ اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہُ۔ اور وہ کتابیں جو اس عالمِ ایجاد کے نظاروں سے متعلق ہیں۔ اور ہر فن اور علم اور زبان اور لغت میں ہیں ان کا ضبط شمار سے باہر ہے۔

ایسی کوئی کتاب نہیں جو تالیف ہوئی یا طبع ہوئی یا عرب و عجم کے شہروں میں دستیاب ہوئی اور میرے مطالعہ میں نہ آئی ہو۔ اگرچہ میں اسے

اپنے پاس نہ رکھ سکا ہوں گا۔ چونکہ کسی چیز کا علم اس سے لاعلمی سے بہتر ہے۔ اگرچہ علم کا پسندیدہ حصہ صحائفِ دین کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہے۔ اس لیے ابھی علم حدیث و تفسیر اور ان سے متعلقہ کتابوں کی آمد آمد ہے۔ اور ائمہ سلف کی تالیفات کی جستجو باقی ہے۔ ان کی خرید میں زرِ کثیر صرف کرنا پڑتا ہے۔ اور ایسی ایسی (چیزیں) تخلیق ہو رہی ہیں۔ جن کا تمہیں علم نہیں ہے ؎

حدیث است جنسِ گراں مایہ زائر
تواں شد خریدار با نقدِ جائش

سفرِ کلکتہ:

اور اس مقالہ کی تالیف کے دوران اتفاق سے سات ذیقعدہ ۱۲۹۲ھ کو کلکتہ کا سفر پیش آ گیا۔ اس ماہ کی سولہ[۱۶] تاریخ کو وہاں پہنچا۔ اور ایک مہینہ وہاں ٹھہرا۔ مدرسہ عالیہ اور ولیم فورٹ سیٹی (سوسائٹی؟) اور قدیم و جدید چھاپہ خانے اس اُمید پر ملاحظہ کئے کہ شاید دینی کتب میں سے کچھ کتابیں حاصل ہو سکیں گی۔ اس شہر کے بڑے بڑے لوگوں سے ملاقات بھی کی۔ خصوصاً ان لوگوں سے جن کو اہلِ علم کہا جاتا ہے۔ مگر ان میں سے کسی سے بھی علم اور دینداری کی بُو نہیں آئی۔ دنیا اور اس کا مال حاصل کرنے میں انہماک کے سوا کوئی اور چیز ان مالداروں اور تہی دستوں میں نظر نہ آئی۔

فَاِنَّا لِلّٰہِ علیٰ ذہاب العلوم والعمل وحب الأفل وطول الامال۔

بہرحال بڑی تگ و دو کے بعد سنن نسائی کا ایک نسخہ شہر

صنعاء کے پرانے خط ہیں، اور کتاب ۱۱ اعلام الاعلام بفضائل بیت اللہ الحرام اور دو تین دوسری کتابیں ادب ولغت وغیرہ کی بیروت اور جرمنی وغیرہ کی چھپی ہوئی بعض اہلِ علم وفضیلت کے ہاں سے ملیں۔ ع

این ہم غنیمت است کہ عمرت دراز باد

اس شہر اور اہلِ شہر کا ملاحظہ بہت عبرت آموز رہا۔ نیز ان لوگوں کی وضع قطع حسرت کا باعث بنی۔ اس شہر کے تمام باشندے یعنی دولتمند اہلِ قلم، عہدیدار، تجارت پیشہ، مسجدوں کے صالحین، مقاماتِ مقدّسہ کے حاجی، مدارس کے علماء، دفاتر کے حکام، سرکاری ملازمین، عام خلقت در عایا، مال کے حصول میں لگے ہوئے ہیں، خواہ وہ حیلے بہانے سے ہو، خواہ اصرار سے، خواہ ترکِ حیا سے ہو، خواہ بغیر واقع حاجت نمائی سے ان کو اس کے حلال وحرام کی کوئی فکر نہیں۔ عاقبت کی بازپرس سے غافل ہیں۔ دولت حاصل کرنے میں پوری طرح ہشیار وچالاک، دین وملت سے بے پروا، برطانیہ کے معززین کی تقریبات میں شوق سے شرکت کرنا۔ عورتوں مردوں کا اختلاط، محض اسلام کے نام پر قناعت، حکام کی سیرت کی نقالی وغیرہ وغیرہ مما لا یلائم ملّۃ الاسلام ان کا شعار ہو چکا ہے۔ سوائے اس کے جسے اللہ نے محفوظ رکھا۔ ——————————————————————————————— ان کا ظاہری حال اس بات کا شاہد ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں دین کا نام اور لفظ بھی ان کے لیے ننگ وعار کا باعث ہوگا، اور وہ اسلام کی غلامی کا پٹہ یکدم اپنی گردن سے اتار پھینکیں گے۔ یہ لمبی لمبی چار دیواریاں، یہ مکانات کی آرائش، یہ زمین کی تحسین اور زمانے کی رنگا رنگی اور دیگر نشانیاں قیامت کے آثار وعلامات ہی کہی جاسکتی ہیں،

کیونکہ یہ تمام لوگوں اور بڑے آدمیوں کا مقصدِ حیات اور ہر چھوٹے بڑے انسان کی ضروریات بن گئی ہیں۔ یہاں سے

ہمہ اندرز زمن بتو این است!
کہ تو طفلی و خانہ رنگین است!

بنارس:

جب کلکتہ سے واپسی سفر میں شہر بنارس پر گزر ہوا تو اس بنا پر کہ یہ شہر بت پرستوں کی قدیم عبادت گاہوں کا شہر ہے۔ یہاں بڑے بڑے عجائب دیکھنے میں آئے، ان سب میں سے ایک یہ ہے کہ ہم ایک دن شہر کی جامع مسجد دیکھنے کو سوار ہوئے۔ یہ مسجد اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں ایک بت خانے کو توڑ کر تعمیر کی گئی تھی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ صحنِ مسجد کبوتروں اور دیگر پرندوں کی بیٹوں سے اس طرح بھرا ہوا ہے جیسے انگریزی پولیس کے بم پڑے ہوں۔ محراب مسجد کے قریب جہاں امام کے کھڑا ہونے کی جگہ ہے ایک پتھر پر یہ عبارت لکھ کر آرائش کر رکھی ہے:

"در سلطنت شاہ عالم بادشاہ بامدادِ امیر الملک عماد الدولہ گورنر جنرل مسٹر ہشتن صاحب بہادر جلادت جنگ سنہ یک ہزار و یک صد و نود و ہشت (۱۱۹۸) ہجری نصیر الدولہ علی ابراہیم خاں بہادر حاکم شہر بنارس ترمیم نمود"

سبحان اللہ۔ اس سے پہلے ایسی مقدس جگہوں اور عبادت کے مقامات پر آیاتِ قرآنی و احادیثِ ربانی لکھی جاتی تھیں۔ اب ان کی جگہ مسٹر ہشتن صاحب بہادر اور اس قسم کی عبارتیں مسجدوں کے طاقوں پر

سجائی جارہی ہیں، تاکہ نمازیوں کے قیام و سجود کے قریب قبلہ کی بجائے یہ چیزیں سامنے رہیں۔

"فلیبك علی الاسلام من كان باكیا۔"

(جس کو رونا ہے وہ اسلام پہ رو لے۔)

کانپور:

بنارس کے بعد کانپور میں آئے۔ یہاں بھی مسجد جدید جامع اور مدرسہ فیض عام انجمن اسلام کو دیکھا۔ شہر کے بعض دوستوں سے ملاقات کی یہاں کے لوگ معزز تجارت پیشہ ہیں۔ جو دوسرے مقامات کی نسبت غنیمت ہیں کہ حفظِ اسلام کی ہمت رکھتے ہیں، اور تھوڑا بہت دینیات سے اکتساب کرتے ہیں۔ یہاں اپنی پسند کے مطابق کتابیں نہ مل سکیں۔ اگرچہ مطبع نظامی سے عربی، فارسی کی کتابیں مدرسہ سنۃ العلوم ریاست بھوپال کے لیے کافی مقدار میں حاصل کیں۔ سُنن دارمی کے اوراق بھی ملاحظہ کئے جو رئیسہ معظمہ دام اقبالہا کی اعانت سے طبع ہو رہی ہے۔

سُنن نسائی جو صنعاء کے نسخہ کے مطابق ہے اور بہت صحیح ہے اس کی طباعت کی بھی اجازت دی گئی۔ وہاں سے روانہ ہو کر جبل پور پہنچے یہاں کوئی قابلِ ذکر مدرسہ اور کوئی نامور عالم موجود نہیں ہے۔ دو تین دن شہر کی سیر کی اور پھر گیارہ محرم ۱۲۹۳ھ (مارچ ۱۸۷۶ء۔ مترجم) کو بھوپال کے لیے رختِ سفر باندھا۔ اور (یہاں پہنچ کر) سفر کی تکالیف سے نجات پائی۔ یہ تمام مسافرت دو ماہ چار دن کی تھی جو ریل پر تمام ہوئی۔

بھوپال کی ثقافتی حیثیت:

الحمد للہ تعالیٰ کہ آج بھوپال ملک ہندوستان میں خطۂ اسلام ہے اور اہلِ ایمان کا مسکن اور اہلِ توحید کا مامن ہے۔ یہاں دین وملت کے اتنے شعائر، مساجد و مدارس کی اتنی عمارتیں، مذاکرۂ علوم شرعیہ اور اشاعت سُننِ نبویہ کا ایسا سلسلہ، اہلِ اسلام کی وضع و ہیئت کا ایسا نمونہ ہے جو کسی دوسری جگہ موجود نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس شہر کو اور اس کے باشندوں کو تمام آفات سے بچائے رکھے۔ اور تمام بُرے انجاموں اور مصائب سے محفوظ فرمائے۔ اس شہر پُر صفا میں اتنی دینی کتابیں، شرع مبین کے اتنے صحائف، اسلامی علوم کے اتنے دیوان اور علومِ شرعیہ ونبویہ کے اتنے ذخیرے موجود ہیں کہ ہندوستان بھر کے دوسرے شہروں میں سے کسی ایک میں شاید ہی موجود ہوں۔ حالانکہ وہاں بھی اہلِ علم اور اہلِ ثروت لوگ موجود ہوں گے۔ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ۔

اور یہ تمام برکات اس مملکت کی والیۂ عالیہ کی ہمت کا نتیجہ ہیں۔

بارك الله فيها ولها وعليها۔

اور جیسا کہ حاکم اسلام کا وجود باجود رعایا کے درمیان یوں ہے جیسے جسم کے اندر دل ہوتا ہے۔ جب دل صحیح ہو تو تمام جسم صحیح ہوتا ہے اور دل خراب ہو تو تمام جسم بھی خراب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس رئیسہ کریمہ کی توفیقِ خیر میں بلندی عطا فرمائے۔ اور اس کی باقیاتِ صالحات کو عمرِ طویل مرحمت فرمائے۔ نیز مساجد و مدارس اور علمائے مملکت پر اپنی عنایات نازل فرمائے۔ اللھم آمین

نایاب کتابوں کے بارے میں حفاظت اور احتیاط کی تلقین

وہ تمام کتابیں جن کی فہرست آگے دی جا رہی ہے ہمیں بحمدہٖ تعالیٰ طلبائے علومِ دینیہ اور علمائے متبعین کو عاریتًہ دینے میں کوئی بخل نہیں ہے، مگر اس طرح کسی شخص کے کوئی کتاب دوسرے علاقے میں لے جانے سے اس کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ لاحق ہوتا ہے۔ جیسا کہ کتاب لے جاکر واپس نہ دینے والے بہت زیادہ ہیں جبکہ واپس کرنے والے بہت کم ہیں۔ ناچار احتیاط کا تقاضا ہے کہ یہ لین دین کا سلسلہ سوائے اپنے اقرباء اور شہر والوں کے بیرونی شہروں کے لوگوں کے ساتھ نہ رکھا جائے تاکہ دور دراز کے سفر رونما نہ ہوں اور خیانت کرنے والوں کی دستبرد واقع نہ ہو۔ اور یہ مخصوص طریقہ ائمہ متقدمین کی تالیفات کے لیے ہے جو کہ اس پُرآشوب دور میں نایاب ہیں، ورنہ میری اپنی تالیفات جو اکثر اللہ تعالیٰ کی توفیق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے طبع ہو کر عرب و عجم میں پہنچ گئی ہیں۔ اور مفت تقسیم کی گئی ہیں۔ ان تقسیم شدہ کتب و رسائل کی تعداد جو اہلِ علم اور طالبانِ حق کو دی گئیں۔ تا ایں حال تک پانچ ہزار نسخہ تک پہنچتی ہے۔ وللہ الحمد۔

تدریس و تالیف کا جو شغل ہے اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ اس سے ہمارا مقصود سوائے احکام سنت کے احیاء، بدعت و ملت کی تردید، احکام اسلام جو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہیں۔ اور ان میں لوگوں کی رائے اور قیل و قال کو دخل نہیں۔ ان کی اشاعت کے سوا اور کوئی

چیز نہیں۔ جیسے کہ تقلید کی بدعت اور دین میں دوسری نئی باتیں جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ تمام عالم میں چھائی ہوئی ہیں۔ مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک تمام جہان میں عام ہو چکی ہیں۔ ہزاروں سے کوئی ایک یا بہت زیادہ لوگوں میں سے بہت کم لوگ آپ پائیں گے جو سنتِ مطہرہ کی دریافت میں توجہ کرے گا اور خطاء و صواب کا حساب لے گا۔

کوئی شاہباز چاہیئے جو اس وقت سنت کی مدد کرے اور بدعت کو شکست دے۔ وہ کسی طعنہ سے نہ ڈرے اور علمائے سوء کے فریب میں نہ آئے۔ غرضیکہ اس جمع و تفریق سے مراد اس ذمہ داری اور اُس جواب دہی سے براءت ہے جو قیامت کے دن ہوگی۔ نیز اپنے بعد آنے والوں کی تعلیم و اصلاح مقصود ہے نہ کہ علم و فضل کا اظہار اور جاہ و ثروت کا حصول اور لوگوں کے مذہب کی حمایت اور قیل وقال کا تعصب اور اسی قسم کی دیگر خواہشات جو کہ اکثر علمائے وقت کا مقصود ہے۔ سوائے اس کے جسے اللہ تعالےٰ بچالے۔ جیسے دوسرے لوگوں کی خواہش ہوتی ہے کہ انہیں جاہ و ریاست اور ناموری حاصل ہو مگر با وجود کوشش کے انہیں یہ مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ اس بندۂ حقیر خادم کتاب و سنت کو اللہ تعالیٰ کے فضل عظیم اور لطفِ عمیم سے یہ چیزیں حاصل ہیں۔ اور میرے حوصلے سے زیادہ مجھ پر اس کی عطائیں ہیں۔ مگر دل میں لوگوں کی طرح ایسی ہوس ہرگز نہیں ہے۔ اور اس کے ساتھ ریاکاری، خوشامد، جھگڑا یا بحث میری فطرت میں شامل نہیں ہے۔

یہ زمانہ جو کہ قیامتِ عظمیٰ اور ساعتِ کبریٰ کے بالکل قریب ہے۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام ختم ہو چکا ہے۔ اور یہ دَور عہدِ فترت

اور عصرِ جاہلیتِ اُولیٰ کے ساتھ جا ملا ہے۔ کسی ایک شخص کو بھی عرب و عجم بھر میں اس سلسلے میں کچھ کہنے کی ہمت باقی نہیں رہی سوائے اس کے کہ ہاتھ سے تو کسی برائی کو دور کرنے کا یارا نہیں فقط زبان ہی سے یہ فرض ادا کیا جائے۔ اور تالیف کے پیرائے میں دور و نزدیک کے علاقوں کے لوگوں کو شرع کی تبلیغ کی جائے اور ہاتھ کی اطاعت (خدمت) اس کے سوا کوئی اور نہیں۔ لہٰذا شرع وعقل کی مصلحت تالیف ہی میں ہے ممکن ہے کہ کسی وقت کسی صاحبِ دل خدا پرست کی نظران تالیفات پر پڑے اور وہ مقدور بھر اس سے فائدہ حاصل کر لے۔

حدیث شریف میں ہے جس کسی نے تم میں سے کوئی برائی دیکھی تو اسے چاہیئے کہ وہ اس کو اپنے ہاتھ سے دُور کر دے، اگر نہ کر سکے تو زبان سے (اس کی ممانعت کرے) اس سے بھی ممکن نہ ہو تو دل سے (برا جانے) اور یہ ایمان کی کمزور ترین حالت ہے۔"

ظاہر ہے کہ ہاتھ سے برائی دُور کرنا سوائے حکومت کے ممکن نہیں اور اہلِ علم کا کام اس برائی کو زبان سے دُور کرنا ہے۔ اور ہر مسلمان کا کام دل سے اسے برا جاننا ہے۔ اِن تینوں اقسام امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے ہر ایک مسلمان کا ہٹ جانا اس کے ایمان کے فقدان کی دلیل ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔

الحمد للہ کہ اس ناتواں کو ان تینوں اقسام پر قدرت عطا کی گئی ہے یعنی یہ علاقہ کہ میرا مسکن ہے اور یہاں کے امور و احکام ظاہر بینوں کی نظر میں مجھے تفویض کیے گئے ہیں۔ اور (وہ سمجھتے ہیں) کہ میں خود ان کی درستی کے لیے کسی سختی کا خواہاں نہیں ہوں۔ درباری معاملات

کے واقف لوگ جانتے ہیں کہ اس ریاست کی رعایا اور عوام کے عمل کی صورت اس سے پہلے کیسی تھی۔ اور اب کیسی ہے۔ ان دونوں میں بڑا فرق پڑ گیا ہے۔ دُور دراز کے شہریوں کے لیے کتابوں کی تالیف واشاعت سے تغییر منکر کا فرض ادا کر رہا ہوں۔ لوگوں کے طور طریق اور حکام وقت کے خلافِ اسلام احکام کے اجرا سے دل میں زبردست غم و غصہ پیدا ہوتا ہے۔ اور میں ہرگز کفر و فسق اور عوام کی بدعات سے راضی نہیں ہوں بلکہ دل سخت اضطراب میں رہتا ہے ؎

غم مہجوریٔ سنّت کشم تا چند اے زائر
زآہم آتشے در دفترِ اغیار بایستے

الحمدللہ کہ باوجود علم و دولت کے سرمایہ کے ہم کو اپنے معاصرین سے کوئی کد نہیں ہے۔ ان میں سے ہم نے کبھی کسی کا تعاقب نہیں کیا اگرچہ اس کے تمام وسائل بھی موجود ہیں۔ نیز ہمیں ان لوگوں کی تالیفات کو دیکھنے کی بھی فرصت نہیں جو کتاب و سنّت کے علوم سے بے علم اور جاہل ہیں۔ مگر اپنے آپ کو فریدِ دہر اور وحید عصر سمجھے بیٹھے ہیں۔ جن کے قول و فعل میں کوئی مطابقت نہیں۔ ان کی تمام تر مساعی اسی امر پر مرکوز ہیں کہ عوام الناس اور اُمراء میں جاہ و منصب حاصل کیا جائے، اپنے ہم عصروں پر برتری حاصل کی جائے اور سنّت خیرالانام کی بنیادوں کو ڈھا دیا جائے۔ مگر الحمدللہ ہمیں ایسی کوئی خواہش نہیں ؎

آمد اندیشۂ دنیا بطلبگاریِ دل
گفتم آں شیفتۂ بے سروپا حاضر نیست

اللہ کا شکر ہے کہ یہ بندۂ عاجز اپنے احوال کے غلبہ سے اس قسم

کی تہمت و شرمناکی سے مبرّا ہے۔ اور اس طائفہ میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی مخاطب نہیں ہوتا۔ مگر ایسا شخص جو اپنی کج طبعی کے تقاضوں کے پیش نظر اپنی کتابوں میں سے کسی ایک کے ذریعے اپنا مقصد حاصل نہ کر سکا ہو وہ اُلجھ پڑتا ہے۔ اور اہل بدعت کے انداز میں اہل سنّت سے لڑتا جھگڑتا ہے۔ اس کے باوجود اس کی طرف بھی ہم توجہ نہیں کرتے اس لیے کہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کی ذرا سی تحریک پر اپنے مقام سے ہٹ جانا اور جاہلوں کی بات سے پریشان ہونا اور انتقام لینے پر آمادہ ہو جانا علماء آخرت کا خاصہ نہیں ہے ؎

چیں بر جبیں ز جنبش ہر خس نمی زنند
دریا دلاں جو موج گہر آرمیدہ اند

"اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً الْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ"۔

سلف صالحین کو بھی عموماً ایسے لوگوں سے نجات حاصل نہیں رہی۔ پس ان صالحین کے اخلاف کے لیے بھی اس پر طمع کی آنکھ جمانا ایک فضول کام سے زیادہ نہیں۔ اپنی بڑائی کے لیے لڑائی جھگڑے کا طریقہ اور نام نہاد مناظرہ دین کو خراب کرنے والوں کا شیوہ ہے۔ علمائے راسخین کا نہیں۔ کسی بات کے برحق ظاہر ہو جانے کے بعد بھی اپنی بات پر بلا وجہ اڑے رہنا حق گزینی اور آخرت بینی کے خلاف ہے۔ معلوم نہیں کہ ان رنگا رنگ کتابوں سے جو علم توحید و فقہ و اصول و تفسیر و حدیث وغیرہ کے سلسلے میں لکھی گئی ہیں اور عرب و عجم کے علاقوں میں اللہ کی توفیق و نصرت سے قبول کی گئی ہیں۔ کسی ایک عالم دین نے بھی اختلاف کیا ہو اور عوام کالانعام جو لوگوں کی پیروی

کرتے ہیں۔ اگر بعض مسائل مثلاً استواء وغیرہ میں مذہبِ سلف کی بجائے مذہبِ خلف پر تعصب اور اپنی لمبی چوڑی دلیلوں سے اپنا چہرہ اپنے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کر لیا ہے۔ تو ان جیسوں کا جواب دانشمند لوگوں کے ذمہ نہیں ہے۔ تُرِكَتْ سِرَادِ كَظْمَتِنِيْ۔

خدا پرستانِ حق آگاہ کی ایک جماعت نے اس عاجز کی تحریک و اشارہ کے بغیر ان خرافات اور لغویات پر توجہ کی ہے۔ یہاں تک کہ جھوٹے کو اس کے گھر تک پہنچایا ہے۔

"وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ"۔

مومنین کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔

ان مدعیانِ علم اور اس زمانے کے مؤلفین و معاصرین کی اپنی کتابوں میں تدلیس و تحریف اور سرقہ بازی اس قدر موجود ہے کہ ضبطِ تحریر میں نہیں آسکتی۔ مگر نبضِ قلم کی پہچان رکھنے والے اور سخن کے مزاج شناس پر یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی ؎

ما اہلِ حدیثیم دغا را نشناسیم!
صد شکر کہ در مذہبِ ما حیلہ و فن نیست

والی اللہ المشتکی ثم الی اللہ المشتکی۔

اس کے بعد اپنی پسندیدہ کتب کی فہرست تحریر فرمائی ہے۔

(مترجم)

نوٹ

ہمارے کرم فرما مولانا ابو یحییٰ امام خاں صاحب زادت الطافہ نے فرمائش کی ہے کہ نواب صدیق حسن صاحبؒ، مولانا شاہ عین الحق صاحبؒ اور مولانا نعمت علی صاحبؒ کے جو کچھ حالات معلوم ہوں، خواہ براہِ راست ان کا علم ہو یا ثقہ رواۃ سے معلوم ہوئے ہوں، ان کو قلمبند کرو، ممدوح نے ایک چھوٹی سی کاپی بھی اپنے منتظم ہاتھوں سے بنا کر عنایت فرمائی ہے۔ مجھے بحیثیت فرقے کے "اہل حدیث" سے کوئی دلچسپی نہیں، بلکہ سچ پوچھئے تو اب میں اس مقام پر کھڑا ہوں جہاں بحیثیت فرقہ کسی فرقے سے بھی دلچسپی نہیں رہتی، اب مجھے صرف اسلام سے دلچسپی ہے یا انسانیت سے۔

مولانا ابو یحییٰ خاں صاحب نوشہروی محض اہل حدیث ہیں، کسی غیر اہل حدیث کی خوبی کے منکر بھی نہیں، نہ کسی اہل حدیث کے کسی عیب کو ہنر سمجھتے ہیں۔ اپنے مسلک میں بہت پختہ ہیں۔ اور یہ ایک قدرتی بات ہے کہ انہیں علمائے اہل حدیث سے خاص دلچسپی ہے۔

علمائے اہل حدیث کے نام سے ان کی ایک کتاب طبع ہو چکی ہے جن بزرگوں کے حالات قلمبند کرنے کی فرمائش کی ہے، وہ بھی اسی

فطری جذبہ کے تحت ہے۔ مجھ سے یہ فرمائش خاص طور پر اس لیے کی کہ ان تینوں بزرگوں سے مجھے کچھ خاص تعلق ہے جو ان کے قلمبند کردہ حالات سے معلوم ہو سکے گا۔

یہ قلمبند کردہ حالات کوئی سوانح عمری نہیں محض چند جستہ جستہ واقعات ہیں، جن کو ایک خاص ترتیب دینے کا کمال مولانا امام خاں صاحبؒ کو ہمیشہ سے حاصل ہے۔ وباللہ التوفیق،

محمد جعفر شاہ پھلواری

مولانا سید محمد جعفر شاہ پھلواری

حرفے از داستان

نواب صدیق حسن خاںؒ صاحب مرحوم

نواب صاحب دراصل ساداتِ قنوج سے تعلق رکھتے ہیں، آپ کے والد ماجد (اولادِ حسن) شیعیت سے تائب ہو کر اہل سنت ہو گئے تھے دادا (اولادِ علی) کی اولاد ہنوز اطراف حیدر آباد میں ہے۔ اور ان میں بکثرت شیعہ ہیں۔ نواب صاحب شیعیت سے بہت متنفر تھے۔ چنانچہ آپ کے وصایا میں ایک وصیت یہ بھی ہے کہ میری اولاد کا کوئی رشتہ شیعوں میں نہ ہو۔

آپ کی اولاد کا نقشہ یوں ہے۔

نواب صاحب

نواب نور الحسن خاں صاحب	نواب علی حسن خاں صاحب	نواب صفیہ جہاں بیگم

ثانی الذکر یعنی سید علی حسن خاں صاحب کی اولاد کا نقشہ یہ ہے۔

نواب سید علی حسن خاں صاحب

نواب امیر حسن خاں　　نواب شمس الحسن خاں　　نواب انور حسن خاں　　نواب صفیہ جہاں بیگم

اوّل الذکر یعنی نواب سید امیر حسن خاں میرے ہم زلف بھی ہیں اور سمدھی بھی ہیں، یعنی ان کے فرزندِ اکبر نواب سید افتخار حسن خاں سلمہ اللہ تعالیٰ کا میری منجھلی لڑکی کلثوم بیگم سے نکاح ہوا ہے، جس سے ایک لڑکی نگار فاطمہ اور ایک لڑکا طارق ہے سلمہا اللہ تعالیٰ عن جمیع الآفات۔

نواب صفیہ جہاں بیگم (بنت سید نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ) کی اولاد کا نقشہ یہ ہے:

صفیہ جہاں بیگم (زوجہ مولوی سید عبدالحی صاحب ممتاز الدولہ)

مجتبیٰ ا مقتدیٰ

نواب مرتضیٰ خاں مرحوم　　نواب مصطفیٰ خاں مرحوم　　نواب مہدی خاں مرحوم　　نواب اشرف جہاں بیگم

مؤخر الذکر یعنی نواب سیدہ اشرف جہاں بیگم سب سے بڑی اولاد ہیں ان کی شادی سید عبدالرحمٰن صاحب سے ہوئی۔ جو خواہر سید احمد مرحوم شہید بریلوی کے چشم و چراغ (ڈاکٹر سید عبدالعلی کے عمزاد بھائی) ہیں، ان کی انیس[19] اولادیں سے اب تین ہیں۔

۱۔ سلیم　　۲۔ شمیم　　۳۔ گوہر جہاں بیگم

مؤخر الذکر یعنی سیدہ گوہر جہاں بیگم میری زوجہ ہیں، گویا وہ نواب سید صدیق حسن خاں صاحب کی پر نواسی اور سید احمد صاحب بریلوی کی خواہر زادی ہیں۔ سید صاحب کی براہِ راست اولاد کوئی نہیں۔

گردشِ ایام اور انقلاباتِ زمانہ کا کوئی زندہ نمونہ دیکھنا ہو تو میری خوشدامن سیّدہ اشرف جہاں بیگم کو دیکھ لیجئے۔

نواب سیّد نورالحسن خاں صاحب (فرزند اکبر نواب صاحبؒ) کی بیگم صاحبہ نے مجھ سے بیان کیا کہ اشرف سلّمہا کی تقریب شادی دیکھنے والوں کو کبھی بھول نہیں سکتی۔ میں (صفیہ جہاں بیگم) نے ان کو جو جہیز دیا تھا اس میں تیئیس ۲۳ سیر سونا اور چھتیس ۳۶ من چاندی کے برتن اور ظروف تھے۔ اور دس بڑے صندوقوں میں سونو صرف وہ جوڑے تھے، جو کبھی کبھی تقریب میں یا عید بقر عید میں پہنے جاسکیں، دوسری چیزوں اور سامان کا اندازہ اسی سے کرلو، کئی گاؤں مسلم اور متعدد گاؤں میں حصّے تھے۔

مشرقی پنجاب کے انقلاب میں یہ کپور تھلے میں میرے ساتھ تھیں، اور لاہور میں برابر ساتھ رہیں، اب اپنے لڑکوں کے ساتھ کراچی کے ایک تنگ و تاریک مکان میں مقیم ہیں۔

"انقلابات ہیں زمانے کے"

یہ ہیں نواب سیّد صدیق حسن خاں صاحبؒ مرحوم کی حقیقی نواسی جو والا جاہ کی رحلت کے وقت قریباً نو دس سال کی تھیں۔ نواب صاحب ہر دوسرے تیسرے دن اپنی بیٹی اور نواسی، نواسوں کو دیکھنے آیا کرتے تھے، اجازت لے کر داخل ہوتے۔ نواب صاحب اکثر سب بچوں کے ساتھ کھانا کھایا کرتے تھے۔ بیٹی (نواب صفیہ جہاں بیگم) نواب صاحب کی وفات کے بعد پانچویں سال میں بیوہ ہوگئی تھیں۔ نواب صاحب اپنی اولاد میں کسی کی اتنی دِلداری نہ کرتے تھے جتنی ان کی کرتے۔

ہماری خوشدامن نواب صاحب کے متعلق بہت سے واقعات

بیان کرتی ہیں ۔

نواب صاحب کی اپنی اور اپنی بہنوں کی اولاد میں ہر ایک کا وظیفہ یوم پیدائش سے مقرر ہو جایا کرتا تھا ۔ ہر ایک کے سن شعور کو پہنچنے تک وہ رقم جمع ہوتی رہتی تھی ۔ ہر ایک کا حساب کتاب باقاعدہ کاغذات پر رہتا تھا ۔ اور ہر سال ہر ایک کی رقم میں سے پابندی سے زکوٰۃ نکالی جاتی تھی ، ہر ایک کی تھیلی اور حساب کتاب کا کاغذ الگ الگ رہتا تھا ، اور سب رقم بڑے بڑے مقفّل صندوقوں میں بند رہتی تھی ، نواب صاحب کے اس طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے ، کہ وہ مال پر زکوٰۃ واجب ہونے کے قائل تھے نہ کہ اشخاص پر ورنہ نابالغوں کی نہ نکالتے ، ہر فرد کے لیے ساٹھ روپے ماہانہ یوم پیدائش سے ملتا تھا ۔ ہماری خورشید امن کو ایک سو ساٹھ روپے ماہانہ ملتے تھے ، ان کی بڑی بہن کا وظیفہ بھی بعد وفات ان ہی کے نام جاری رہا ۔ چنانچہ ہماری خورشید امن کا گاؤں سمگرہ اسی وظیفہ کی جمع شدہ رقم سے خریدا گیا تھا ۔

نواب سیّد مہدی خاں عرف ابن میاں مرحوم نواب صفیہ جہاں بیگم کی سب سے چھوٹی اولاد ہیں ۔

نواب صاحب جب کبھی گاؤں کا دورہ کرتے تو مونا پالکی پر کرتے تھے اور پالکی میں قلم دوات اور کاغذ اور کتابیں اپنے ساتھ رکھتے تھے ، حتی الامکان وقت ضائع نہ ہونے دیتے تھے ، دورانِ سفر بھی مطالعہ کتب کرتے اور ضروری مضامین نوٹ کرتے رہتے ، اولاد کی تربیت کے لیے جہاں تعلیم کا انتظام تھا وہاں شہ سواری سکھانے کے لیے بھی معلّم رکھتے تھے اس حدیث کے موافق جس میں بچوں کو تیراکی ، شہسواری ، اور تیر اندازی سکھانے کا حکم دیا گیا ہے ۔

مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے جانشین مولانا قطب الدین عبدالوالی فرنگی محلی نے بیان کیا، کہ نواب صاحب کی علم دوستی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مولانا عبدالحئیؒ فرنگی محلی، سے ساری عمر نواب صاحبؒ کا تلمی مناظرہ ہوتا رہا، لیکن جب مولانا کی رحلت کی خبر ملی تو نواب صاحب کہنے لگے کہ:

"آج سے ہمارا علم مُردہ ہو گیا"

اسی وقت تمام دفاتر کو بند کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ اور تعزیت کے لیے خود فرنگی محل تشریف لائے۔

نواب صاحب کے پاس ساز و سامان کی کیا کمی ہو سکتی تھی، لیکن بعض اوقات وہ اپنے ہاتھ سے پیوند لگا کر کپڑا پہن لیا کرتے تھے۔ بلکہ جوتے بھی اپنے ہاتھوں سے گانٹھ لیا کرتے تھے۔ بیگم صاحبہ (نواب شاہ جہاں بیگم والی بھوپال) ان کاموں پر ٹوکتیں، تو نواب صاحب بڑی متانت سے فرماتے کہ:

"سنّت رسولؐ ادا کرنے پر خوش ہونا چاہیئے نہ کہ ناراض!"

نواب صاحبؒ کے یہ چینی کے پیالے اور پلیٹیں میری بیوی کو بھی میری خوشدامن نے جہیز میں دی ہیں۔ جن میں سے بہت سے برتن ٹوٹ گئے۔ بہت سے چھوٹ گئے، یہ برتن نہایت خوبصورت ہیں۔ جن پر عمدہ سنہری کام ہے، اور وسط میں نواب صاحب کی سنہری مہر ہے۔ یہ نقش ایسا پختہ ہے کہ دھونے یا مانجھنے سے نہیں چھوٹتا، ایک چھوٹی تشتری مولانا ابو یحییٰ امام خاں صاحب کو بھی بطور ہدیہ میں نے دی تھی، جسے ان کے ہاں سے ایک شفقت مآب اڑا لے گئے۔ اب میرے پاس بھی شاید ہی چند رہ گئے ہوں۔

نواب صاحب صرف عالم نہ تھے، بلکہ حکمران بھی تھے۔ اس لیے فوجی بینڈ باجے کو جائز سمجھتے تھے۔ آپ کی قبر بھوپال میں ہے اور کمر تک اونچی کر کے محفوظ کر دی گئی ہے۔ کوئی عمارت یا چھت گیری وغیرہ نہیں۔

نواب صاحب اپنی زندگی کے آخری دور میں تمام سامان، روپیہ، جائیداد وغیرہ اپنے ورثاء کے نام کر گئے تھے۔ اس میں ایک حصہ نواب شاہ جہان بیگم کے نام بھی تھا۔ ایک صندوق سونے کی اینٹوں کا بھی تھا۔ (ایک اینٹ چالیس تولے کی) اس کے متعلق اپنے بڑے بیٹے نواب نورالحسن خاں کو وصیت کر گئے تھے کہ اسے نہ ہاتھ لگانا، یہ تمہاری سرکار اماں کا ہے، چنانچہ یہ صندوق مہینوں پڑا رہا، اور نواب شاہ جہان بیگم نے اسے لینا پسند نہ کیا۔ آخر کار انہوں نے کہا کہ:

"میں یہ لے کر اب تم لوگوں کو دیتی ہوں"

اس میں سے اٹھارہ اینٹیں ہماری خوشدامن کے حصہ میں بھی آئی تھیں (اس وقت سونا پچیس۲۵ روپے تولہ تھا) یہ چھٹا حصہ تھا۔ اس سونے کا جو نواب صفیہ جہاں بیگم کے حصے میں آیا تھا۔ اور گو یا بھائیوں کو اس کا دگنا ملا تھا۔

نواب صاحب اکثر نور محل کی مسجد میں جمعہ ادا کرتے تھے۔ کبھی کبھی خود بھی پڑھایا کرتے تھے۔ تمام بچے بھی ساتھ ہوتے تھے ہماری خوشدامن بھی کبھی کبھی ساتھ ہوتی تھیں۔ ہماری خوشدامن کہتی ہیں کہ سب لوگ زور سے آمین کہتے تھے۔

نواب سکندر جہاں بیگم والدہ نواب شاہ جہاں بیگم حج سے واپسی میں قنوج آئی تھیں۔ یہیں نواب صاحب کے نکاح کی بنیاد پڑی۔ اس وقت

نواب صاحبؒ میر دبیر کے عہدے پر فائز تھے، نواب صاحبؒ فریضۂ حج قبل از نکاح ہی ادا کر چکے تھے۔

نواب سکندر جہاں بیگم نے نواب شاہ جہاں بیگم کی پہلی شادی امراؤ دلہا سے کی تھی۔ یہ فوج کے افسر اعلیٰ تھے۔ شادی سے آٹھ نو سال بعد انتقال کر گئے، پھر نواب سکندر جہاں بیگم کا انتقال ہوا، انہوں نے بیٹی سے کہا کہ اب تم ہی وارثہ تخت و تاج ہو، تم نے ایک شادی میری پسند سے کی تھی، اب دوسری اپنی پسند سے کر لینا۔ نواب صاحبؒ کی بیوی نواب زکیہ بیگم (یعنی ہماری خوشدامن کی نانی) زندہ تھیں۔ اور بھوپال ہی میں رہتی تھیں۔

نواب صاحب جب کاغذات وغیرہ لے کر نواب شاہ جہاں بیگم کی خدمت میں جاتے تو ہمیشہ اپنی نظریں نیچی رکھتے۔ آپ کے تقویٰ کا اثر یہ ہوا کہ ایک سوت کی موجودگی ہی میں نواب شاہ جہاں بیگم نے پیام نکاح دے دیا۔

نواب صاحب کو نواب سکندر جہاں بیگم نے جو جاگیر دی تھی وہ بہت کافی تھی۔ شاہ جہاں بیگم سے عقد ہونے کے بعد اپنی بڑی بیگم (زکیہ جہاں بیگم) سے تعلقات میں سرِ مُو فرق پیدا نہیں کیا، اپنی جاگیر سے پانچ سو روپیہ ماہانہ ان کو دیتے تھے، اور پانچ سو روپیہ ماہانہ ہی شاہ جہاں بیگم کو دیتے تھے، عقد ثانی کے وقت نواب نور الحسن خاں صاحب کی عمر پانچ سال کی تھی، اور نواب زکیہ جہاں بیگم کے انتقال کے وقت میری خوشدامن کی عمر چار سال کی تھی۔

نور میاں اور علی میاں کی شادی ایک ساتھ ہوئی تھی، بڑی بیگم نے

چھوٹی بیگم کو دعوتِ شرکت نہیں دی۔ نواب صاحبؒ نے چھوٹی سے پوچھا کہ آپ شادی میں نہیں گئیں؟

انہوں نے کہا مجھے بڑی بیگم نے بلایا ہی نہیں، کہنے لگے واہ! وہ تو آپ ہی کا گھر ہے، آپ کو کون روک سکتا ہے، آپ جائیے!

نواب شاہ جہاں بیگم (چھوٹی بیگم) بڑے دل گردے کی تھیں، انہوں نے اپنی تمام سوتیلی اولاد کو حقیقی اولاد کی طرح رکھا، زکیہ جہاں بیگم کے بعد نورالحسن خاں صاحب کو اپنا فرزند بنا لیا، اور نواب صاحب کے انتقال کے بعد سب کے وظیفے دوگنے کر دیئے۔

نواب صاحب جب زیادہ بیمار پڑے تو آپ کی صاحبزادی نواب صفیہ جہاں بیگم نے ایک معتمد کالے خاں کو کچھ تحفے دے کر حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کی خدمت میں دعائے صحت کے لیے بھیجا، حضرت مولانا نے براہِ راست نواب صاحب کو ایک خط بھیجا، جس میں لکھا تھا کہ آپ ہرگز نہ گھبرائیں، آپ کے لیے قطعی جنّت ہے۔ یہ خط نواب صاحب کو دکھایا نہیں گیا۔ نواب نورالحسن خاں صاحب نے اس خط کو پڑھا تو بجائے افسردہ ہونے کے ہنسے۔ کیونکہ اس خط میں گویا نواب صاحب کے انجام بالخیر ہونے کی بشارت تھی۔ نواب نورالحسن خاں صاحب اور نواب علی حسن خاں صاحب دونوں حضرت مولانا کے مرید ہو گئے تھے۔ اوّل الذکر پر فقر بہت غالب تھا۔!"

(منقول از ہفت روزہ "الاعتصام" ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۰ء)

از مولانا ذوالفقار احمدؒ بھوپالی (ف ۱۹۲۱ء)

تنبیہ

اقتباس از کتاب "قضاء الارب من ذکر علماء النحو والادب"

*

بالفعل خاکسار عفا اللہ عنہ نے ایک کتاب دیکھی جس کا نام "اکتفاء القنوع بما ہو مطبوع" ہے، ادورد بن کرنیلیوس فندیک (ایڈورڈ کارنیلس فندیک۔ ناقل) کی تالیف ہے۔ مطبع تالیف ہلال واقع مصر قاہرہ میں مطبوع ہوئی ہے۔ اُس میں کتب علوم اور ان کے مصنفین کا ذکر ہے۔ بغایت نفیس کتاب ہے گویا ایک جام جہاں نما ہے مصنف نے قابلِ داد کام کیا ہے۔ اُس میں شیخنا المرحوم (نواب سید صدیق حسن خاںؒ۔ ناقل) کی کتب کا بھی ذکر ہے۔ صفحہ ۴۹۷ میں یوں لکھا ہے:۔ (اس کے بعد طویل اقتباس عربی زبان میں ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

۔ ملکہ بھوپال سے تزوج کے باعث مال و دولت میں (نواب صدیق حسنؒ) غنی ہو گئے۔ اس کے بل بوتے پر بڑی بڑی کتابیں جمع کر کے کتب خانہ بنا لیا۔ اور علماء سے کتابیں تالیف کروا کے اپنے نام سے طبع کروالیں۔"

وضاحت

صاحبِ انتقادِ الفنوع نے جو شیخنا المرحوم کا یہ ترجمہ لکھا ہے سو اُس بنا پر ہے جس کی اُن کو خبر پہنچی اور خبر صدق و کذب دونوں کی محتمل ہوتی ہے۔ چونکہ یہ ایک تاریخی بحث ہے اس لیے ضرور ہوا کہ جو بات واقعی ہے اُس کو واضح و راست گزارش کر دوں۔ ان کی تحریر میں کئی امور ہیں۔

اوّل امر:

یہ ہے کہ اصل اُن کی عوام الناس سے ہے۔ حالانکہ یہ امر واقعی نہیں ہے بلکہ اصل اُن کی اخص الخواص میں سے ہے اس لیے کہ شیخنا المرحوم کا نسبِ طاہر بواسطہ حضرت قطب العالم مخدوم جہانیاں رضی اللہ عنہ کے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ اور آپ کا خاندان ساداتِ بخارا ہندوستان وغیرہ ممالک میں ایک معزز خاندان ہے۔ یہ تو نسب ہوا، اور باعتبار جاہِ دنیوی آپ کے جدِّ امجد سیّد اولاد علی خاں المخاطب بہ انور جنگ ریاست حیدر آباد دکن میں بجاگیر بیش قرار و منصب معتبر ممتاز تھے۔ آپ کے والد مولانا سیّد اولاد حسن صاحب قنوجی رحمہ اللہ تعالےٰ نے باوجود طلبِ والیِ حیدر آباد۔ کے اپنے والد کا منصب و مال و متاع کثیر ترک کیا۔ اور اپنے وطن میں جادۂ زہد و تقویٰ پر مستقیم رہے۔ اپنے شہر میں بکمال زہد و قناعت عمر بسر

کی۔ سارا شہر آپ کا معتقد تھا۔ باعتبار تقویٰ و تدین کے سب کے سردار تھے۔ اس کی پوری تفصیل اور بھوپال میں آنے کا حال اور روزگار و ترقی مناصب کی کیفیت خود شیخنا المرحوم نے اپنی بعض تصانیف میں خوب تحریر فرمائی ہے۔

دوسرا امر:

یہ ہے کہ جب غنا حاصل ہوئی تو علماء کو جمع کیا اور ان کو بھیجا۔ پھر ہر طرف سے قلمی کتابیں خریدیں اور ایک بڑا کتب خانہ جمع کیا اور اپنے پاس رہنے والے علماء کو تالیف کی تکلیف دی۔ پھر ان کی تصانیف لے کر اپنی طرف منسوب کر لیں۔ یہ امر بھی غیر واقع ہے۔ کیونکہ ان کے غنا سے پہلے چند علمائے معمر یہاں ایک مدت سے موجود تھے۔ اور اپنی اپنی خدمتوں پر مقرر تھے۔ جن کو نہ تالیف و تصنیف کا شوق تھا اور نہ چنداں فارسی و عربی لکھنے کی عادت تھی۔ ہاں بفرط شوق نفائس کتب زر خطیر صرف کر کے یمن وغیرہ سے طلب کیں۔ اور ان سے (علمی) نفع لیا۔ اور اطراف و جوانب سے لوگوں نے کتابیں بھیجیں۔ زمانہ غنا میں دو چار اہل علم بتلاش روزگار یہاں آئے۔ حسب لیاقت ان کو جگہ ملی۔ ان میں سے بعض نے معاصرین کے اعتراضوں کے جواب بھی لکھے۔ لیکن شیخنا المرحوم نے ہرگز ان کو تکلیف نہیں دی کہ اپنی کتابیں ان سے تالیف کرا کے اپنی طرف منسوب کریں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو سرعت تحریر عطا فرمائی تھی۔ وہ شاید اس وقت میں کسی کو ہو، عربی و فارسی خوش محاورہ قلم برداشتہ بلا تکلف لکھتے تھے۔ ان کا مسودہ مثل مبیضہ ہوتا تھا۔ اللہ پاک نے

ان کے وقت میں بہت برکت رکھی تھی۔ ذرا سے وقت میں کام بہت ہو جاتا تھا۔ بالالتزام تالیف کا وقت صبح کی نماز کے بعد سے نو بجے تک تھا۔ اور اگر دنیاوی کاروبار سے فرصت پائی تو اور اوقات میں بھی لکھتے تھے۔ ورنہ خیر!

تیسرا امر:

یہ ہے کہ ایسی قدیم کتابیں اختیار کرتے تھے جن کے ایک نسخے کے سوا اور نسخے نہیں ہوتے تھے۔ اور ان کا عنوان متغیر کرتے۔ اور ان کے نام بدل کر اور نام رکھتے، اور اوّل صفحہ پر اپنا نام مع القاب فخر کے لکھتے یہ امر بھی خلافِ واقع ہے۔ اس لیے کہ ان کی تالیفات کئی قسم کی ہیں جن کی تفصیل یوں ہے:۔

۱۔ ایک قسم تو یہ ہے کہ کسی کتاب کی شرح لکھی، جیسے عون الباری شرح تجرید بخاری و سراج وہاج شرح تلخیص مسلم و انتقاد رجیح شرح اعتقاد صحیح و بغیۃ الرائد شرح عقائد۔ یہ سب کتابیں شروح حدیث وغیرہ سے تلخیص کر کے لکھی ہیں۔ جس طرح کہ علماء متقدمین و متاخرین کا طریقہ ہے۔ جس کتاب سے نقل کیا اس کا نام لکھ دیا۔

۲۔ دوسری قسم یہ ہے کہ کسی متقدم کی کتاب کی تلخیص کی ہے۔ جیسے حصول المامول ارشاد الفحول کی تلخیص ہے۔ اور مثیر ساکن الغرام الی روضات دارالسلام حافظ ابن قیمؒ کی کتاب حادی الارواح کی تلخیص ہے۔ اور فتح البیان تفسیر فتح القدیر امام شوکانیؒ کی تلخیص ہے۔ لیکن یہ محض تلخیص نہیں ہے بلکہ اور کتبِ تفاسیر سے اس

میں بہت اضافہ کیا گیا ہے۔ گویا خود مستقل کتاب ہے۔ پس جس کتاب کی تلخیص کی۔ اس کتاب کا نام مع نام مصنف دیباچہ میں لکھ دیا ہے۔

۳۔ تیسری قسم یہ ہے کہ کسی کتاب کا ترجمہ کیا ہے۔ مثلاً عربی سے فارسی یا اُردو میں۔ جیسے ترجمہ بلوغ المرام فارسی میں یا ترجمہ دررِبہیہ اُردو میں جس کا نام فتح المغیث ہے۔ یہ کتب بہت ہیں۔ جس کا ترجمہ ہے اس کا نام مع نام مصنّف دیباچہ میں لکھ دیا ہے۔ اس قسم کی تالیف ہمیشہ سے ہوتی چلی آئی ہے۔ میرے علم میں ایسا نہیں ہوا ہے کہ غیر کی کتاب کو نام بدل کر اپنی طرف منسوب کر لیا ہو، ان کی کتابیں اقسام مذکورہ سے خالی نہیں ہیں۔

اب رہا بعض معاصرین کا انتقاد سو یہ کچھ نئی بات نہیں ہے ہمیشہ ہوتا رہا ہے۔ کتب تاریخ و تراجم علماء میں اس کی تفصیل خوب لکھی ہے۔ معاصرت اصل منافرت ہوتی ہے۔ دیکھو حافظ ابن حجر و عینی و سیوطی و سخاوی و علامہ ابن تیمیہ و ابو حیان وغیرہم جن میں کیا کچھ ہو چکا ہے۔ خطا و نسیان و سہو و غلط لوازم بشری سے ہے۔ سوائے انبیاء علیہم السلام کے کوئی معصوم نہیں ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

ومن ذالذی ترضی سجایاہ کلہا　　　کفی المرء نبلاً ان تعد معائبہ

صاحب اکتفاء القنوع کو تو جیسے خبر پہنچی اس کے مطابق لکھا۔ بعض لوگ اور ہندوستان میں بھی اس قسم کا خیال رکھتے تھے۔ اس خیال کی بنا یا تو نادانی پر ہے یا حسد پر۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے اپنا دیکھا بھالا جانا بوجھا لکھا ہے۔ شیخنا المرحوم کو خاکسار سے ایک مناسبت

طبعی ایسی تھی کہ شاید ویسی کسی سے ہو۔ جب مدرسہ سلیمانیہ کا اہتمام اُن کے سپرد ہوا، اور میں بھی وہیں مُدرّس تھا تو اکثر ملاقات و یکجائی رہتی تھی۔ عجیب لطف و محبت سے پیش آتے تھے۔ ہر وقت ہنس کر کشادہ پیشانی سے ملتے بغایت حسنِ خلق کا برتاؤ رکھتے تھے۔ مسک الختام شرح بلوغ المرام کا مبیضہ مدرسے ہی میں کیا۔ یہ کتاب دو مجلد کلاں میں ہے۔ دوبار اپنے ہاتھ سے اس کو لکھا۔ جب میر منشی ہوئے پھر نائب دوم، پھر نواب بنے تو مجھے باجازت سرکار عالیہ دام اقبالہا اپنی خدمت میں بلا لیا۔ اس وقت سے لے کر اُن کی وفات تک اُن کی خدمت میں رہا۔ جس لطف سے پیش آتے تھے وہی لطف ہمیشہ رہا۔ خفا ہونا کیسا! کسی فکر میں ہوں جب ملیں تو مسکرا کر ملیں۔ ایسا خلق کسی کا دیکھا نہ سُنا۔ شرح دُررِ بہیہ مسمّیٰ بہ روضہ ندیہ تالیف فرمائی۔ مسودہ خاص سے میں نے ایک نسخہ نقل کیا تاکہ طبع کے لیے لکھنؤ جائے۔ بعد ازاں آٹھ ماہ میں فتح القدیر سے فتح البیان ملخص فرمائی۔ پھر مدارک و خازن سے اس پر اضافہ کیا۔ پھر منظور ہوا کہ جمل (تفسیر۔ شرح۔ جلالین) وغیرہ سے کچھ اور زیادہ ہو چونکہ اصل مسودّہ میں اس کی گنجائش نہ تھی۔ اس لیے مجھے حکم دیا کہ مسوّدہ سے مبیضہ کروں۔ دو تین سال میں خاکسار نے اُس کا مبیضہ کیا۔ جس قدر اجزا تیار ہوتے خدمت شریف میں پیش کرتا تو آپ جمل سے اس پر اضافہ فرماتے تھے۔ جب چھپنا شروع ہوا تو اس کی کاپی کا مقابلہ میں اور وہ کرتے۔ وہ پڑھتے تھے اور میں سنتا تھا۔ اسی طرح ساری کتاب کا مقابلہ ہوا۔ پھر پے در پے کتب تالیف فرماتے رہے۔ سوائے چند کتب کے جو کہ لکھنؤ یا قسطنطنیہ و مصر میں طبع ہوئیں۔ ساری تالیف کا مقابلہ میں نے اور انہوں نے کیا۔ وہ پڑھتے اور میں سنتا۔ اُن کی تالیفات عربی و

فارسی و اُردو میں سنے اُن کی زبان سے سنی ہیں۔ اور پھر دوسروں سے اس کا مقابلہ کیا ہے۔ اور تصحیح وغیرہ کی ہے۔ ان کے سارے مسودے میری نظر سے گزرے ہیں۔ اکثر تو تین بار اور بعض دو بار اور بعض ایک بار۔ منصف مزاج ایسے تھے کہ عبارت پڑھتے میں اگر کہیں سہو ہو گیا تو ان کو ٹوکا، پس اس کو مانا اور صحیح پڑھا۔ گو کتنے ہی آدمی بیٹھے ہوں۔ میں نے ان کی بعض کتب کے مسوّدات جلد بندھوا کر تبرکاً اپنے پاس رکھ چھوڑے ہیں۔ اگر سچ پوچھو تو ان کا گوشت پوست سب علم تھا۔ ان کی طبعی بات سوائے ذکر و فکر کے اور کچھ نہ تھی۔ مجھے براہِ محبت تالیف پر بہت آمادہ کرتے اور رغبت دلاتے تھے۔ چنانچہ انہی کے زور دینے سے کتاب "المبتکر فی بیان المونث والمذکر" تالیف کرنا شروع کی۔ جب تمام ہوئی تو خدمت میں پیش کی۔ بہت خوش ہوئے اور پسند فرمائی۔ آپ کی برکت سے عالم میں مقبول ہوئی۔ چنانچہ صاحب اکتفاء القنوع نے بھی اُس کا ذکر کیا ہے اور یوں لکھا ہے:

"ابو الحسن ذوالفقار احمد له مبتکر فی بیان ما یتعلق بالمؤنث والمذکر طبع فی بهوپال الهند ۱۲۹۷ھ ولا یقتصر هذا المبتکر علی المؤنث والمذکر هو مصنف نفیس فی اللغة مع کثیر من الشواهد والآداب۔ منه یظهر للقاری حسن مساعی اهل الهند فی خدمة معرفة اللغة العربیة۔ انتهی۔

اس کتاب کو پچاس روپیہ ماہوار کے خوشنویس نے آٹھ ماہ میں لکھا پانچ سو نسخے اس کے طبع ہوئے۔ شیخنا المرحوم کی کتب کے ساتھ مصر، روم و یمن و مکہ معظمہ وغیرہ کو اکثر نسخے گئے۔ باقی نسخے یہاں تقسیم ہوئے اب اس کا نسخہ کمیاب ہے۔

پھر محاسن المحسنین فی حکایات الصالحین فی ترجمہ روضۃ الریاحین لکھی۔

پھر شرب المدام السلسال علی ذکر سلامان وایسال پھر طی الفراسخ الی منازل البرازخ پھر تشنیف الاسماع بسلوان المطامع پھر الروض الممطور فی ذکر علماء شرح الصدور پھر حدائق الزہور فی رجال شرح الصدور بزبان عربی، یہ طبع نہیں ہوا۔ پھر القول المیسور فی رجال شرح الصدور نام میں رسالۂ مذکور کی تلخیص کی۔ پھر مرأۃ النسوان ترجمہ حسن الاسوہ جب یہ کتب میں نے لکھیں تو بہت خوش ہوئے، اور پھر فرمایا الحمدللہ بھائی میری زبردستی اور تقاضے سے یہ کتابیں تالیف ہوگئیں۔ کتب کی طبع اپنے صلبی مال سے کرتے تھے، مالِ زکوٰۃ سے نہیں۔ اس لیے سب نسخے مجھے عطا فرماتے تھے۔ اور میری ملک کر دیتے تھے میں جو چاہوں کروں۔

چنانچہ مبتکر کے سب نسخے ہدایا میں گئے۔ اس طرح محاسن کے سب ہزار نسخے کئی سو نسخے طی وغیرہ کے مفت تقسیم ہوئے۔ کئی سو نسخے کا تبادلہ کتب علمی سے کیا گیا۔ مرأۃ النسوان چونکہ سرکار عالیہ دام اقبالہا کے حکم سے طبع ہوئی تھی۔ اس لیے اس کے سب نسخے مِلک سرکاری ٹھہرے اُن کے حکم سے اس کی تقسیم ہوئی۔ اور ہوتی ہے۔ غرضیکہ سیدنا المرحوم کا مجھ پر خاص یہ اتنا عظیم الشان احسان ہے کہ مجھ سے اس کا ادنیٰ شکر ادا ہونا بھی محال ہے پورے شکر کا کیا ذکر ہے۔ اس کے سوا اور ان کے بہت احسان ہیں۔ ان کی خدمت میں دینی و دنیوی و علمی بہت سے فوائد حاصل ہوئے۔ مجھ عاجز سے سوا دعائے خیر کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ اللہ پاک ان کو درجاتِ عالیہ عطا فرمائے۔ اور ان کی اولاد و احفاد کی عمر و دولت میں برکت دے اور اپنے مرضیات کی توفیق عنایت کرے۔ آمین

شیخنا المرحوم کی آخری کتاب مقالات الاحسان ہے۔ یہ کتاب ترجمہ

ہے۔ [illegible] کا جوکہ سیدنا و مولانا حضرت سید عبد الغفار گیلانی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ جب اس کا طبع ہونا شروع ہوا تو میں نے اور اُنہوں نے اس کا مقابلہ کیا۔ جب صحت نامہ کا وقت آیا تو وُہ بیمار تھے۔ میں نے اور ایک اور شخص نے اس کا مقابلہ ان کے روبرو کیا۔ مرض استسقا ہو گیا تھا۔ نہایت درجہ ایذا ہوئی۔ مگر بڑے مستقل مزاج تھے وفات کے وقت تک استقلال رہا۔ ہراس اور بے صبری کا کلمہ زبان سے ہرگز نہیں نکلا۔ ایام بیماری میں شب کو میں اُن کے پاس رہتا تھا۔ رات کو نیند نہیں آتی تھی۔ اور نہ لیٹا جاتا تھا۔ پلنگ پر قبلہ رُخ بیٹھے رہتے سامنے تکیے رکھ لیتے تھے۔ ان پر سر رکھ لیا کبھی اُٹھا لیا۔ اسی طرح ساری رات بسر ہوتی تھی۔ اکثر یا ارحم الراحمین کہتے تھے۔ بیماری کی تو شدت لکھنے کی طاقت نہیں۔ مگر علم کا شوق وہی۔ مجھ سے کہا بھائی تم آخر اور جگہ بیٹھ کر لکھتے ہو، ہمارے سامنے ہی لکھا کرو۔ میں اس وقت مرآۃ النسواں لکھتا تھا۔ پس میں نے ان کے روبرو لکھنا شروع کیا۔ ظہر سے عصر تک ان کے کمرے میں لکھتا پھر گھر جاتا۔ بعد عشاء کے پھر آجاتا تھا تو رات کو بھی چراغ کے روبرو بیٹھ کر ان کے سامنے لکھتا۔ اس سے ان کو انس ہوتا۔ اس اثنا میں باتیں بھی کرتے جاتے تھے۔ کئی دنوں سے اسی طرح ہوتا تھا۔ کبھی فرماتے بھائی آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو مثل دوا کے کہ جب بیمار ہوں تو ان کی حاجت ہو۔ اور ایک مثل غذا کے۔ کسی حالت میں اس سے چارہ نہیں ہے۔ تمہاری یہی مثال ہے۔ غرضیکہ روز چہار شنبہ بست و نہم ماہ جمادی الأخریٰ ۱۳۰۷ھ کو ناگاہ جی میں آیا کہ آج تین بجے سے ان کے پاس جاؤں۔ چنانچہ جلدی سے کھانا کھا کر ان کے پاس حاضر ہوا تو تکیے

پر سر رکھے ہوئے تھے۔ میں نے سلام کیا تو سلام کا جواب دیا۔ اور فرمایا اچھا ہوا۔ سویرے آ گئے پھر باتیں کرتے رہے۔ بیقراری زیادہ تھی۔ دوا علاج ہوتا رہا۔

مگر کچھ فائدہ نہیں ہوتا تھا۔ اس طرح ہوتے ہوتے رات کے بارہ بج گئے۔ اس وقت یا اس سے قبل کہا بھائی آگرہ سے ہماری کتاب نہیں آئی میں نے کہا وہ چھپ گئی۔ اس کا صحت نامہ بھی تیار ہو گیا۔ فرمایا اچھا ہوا۔ مہینہ بھی پورا ہوا۔ اور ہماری تالیف بھی پوری ہوئی۔ پھر کوئی دوا لایا تو پی لی۔ ذرا دیر بعد میں نے کہا کچھ آپ کو تسکین ہے۔ فرمایا کسی قدر۔ پھر کہا ہم اب دوا نہیں پئیں گے۔ اتنے میں ایک بج گیا۔ ذرا دیر بعد بیقراری ہوئی تو بسرعت ٹوپی سر سے اتار کر ڈال دی اور ذرا پاؤں پھیلائے اور چہرے پر پسینہ آیا۔ بکشادہ پیشانی بکمال درستی ہوش و حواس جان بحق تسلیم کی۔ اس وقت ایک بج کر ۳ منٹ ہو گئے تھے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

بعد نمازِ صبح غسل دیا گیا۔ نماز جنازہ میں ایک خلقِ کثیر تھی۔ کئی بار نماز ہوئی۔ بروز پنجشنبہ یکم رجب ۱۳۰۷ھ کو قبل دوپہر کے اپنے خاص قبرستان میں مدفون ہوئے۔ آپ کے انتقال کا ایک عالم کو رنج والم ہوا۔ لوگوں نے مرثیے اور تاریخیں کہیں۔

بالجملہ بعد آپ کی وفات کے حسب فرمائش میر سید نور الحسن خاں صاحب فرزندِ اکبر شیخنا المرحوم الدر المنظوم فی ترجمۃ ملفوظ المخدوم لکھا۔ بعد اس کے حسب استبداد میر سید علی حسن خاں صاحب فرزند اصغر

شیخنا المرحوم بحکم سرکار عالیہ دام اقبالہا اواخر ماہ صفر ۱۳۰۸ھ سے ترجمان القرآن کا تکملہ لکھنا شروع کیا۔ اللہ پاک نے محض اپنے فضل سے ماہ ذی قعدہ ۱۳۱۵ھ کو آٹھ جلدوں میں ختم کرادیا۔ اللہ سبحانہ، قبول فرمائے اور سہو و خطا و نسیان سے درگزر کرے۔ اور حسن خاتمہ روزی فرمائے۔ آمین

واقع میں بھوپال کے علم و فضل کی شہرت جو عرب و عجم و روم و شام وغیرہ میں ہوئی۔ سو اس کے باعث صرف شیخنا المرحوم ہیں۔ وہ بنفسہٖ مثل ایک خلق کثیر کے تھے کما قیل ؎

لیس علی اللہ بمستنکر! ان یجمع العالم فی واحد

حقیقت میں یہ سارے اوج موج شیخنا المرحوم کے محض سرکار عالیہ دام اقبالہا کی قدر دانی و شریف نوازی و قدر افزائی علم و فضل سے تھے۔ چنانچہ ہمیشہ اپنی زبان سے اس کا شکریہ کیا کرتے تھے، اور اپنی تصانیف کے خاتمے میں بھی سرکار عالیہ دام اقبالہا کی قدر دانی اور احسانات و انعامات کا شکریہ لکھ دیا۔ تاکہ ابدالآباد صفحہ روزگار پر ثبت رہے اس لیے کہ زبانی شکر قائم نہیں رہتا ہے۔ اور کتاب میں لکھا ہوا ہمیشہ ثابت و باقی رہتا ہے۔

والحمد للہ اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا و مولینا محمد و علی آلہ و صحبہ اجمعین الی یوم الدین۔ آمین۔ آمین۔

علامہ محمد عبدالحی الکتانی الجزائری کا اقتباس

وبالجملة فهو كبار من لهم اليد الطولى في احياء كثير من كتب الحديث وعلومه بالهند وغيره، جزاه الله خيرا۔ وقد عده صاحب عون المعبود على سنن ابي داؤد المترجم له احد المجددين على رأس المائة الرابعة عشر۔

وما لبعض المسيحيين في كتاب له اسمه "اكتفاء القنوع بما هو مطبوع"، من ان المترجم كان عاميا وتزوج بملكة بوهبال فحتى لما اغتنى بالمال جمع اليه العلماء وارسل يبتاع الكتب بخط اليد وكلف العلماء بوضع المؤلفات ثم نسبها لنفسه بل كان يختار الكتب القديمة العديمة الوجود وينسبها لنفسه الخ

فكلام اعدائه فيه والا فالتآليف تآليفه ونفسه فيها متحد۔

(فهرس الفهارس والاثبات)

"نواب صدیق حسن خان ان کبار علماء میں سے ہیں جن کا ہندوستان اور بیرونِ ہندوستان میں علومِ حدیث اور ان کی کتابوں کے احیاء واشاعت میں بہت بڑا حصہ ہے۔ جزاہ اللہ خیراً۔ صاحبِ عون المعبود علامہ شمس الحق ڈیانوی نے، جنہوں نے اِن کے عربی میں مختصر حالات تحریر کئے ہیں۔ نواب صاحب کو اوائل چودھویں صدی ہجری کے مجددین میں شمار کیا ہے۔
بعض عیسائی مستشرقین نے ایک کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام

"اکتفاء القنوع بما ہو مطبوع" ہے۔ اس میں نواب صاحب کا ذکر بڑے گھٹیا انداز میں کیا گیا ہے۔ اور ان کی بابت یہ افترا پردازی کی گئی ہے کہ والیۂ بھوپال کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد انہوں نے علماء کو پیسے دے کر کتابیں لکھوائیں اور اپنے نام سے چھپوا لیں بلکہ کئی عدیم الوجود کتابیں حاصل کر کے انہیں اپنی طرف منسوب کر لیا۔

لیکن یہ سب باتیں ان کے دشمنوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ ان کی تمام تالیفات ان کی اپنی ہی تالیف کردہ ہیں، اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ان کی تمام کتابوں کا اسلوب یکساں ہے۔"

نواب صاحب بھوپالی

اور انکی بابرکت تالیفات

از مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم

اِس نامور دہر ہر دلعزیز جامع ریاست دینی و دنیوی نے دینِ اسلام کے فروع و اصول میں بزبان عربی و فارسی و ہندی اس قدر تصنیفات کی کہ ادق مسائل دین جن پر خواص علماء بھی کم مطلع تھے۔ اب اکثر عوام و اوساط الناس جاننے لگ گئے ہیں۔ ہندوستان و پنجاب بلکہ عرب میں کوئی ایسی جگہ نہ ہوگی یا کم ہوگی۔ جہاں کوئی اہل علم ہو یا علم کا ذکر و اثر ہو اور جناب ممدوح کی کوئی تصنیف وہاں نہ ہو۔ اسی نظر سے بعض علماء وقت نے ان کو اس صدی کا مجدد قرار دیا ہے اور ان کے حق میں یہ کہا ہے۔

مجدد العلم فی ھذا الاوان ومن　　　قد انقذ الناس من بدع واشراک

اس وقت میں علم کا مجدد ہے جس نے لوگوں کو بدعت و شرک سے چھڑایا

مروج العلم فی بدو وفی حضر　　　بمنصل لدم الفجار سفاک

جنگلوں اور بستیوں میں علم پھیلانے والا فاسقوں کا تیرِ قلم سے خون بہانے والا۔

مفسر الذکر بالقول المبین فقد علا بہ فوق اعلام واملاک

قرآن کا واضح بیان سے تفسیر کنندہ جس کے سبب وہ بڑے بلند مرتبہ والوں پر فوقیت لے گیا۔

ابدی لنا فی تالیفٍ لہ ظہرت مقالۃ خاب منہا کل افاک

اس نے ہمارے لیے اپنی تصانیف ظاہر و باہر میں ایسی باتیں کھول دیں جن سے جھوٹے ٹوٹے میں پڑے ۔

مگر افسوس صد افسوس بعض اشخاصِ ہند جن کو دین کی طرف توجہ نہیں یا یوں کہو کہ کم ہے۔ اور کتب و مسائل سے مطلق آشنائی نہیں یا یوں کہو کہ نہایت ہی کم ہے۔ جناب ممدوح کی تصانیف کی قدر نہیں کرتے اور وقتاً فوقتاً ان پر نکتہ چینیاں کرتے رہتے ہیں۔

ان دنوں ایک کتاب موسوم بہ "اسلام اور مسلمانان" کسی صاحب مولوی محمد حسین اغلب موہانی نامی سابق نائب ایڈیٹر اودھ اخبار نے تالیف کی ہے۔ جس میں انہوں نے مسلمانوں کے اسباب ترقی و تنزل کی ایسے طور پر تفصیل کی ہے کہ اس کے اکثر مطالب پر جو بذریعہ اس کے ریویو ۳۲ صفحہ کے ہماری نظر سے گزرے ہیں۔ ہمارا بھی صاد ہے۔

اس کتاب میں انہوں نے نواب صاحب ممدوح کی تالیفات کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور گویا ان تالیفات کو اسباب تنزل حالت اہل اسلام کے شمار کیا ہے۔ اور ان کے اوران کے مؤلف کی نسبت یہ چند نا ملائم الفاظ تحریر کئے ہیں کہ یہ ایک اسلام کا عالم غت ربود اور انبار بے سود تصنیفات کا مصنف ہو کر مذہبی مباحثہ موحدوں اور حنفیوں میں اوقات ضائع کرتے اور فضول روپیہ صرف کرتے ہیں۔

یہ اِن کے الفاظ اس کتاب سے ریویو مندرجہ اخبار" کوہ نور" نمبر ۲۴ جلد ۳۰ مطبوعہ ۲۷ جون ۱۸۸۲ء سے ہم نے نقل کئے ہیں۔ اصل کتاب کو ہم نے نہیں دیکھا خدا جانے اس میں کیا زیادتیاں اور بے جا نکتہ چینیاں جناب ممدوح اور اُن کی تصانیف کی نسبت مؤلف کتاب سے سرزد ہوئی ہیں۔ یہ الفاظ کتاب مذکور جو اس ریویو میں منقول ہیں سراسر غلط و محض خلاف واقع ہیں۔ اور صاف یقین دلاتے ہیں کہ جس شخص کے قلم سے یہ الفاظ نکلے ہیں اس نے نواب صاحب کی مصنّفات کو خواب میں بھی نہیں دیکھا۔

اُن تصانیف پر یہ گمان کرنا کہ وہ مذہبی مباحثہ حنفیہ و موحدین پر مشتمل ہیں صریح خلاف واقعہ ہے۔ نواب صاحب کی کسی کتاب میں حنفی و شافعی یا وہابی و بدعتی یا شیعہ و سُنّی کا مباحثہ پایا نہیں جاتا۔ کوئی ہم کو ان کی کتاب میں اس قسم کا ایک مباحثہ دکھا دے تو ہم سے ہماری قدرت کے موافق جو انعام چاہے پاوے۔ کوئی مرد میدان ہے آوے۔

نواب صاحب کی کتاب تو درکنار اس قسم کے مباحثے ان کی زیر حکومت ریاست میں ہوتے نہیں پاتے۔ کبھی کسی نے سُنا نہ ہوگا کہ جیسے دہلی، مراد آباد، بریلی، لکھنؤ، بنارس، لاہور، امرتسر، وزیر آباد، سیالکوٹ، فرید کوٹ، وغیرہ پنجاب و ہندوستان میں مذہبی مباحثے حنفیہ و اہلحدیث و سُنّی و شیعہ و وہابی و بدعتی کے ہوتے ہیں۔ ویسا مباحثہ کبھی شہر یا ریاست بھوپال میں ہوا ہو یا اس مضمون کا کوئی رسالہ نواب صاحب یا ریاست بھر میں کسی اور کی طرف سے نکلا ہو۔

ہاں اوائل عمر میں اور زمانہ طالب العلمی کے قریب نواب صاحب نے ایک دو ورسالہ مولوی در رد شیعہ میں لکھا تھا۔ جس کا نام کلمۃ الحق و کشف الالتباس

اُنھوں نے رکھا تھا۔ مگر اس وقت نواب صاحب کو یہ کمال علمی و حکمت عملی حاصل نہ تھا۔ اس وقت اِن کا خیال وحال وقال اس طرز مخاصمانہ سے ایسا مخالف ہوگیا ہے کہ ایسے مخاصمانہ رسائل کو اُنھوں نے اپنی تصنیفات کے عداد سے نکال دیا اور اپنی مصنفات کی فہرست سے خارج کر دیا ہے اس سے زیادہ واضح وروشن دلیل باہمی مناظرات سے نفرت وکراہت پر کوئی کیا دکھا سکتا ہے جو نواب صاحب بہادر نے قائم کر دکھائی ہے۔

اس حالت میں نواب صاحب یا اُن کی تصنیفات کو مذہبی مباحثات حنفیہ واہل حدیث کی طرف منسوب کرنا خلاف واقع نہیں تو کیا ہے۔

اور اُن تصانیف کی نسبت یہ کہنا کہ وہ انبار بے سود ہے یعنی اس کو مسلمانوں کی قومی ترقی میں کچھ دخل نہیں ہے سراسر ناواقفی اور کم فہمی پر مبنی ہے۔ یہ بات بجز اس شخص کے جو مذہب کو قومیت کا جز نہ سمجھتا ہو کوئی نہیں کہہ سکتا۔ اور ایسا سمجھنے والا نہ صرف اپنی ناواقفی ولاعلمی معنی قومیت سے ظاہر کرتا ہے۔ بلکہ وہ اس بات کا بھی اظہار کرتا ہے کہ اس کو قومیت سے تعلق نہیں ہے گو وہ قومی ترقی کا زبان سے خواہاں ہے۔

راقم ریویو نے ان کا کلام نقل کیا ہے جس کا ٹھیک ٹھیک مطلب یہ ہے کہ مذہب میں پیروی اقوام یورپ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے مذہب کو نقصان پہنچتا ہے جو ترقی قومی کے منافی ہے معلوم نہیں مولانی صاحب نے یہ بات کہہ کر وہ بات کیونکر کہی یہ بات بھول گئے یا وہ بے سوچے قلم سے نکل گئی۔ اور جب کہ بشہادت اس بیان یا برہان اور باعتراف قومی ترقی خواہاں بلکہ باقرار نکتہ چینیاں تصانیف نواب صاحب والاشان بہ امر ثابت و محقق ہے کہ مذہبی ترقی بھی قومی ترقی کا جزو ہے اور قومی ترقی

بدون ترقی مذہبی ناممکن و نا منظور و متصور ہے تو پھر اگر نواب صاحب ممدوح نے اپنی تصانیف میں مذہب کو ترقی دی اور مذہبی مسائل کی حفاظت اور اشاعت کی تو اُن کی تصانیف کو انبار بے سود کہنا کیونکر صحیح ہے اور ان کو ترقی قومی اہل اسلام سے خارج و بے دخل ٹھہرانا کیا معنے رکھتا ہے کہ مولانی صاحب ان کی نسبت ایسے الفاظ نا ملائم فرماتے ہیں۔

اب رہا یہ امر کہ تصانیف نواب صاحب نے مذہبی ترقی کی ہے یا نہیں اور ان تصانیف سے مذہبی مسائل کی حفاظت اور اشاعت ہوئی یا نہیں جیسے کہ ان سے پہلے دینی تصانیف علمار سلف و خلف سے مذہبی ترقی و اشاعت ہوئی ہے۔ اس کا تصفیہ ہم عموماً ناظرین اور خصوصاً حضرات نکتہ چین پر چھوڑتے اور منجملہ تصانیف نواب صاحب دس بیس کتابوں کا نام ایک نقشہ کے ضمن میں بتا دیتے ہیں۔ ناظرین و حضرات نکتہ چین برائے خدا دو چار برس لگا کر ان کتابوں کا مطالعہ کر کے خود ہی ہم کو بتا دیں کہ ان کتابوں میں حمایت اشاعت و ترقی دین پائی جاتی ہے یا نہیں اور اس کا نفع دین میں ان کتب دینیہ سے جو ان سے پہلی تصنیف ہو چکی کچھ کم ہے یا ان سے زیادہ۔

(نقشہ بر صفحہ آئندہ)

نقشہ بعض مؤلفات نواب صاحب بہادر بھوپال سلمہ اللہ بالتوفیق والاقبال

نمبر	نام کتب	علم	زبان	کیفیت
۱	فتح البیان فی مقاصد القرآن	تفسیر	عربی	چار مجلد میں ہے کہ ہر ایک ان میں سے تقریباً ہزار ہزار صفحہ میں ہے۔ صحت وسند میں سابقہ سب تفسیروں سے فائق ہے۔
۲	عون الباری شرح تجرید مختصر بخاری	حدیث	"	۸ مجلد میں ہے جو اکثر پانچ پانچ سو صفحہ میں ہے اس میں صحیح بخاری کے عقدوں کو جو قرآن کے دوسرے درجہ میں ہے حل کیا ہے
۳	مسک الختام شرح بلوغ المرام	"	فارسی	گیارہ سو صفحہ میں ہے۔ اس میں حدیث ومذاہب فقہیہ کی عمدہ تحقیق ہے۔
۴	اکسیر فی اصول التفسیر	تفسیر	"	۱۲۰ صفحہ میں ہے اس میں مسائل تفسیر اتقان وفوز الکبیر وغیرہ مؤلفات سلف وخلف کو عمدگی سے جمع کیا ہے۔

نمبر	نام کتب	علم	زبان	کیفیت
۵	منہج الوصول	اصول حدیث	فارسی	۱۳۳ صفحہ میں ہے۔ یہ کتاب اصول حدیث میں جامع کتاب ہے۔
۶	ہدایۃ السائل	فقہ حدیث	//	۵۲۲ صفحہ میں ہے۔ اس میں ادق و معرکہ آرار مسائل فقہیہ کو بطور سوال و جواب بیان کیا ہے۔
۷	اتحاف النبلاء	تاریخ	//	۴۴۴ صفحہ میں ہے۔ اس میں ائمہ محدثین و فقہاء کے تاریخی حالات اور ان کی مصنفات کو بیان کیا ہے۔
۸	افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ	اصول تفسیر	//	۸۴ صفحہ میں ہے۔ اس میں تمام ناسخ و منسوخ آیات و احادیث کو ایسے طور پر ذکر کیا ہے کہ گویا دریا کو کوزہ میں جمع کیا ہے۔
۹	حصول المامول	اصول فقہ	عربی	۱۴۰ صفحہ میں ہے۔ اس میں اصول فقہ کے مسائل کثرت سے وارد کئے ہیں۔
۱۰	روضہ ندیہ شرح درر بہیہ۔	فقہ حدیث	//	دو ضخیم جلدوں میں ہے۔ اس میں ان مسائل فقہیہ کو جو ظاہر حدیث کے موافق ہیں معہ بیان اختلاف مذاہب مدلل کیا ہے۔

نمبر	نام کتاب	علم	زبان	کیفیت
۱۱	حجج الکرامۃ	تاریخ	فارسی	۵۰۰ صفحہ میں ہے اس میں تاریخ کے علاوہ مسائل دینی بھی کثرت سے ہیں۔
۱۲	ظفر اللاضی	فقہ	عربی	۱۶۰ صفحہ میں ہے۔ اس میں ان احکام اسلام کا بیان ہے جن کی رعایت قاضیوں پر واجب ہے۔
۱۳	ذخر المحتی	فقہ	"	۱۱۰ صفحہ میں ہے۔ اس میں مفتیوں کے لیے واجب الرعایت احکام اسلام بیان ہے۔
۱۴	لقطۃ العجلان	تاریخ	"	۱۰۰ صفحہ میں ہے۔ اس میں تاریخی حالات کے علاوہ مسائل اسلامی کثرت سے ہیں۔
۱۵	فتح المغیث	فقہ حدیث	اُردو	اس میں ان مسائل فقہیہ کا بیان ہے جو حدیث سے ثابت ہیں۔
۱۶	ریاض المرتاض	سلوک وتصوف قدیم	فارسی	۳۲۸ صفحہ میں ہے۔ اس میں وہ سلوک بیان ہوا ہے جو کتاب و سنت سے ثابت ہے۔
۱۷	رحلۃ الصدیق	فقہ	عربی	۹۲ صفحہ میں ہے اس میں مسائل حج و عمرہ بیان ہوئے ہیں۔

نمبر	نام کتاب	علم	زبان	کیفیت
۱۸	موائد العوائد	حدیث	فارسی	۲۵۴ صفحہ میں ہے۔ اس میں مختلف مضامین کی احادیث کو بحذف اسناد وارد کیا ہے۔
۱۹	جنۃ فی الاسوۃ الحسنۃ بالسنۃ	اصول فقہ	عربی	۱۰۸ صفحہ میں ہے۔ اس میں اتباع سنت و تقلید کے مسائل کو بلا خطاب خاص کسی شخص یا فرقہ کے بیان کیا ہے۔
۲۰	شرح الاعتقاد الصحیح	عقائد	عربی	۷۶ صفحہ میں ہے۔ اہل سنت کے عقائد قدیمہ کا بیان ہے۔
..	..	..	..	.. ..

اس قسم کی اور ان مضامین کی کتابیں مؤلفہ نواب صاحب اور بہت ہیں۔ جن کی تعداد ہمارے علم میں سو کے قریب ہے۔ حضرات نکتہ چین ایمان وانصاف کو پیش نظر رکھ کر کہیں کہ کیا یہ کتابیں بے سود ہیں۔ اور اہل اسلام کا ان میں دینی فائدہ نہیں ہے۔ ایسا کہیں تو براہ مہربانی یہ بھی ہم کو بتادیں کہ اُن کے مقابلہ میں اور کون سی کتابیں سود مند ہیں جن سے مسلمانوں کو دینی فائدہ ہے۔ ان سے کتب مؤلفہ نواب صاحب کا موازنہ ومقابلہ کیا جاوے گا۔ اور عام مسلمانوں کو ان کے مقابلہ میں اُن کا مفید وغیر مفید ہونا بتایا جاوے گا۔

بالجملہ جو کچھ موہانی صاحب نے نواب صاحب کی تالیفات کی

نسبت کہا ہے۔ اس کو صحت و نفس الامر سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے ہم اُمید کرتے ہیں کہ موہانی صاحب اس اپنی رائے کو واپس کرلیں گے۔ یہ جرأت و حق پرستی حاصل نہ ہو تو اُس پر نظر ثانی تو ضرور کریں گے۔

(فنوس الکملہ علیٰ رؤس الجہلہ مش ۱۹۲۶ء)

مجدّد

کسی کے ذاتی و شخصی وصف منقصت یا کمال سے بحث کرنا چنداں ضروری امر نہیں ہے۔ مگر جب وہ ذاتی و شخصی وصف قومی وصف ہو جائے اور اس کا اثر ایک قوم پر پہنچے تو وہ وصف ذاتی و شخصی نہیں رہتا۔ اور اس سے بحث قومی ضروریات سے ہو جاتی ہے۔

مثلاً ایک شخص کسی کی نسبت شہادت دینا چاہتا ہے اور اس کے کلام کا اثر اس کی جان یا مال پر پہنچنے والا ہے تو اس کے ذاتی چال و چلن سے بحث کرنا ضروری و قومی امر ہے۔ ایسا ہی اگر کوئی شخص کسی قوم کا رہنما و متقدا ہے اور اس سے عام لوگوں کی ہدایت یا ضلالت متصور ہے تو اس کے ذاتی حالات سے بحث کرنا ان لوگوں کا اعلیٰ فرض ہے جو قومی امور میں بحث کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

اسی اصول[1] پر محدثین نے سلف سے خلف تک حدیث کے راویوں

---

[1] اصول جمع اصل بمعنے قانون ہے اور لغۃً کسی ایک قانون پر اس کا اطلاق صحیح نہیں ہے مگر چونکہ عام لوگ بجائے اصل لفظ اصول بولتے ہیں۔ اور اگر لفظ اصل بولا جاوے تو سمجھ نہیں سکتے۔ لہذا ہم نے بھی وہی عام فہم لفظ اصول بجائے اصل بولا ہے

اور دین کے اماموں کے حالات سے بحثیں کی ہیں۔ اور فن اسماء الرجال میں کتابیں لکھی ہیں۔ اور مؤرخین نے سلاطینِ زمان وغیرہ اعیان کے حالات میں تاریخیں تالیف کیں۔

اِسی اصول پر ہم بھی بعض اوقات بعض اعیان اسلام کے حالات سے بحث کرتے ہیں۔ ان کے نشر مناقب و محامد کو موجب ہدایت ہزارہا اشخاص کا جو اُن کی طرف رجوع کریں، اُن کی تالیف سے ہدایت پاویں، خیال کر کے اشاعۃ السنہ میں ان کے فضائل وکمالات کو بیان کرتے ہیں اس امر کو اگر کوئی ذاتی وشخصی بحث سمجھے تو یہ اس کی نافہمی ہے اور جو اس کو اخبار نویسوں کی سی خوشامد تصور کرے یہ اس کی سوءظنی وبدگمانی ہے۔ یہ بدگمانی ہر ایک کام میں (اچھے سے اچھا کیوں نہ ہو) ہو سکتی ہے۔ (مثلاً ایک شخص دوپہر کی دھوپ میں نماز کے لیے کسی مسجد میں آتا ہے۔ اس کے اس فعل میں یہ بدگمانی ہو سکتی ہے کہ یہ ریا کار ہے۔ اس فعل سے یہ تسخیر خلائق مدِ نظر رکھتا ہے) مگر خدا اور رسول قرآن واسلام ہم کو اس بدگمانی سے مانع ہیں۔ اور ہر ایک مسلمان کے فعل میں (گو وہ بدنیتی سے کیا گیا ہو) حسن ظنی ونیک نیتی کے گمان کرنے کو واجب کرتے ہیں۔ چنانچہ اشاعۃ السنہ نمبر ا جلد ۲ میں بصفحہ وکتاب وسنت سے اس کا ثبوت دیا گیا ہے) لہٰذا کسی مسلمان کو حق نہیں پہنچتا کہ ہمارے یا کسی مسلمان کے فعل میں (جب تک کہ اس کے پاس ایسی قطعی دلیل بدگمانی کی جو خدائے تعالیٰ کے سامنے قیامت کے دن چل سکے) موجود نہ ہو بدگمانی کرے۔ آئندہ اختیار ہے قیامت قریب

اور غلط العام فصیح کا لحاظ کیا۔

ہے۔ خدا تعالیٰ رقیب ہے۔ اگر اس بدگمانی پر قطعی دلیل نہ ہو گی تو خدا تعالیٰ سے جان چھڑانی مشکل ہو جائے گی۔ اس بات کو عوام نہیں تو مولوی صاحبان تو سوچیں جو قرآن کو موت کو حساب کو پس پشت ڈال کر ہمارے بعض مضامین پر جھٹ فتوے لگاتے ہیں کہ یہ فلاں صاحب کی خوشامد کے لیے ہے۔ اور یہ انگریزوں کی تالیف کے لیے ہے و علیٰ ہذا القیاس۔

اسی اصول پر ہم نے پرچہ سابق (نمبر ۴ جلد ۶) میں ایک مضمون بعنوان "نواب صاحب بھوپال اور ان کی بابرکت تالیفات"، لکھا تو اس کے ضمن میں: نواب صاحب ممدوح کی نسبت بلا اختیار یہ فقرہ مدحیہ قلم سے نکل گیا کہ:

"جناب ممدوح کو بعض علماء نے اس صدی کا مجدد قرار دیا ہے"

اس پر ہمارے ایک خیر خواہ دوست مولوی صاحب نے جو ایک لکھنوی اخبار کے ایڈیٹر ہیں یہ نکتہ چینی کی ہے کہ نواب صاحب ممدوح نے ایک مصور کو تصویر پر انعام دیا یا ریاست سے دلوایا ہے اور اپنی تصویر قد آدم کو تاج المحل بھوپال میں رکھوایا ہے"

اور ضمناً ہم پر بھی یہ اعتراض جڑ دیا ہے کہ:

"ہم نے ان کو ایسی حالتوں کے ساتھ مجدد کیوں قرار دیا ہے"۔

اس مقام میں ہم اس دوست کا ازالہ شبہ و شکایت کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اول تو نواب صاحب سے یہ فعل سرزد نہیں ہوا اور اگر بقول کسی مفتری و دروغ گو کے اس کا وقوع مان بھی لیا جاوے تو اس سے ان کا مجدد ہونا زائل نہیں ہوتا۔

مجدد ہونے کے لیے معصوم ہونا شرط نہیں ہے اور منصب مجددیت عین منصب نبوت یا اس کا مساوی نہیں ہے کہ مجدد سے کوئی خطا یا گناہ ہونا نہ پاوے۔ اس کی شرط اور معنے یہی ہیں کہ مجدد وہ ہے جو علم اور سنت کی اشاعت اور بدعت کی امانت عمل میں لاوے، اور دین کو مدد پہنچاوے اور جناب ممدوح سے علم وسنت کی اشاعت اور اسلام کی معاونت اور بدعات ومنکرات کی بیخ کنی اس کثرت سے ہوئی ہے کہ پچھلے مجددین میں اس کی نظائر کم پائی جاتی ہیں۔ اور اس کے مقابلہ میں وہ منکرات جن کو ہمارے دوست ان کے ذمہ لگاتے ہیں۔ (اگر ان کو مان بھی لیا جاوے) بفحوائے ارشاد واجب الانقیاد اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ۔ لائق اعتبار د شمار نہیں ہے۔

ہم پہلے اسی شق (دوم) کا ثبوت دیتے ہیں۔ شق اول (ان افعال کے اُن سے سرزد ہونے) کی پیچھے تفصیل کریں گے۔ وباللہ التوفیق۔

ثبوت شق دوم

واضح ہو کہ یہ لفظ مجدد ایک حدیث نبوی کا لفظ ہے جس کو ابو داؤد نے اپنی کتاب سُنن میں روایت کیا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ فِیْمَا اَعْلَمُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰی رَاْسِ کُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَهَا دِیْنَهَا۔ (سُنن ابو داؤد ص ۲۴۳ جلد ۲)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے خدائے تعالیٰ اس امت کے لیے ہر صدی پر ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو ان کے دین

کو نیا کریں گے (یعنی رواج دیں گے اور قائم کریں گے)۔

اس حدیث کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہے گو اس کی تعیینِ مصداق میں ان کا اختلاف ہے۔ کوئی کسی کو اس کا مصداق بناتا ہے۔ کوئی کسی کو اور اس لفظ مجدد کے معنے سبھی یہی بیان کرتے ہیں کہ جو سنّت کو بدعت سے جدا کرے اور علم کو پھیلاوے اور بدعات و منکرات کو ہٹاوے یہ کسی نے نہیں کہا کہ مجدد وہ ہے جو نبیوں کی طرح معصوم ہو، اور کوئی خطا یا گناہ نہ کرے۔

امام جلال الدین سیوطیؒ نے مرقاۃ الصعود شرح سنن ابوداؤد میں کہا ہے

هذا الحديث اتفق الحفاظ على تصحيحه منهم الحاكم في المستدرك والبيهقي في المدخل وممن نص على صحته من المتاخرين الحافظ ابن حجر فاخرج الحاكم في المستدرك من ابن وهب عن يونس عن الزهري قال فلما كان في راس المائة من الله على هذه الامة بعمر بن عبدالعزيز قال الحافظ بن حجر وهذا يشعر بان الحديث كان مشهورا في ذلك العصر ففيه تقوية لسنده مع انه قوى لثقة رجاله انتهى وقال ابوجعفر النحاس في كتاب الناسخ والمنسوخ قال سفيان بن عيينة بلغني انه يخرج من العلماء من يقوى الله به الدين وان يحيي بن آدم عندي منهم وقال ابوبكر البزاز سمعت عبدالملك بن عبدالحميد الميموني يقول كنت عند احمد بن حنبل فجرى ذكر الشافعي فرايت يرفعه وقال يروى عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال يبعث الله لهذه الامة على راس كل مائة سنة من يقرر لها دينها قال فكان عمر بن عبدالعزيز على راس المائة الاولى وارجوان يكون الشافعي على راس المائة الاخرى واخرج البيهقي عن طريق

ابی سعید الفریابی قال قال احمد بن حنبل ان اللہ یقیض من راس کل مایۃ سنۃ من یعلم الناس السنن وینفی عن رسول اللہ الکذب فنظرنا فاذا فی راس المأیۃ عمر بن عبد العزیز وفی راس المائتین الشافعی۔ واخرج ابو اسمعیل الھروی من طریق حمید بن زنجویہ قال سمعت احمد بن حنبل یقول یروی فی الحدیث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یمن علی اھل دینہ فی راس کل مایۃ سنۃ برجل من اھل بیتی لیبین لھم امر دینھم۔

(مرقاۃ الصعود)

حدیث کے حافظ اس حدیث کی صحت پر اتفاق رکھتے ہیں۔ ازاں جملہ حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے مدخل میں اس کی تصحیح کی ہے۔ اور پچھلے اماموں سے حافظ ابنِ حجر نے اس کی صحت بیان کی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ متقدمین نے بھی اس حدیث کے ذکر سے زبان ہلائی ہے۔ حاکم نے مستدرک میں ابن وہب سے اس نے یونس سے اس نے زُہری (تابعی) سے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ پھر کہا (زُہری نے فرمایا ہے کہ جب پہلی صدی کا خاتمہ ہونے لگا تو خدا تعالےٰ نے اس امت پر عمر بن عبد العزیز (خلیفہ) کے وجود سے فضل کیا یعنی پہلی صدی کا مجدّد بنایا)، حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ زُہری کا یہ قول بتا رہا ہے کہ یہ حدیث تابعیوں کے زمانہ میں بھی مشہور تھی۔ اس میں اس کی سند کی تقویت پائی جاتی ہے۔ باوجودیکہ اس کی سند راویوں کی جہت سے بھی قوی ہے۔ ابو جعفر نحاس نے کتاب ناسخ و منسوخ میں کہا ہے کہ سفیان بن عیینہ (تبع تابعین) نے فرمایا ہے مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ خدائے تعالےٰ علماء سے ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا۔ جن سے دین کو قوت دے گا۔ میرے خیال میں یحییٰ بن آدم (محدث) ان میں سے ہے۔ ابو بکر بزار

نے کہا ہے میں نے عبدالملک سے سنا وہ کہتے ہیں میں احمد بن حنبل کے پاس بیٹھا تھا۔ وہاں امام شافعی کا ذکر چل پڑا تو میں نے امام احمد بن حنبل کو دیکھا کہ وہ امام شافعی کو اونچا کر رہے تھے اور کہتے تھے کہ حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ اس امت کے لیے ہر صدی پر ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو دین کو قائم کریں گے۔ سو پہلی صدی پر عمر بن عبدالعزیز ہوئے اور مجھے اُمید ہے کہ دوسری صدی کے مجدد امام شافعی ہوں۔ بیہقی نے دوسری سند سے امام احمد بن حنبل سے نقل کیا ہے کہ خدائے تعالیٰ ہر صدی پر ایسے لوگوں کو مقرر کرتا ہے جو لوگوں کو احکام دین سکھا دیں اور آنحضرت کی حدیث سے لوگوں کا افترا ہٹا دیں۔ ہم نے خیال کیا تو پہلی صدی میں عمر بن عبدالعزیز اور دوسری صدی میں امام شافعی کو پایا۔ ایسا ہی امام احمد بن حنبل سے ہروی نے اور سند سے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ ذکر ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ میرے اہل بیت سے خدا ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا۔ جو ان کو دین کی بات بتا دیں۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے تجدید دین کے یہ معنے ہیں کہ وہ شخص سنت کو بدعت سے ممیز کرے گا۔ اور علم کو پھیلا دے گا۔ اہل علم کی عزت کرے گا اور بدعت کی بیخ کنی کرے گا۔ اور اہل بدعت کی شوکت توڑ دے گا۔

تیسیر شرح جامع صغیر میں ہے:

من یجدد مفعول یبعث لھا ای لھذہ الامۃ دینھا ان یبین السنۃ من البدعۃ ویعز اھلہ ویقمع البدعۃ ویکسر اھلہ -

(مرقاۃ)

اس حدیث میں مجدد سے مراد عام ہے ایک آدمی ہوں یا کئی ہوں۔ وہ ہے جو سنت کی بدعت سے تمیز کرے اور اہل بدعت کو ذلیل۔

ابن کثیر نے کہا ہے کہ:

ان اللہ یبعث لهذہ الامۃ علی راس کل مایۃ سنۃ من رجلا او اکثر یجدد لها دینها ای یبین السنۃ من البدعۃ ویذل اهلها قال ابن کثیر ویدعی کل قوم فی امامهم انہ المراد والظاهر حملہ علی العلماء من کل طائفۃ۔ (تیسیر شرح جامع الصغیر)

ہر ایک گروہ اس امر کا مدعی ہے کہ اس گروہ کا امام اس حدیث میں مراد اور اس کا مصداق ہے۔ اور ظاہر یہ کہ سبھی گروہ کے علماء کو اس میں داخل سمجھا جاوے۔

مجمع البحار میں شرح جامع الاصول سے نقل کیا ہے کہ:

وحدیث یبعث علی راس کل مایۃ سنۃ من یجدد دینها اختلفوا فیہ و کل فرقۃ حملوہ علی امامهم والاولی الحمل علی العموم ولا یختص بالفقهاء فان انتفاعهم باولی الامر والمحدثین والقراء والوعاظ والزهاد ایضا کثیر والمراد من انقضت المایۃ وهو حی عالم مشهور۔

ج والحدیث اشارۃ الی جماعۃ من الاکابر علی راس کل مایۃ ففی راس الاولی عمر بن عبد العزیز من الفقهاء والمحدثین وغیرهم مالا یحصی وفی الثانیۃ المامون والشافعی والحسن بن زیاد واشهب المالکی وعلی بن موسی ویحیی بن معین ومعروف الکرخی وعلی الثالثۃ المقتدر وابو جعفر الطحاوی الحنفی وابو جعفر الامامی وابو الحسن الاشعری والنسائی و علی الرابعۃ القادر باللہ وابو حامد الاسفرائنی وابو محمد الخوارزمی

الحنفی والمرتضی اخو الرضا الامامی وعلے راس الخامس المستظہر باللہ والغزالی والقاضی فخرالدین الحنفی وغیرھم۔ ش۔

(مجمع البحار صفحہ ۱ جلد ۱)

"اس مجدد کی تعیین مصداق میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ ہر ایک فرقہ اس کو اپنے ہی امام پر لگاتا ہے مگر بہتر یہ ہے کہ اس کو عام سمجھا جاوے، اور فقہاء مذاہب سے مخصوص نہ کیا جاوے۔ کیونکہ لوگوں کا دین میں نفع اٹھانا سلاطین اور محدثین اور قاریوں اور واعظوں اور زاہدوں سے بھی بہت ہوا ہے۔ اور اس سے مراد وہ شخص ہے جو صدی گزرنے کے وقت زندہ ہو اور شرح شفاء۔ سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث میں اس جماعت اکابر کی طرف اشارہ ہے جو ہر صدی میں ہوئے۔ سو پہلی صدی میں (خلفاء سے) عمر بن عبدالعزیز تھے، اور فقہاء و محدثین وغیرہ سے بے شمار تھے۔ دوسری صدی میں (خلفاء سے) مامون اور (فقہاء سے) امام شافعی و حسن بن زیاد و اشہب مالکی اور (محدثین میں سے) علی بن موسٰے و یحییٰ بن معین اور (زاہدوں میں سے) معروف کرخی تیسری صدی پر (خلفاء سے) مقتدر باللہ اور (فقہاء سے) ابو جعفر طحاوی اور ابو جعفر امامی اور ابو الحسن الاشعری اور (محدثین میں سے) نسائی چوتھی صدی پر (خلفاء سے) القادر باللہ اور فقہاء سے ابو حامد اسفرائنی اور ابوبکر خوارزمی حنفی اور مرتضٰی امامی رضا کا بھائی پانچویں صدی پر خلفاء سے مستظہر باللہ (اور فقہاء و زاہدوں سے) امام غزالی و قاضی خاں حنفی وغیرہم۔"

اِن عبارات اجلہ علماء (حنفیہ وشافعیہ) میں ہمارے معترضین

ناظرین غور کی نگاہوں سے نظر کریں، اور انصاف سے کہیں کہ مجدد کے کیا معنے ہیں۔ اور جن لوگوں کو پہلے علماء نے مجدد قرار دیا ہے۔ ان میں کیا اوصاف پائے جاتے ہیں؟ جن کے سبب وہ مجدد قرار پائے۔ اور وہ کسی گناہ یا خطا کے محل نہ تھے؟ پھر انصاف سے یہ بھی بتاویں کہ جس شخص (نواب صاحب بھوپال) کا مجدد ہونا ہم نے بعض علماء سے نقل کیا ہے ان میں وہ اوصاف (کل یا جزء) پائے نہیں جاتے؟ اور ان میں پہلے مجددوں کی نسبت زیادہ خطا یا گناہ موجود ہیں؟

جہاں تک وہ فکر کو جولانی دیں گے ان مجددین کے اوصاف وہ اس سے بڑھ کر نہ پاویں گے کہ ازاں جملہ مجددین خلفاء نے عدل و انصاف کیا۔ شعائرِ اسلام کو پھیلایا، ظلم و منکرات کو اٹھایا۔ اور مجددین علماء نے احکام شرعیہ کو کتاب و سنّت سے مستنبط فرمایا اور کتاب و سنّت اور ان دونوں سے مستنبط احکام کو عالم میں بذریعہ تقریر و تحریر (تالیف شائع کیا۔ اور مع ذلک ان اوصاف کے مقابلہ میں وہ ان میں کچھ نقص و خطاء بھی پاویں گے جن سے کوئی بشر بعد انبیاء خالی نہیں ہے۔

یہی حال اس شخص کا ہے جس کا مجدد ہونا ہم نے بعض علماء سے نقل کیا ہے۔ پھر ہم پر کیا اعتراض ہے ہم اس مقام میں بعض سابق مجددین کے حالات بطور تمثیل بیان کرتے ہیں۔ اور ان کے مقابلہ میں اس شخص کے حالات بھی معرض بیان میں لاتے ہیں۔ ناظرین و معترضین ان کے اور ان کے حالات میں مقابلہ و موازنہ کریں۔ پھر انصاف سے کہیں کہ وہ شخص ان حالات کے نظر سے سابق مجددین کی نسبت اس لفظ کے اطلاق کا زیادہ مستحق ہے یا نہیں۔

پس واضح ہو کہ اگرچہ مجددین مذکورین سے بعض اکابر میں بعض ایسے اخص اوصاف پائے جاتے ہیں جو (آج کل کہاں) ایک مدت سے عنقا ہو رہے ہیں (جیسے امام شافعی میں اجتہاد مطلق مستقل۔ اور یحییٰ بن معین ونسائی میں حدیث کی امامت اور عمر بن عبد العزیز میں بکمال عدالت (جس کے سبب بھیڑ یا بکری ایک جنگل میں مل کر چلتے اور چرتے تھے۔ اور معروف کرخی رح میں زہد وریاضت وعلیٰ ہذا القیاس)

مگر اُن ہی لوگوں میں اور بعض اور مجددوں میں وہ اوصاف (جن کی نظر سے وہ مجدد کہلائے) ایسے عام اور وسیع ہیں۔ جو اکثر زمانوں کے بہت سے علماء وارباب شوکت میں بکثرت پائے گئے ہیں۔ جیسے عام عدالت و علم وفقاہت وحدیث کی روایت واشاعت اور کتابوں کی تالیف و تصنیف واتباع سنت کا پھیلانا بدعت ومنکرات کا مٹانا و علیٰ ہذا القیاس۔

خلیفہ قادر باللہ (چوتھی صدی کے مجدد) کے حالات وا علیٰ اوصاف تاریخ الخلفاء وغیرہ میں یہ بیان کئے ہیں کہ:

وكان القادر بالله من الدّيانة والسيادة وادامة التهجّد وكثرة الصّدقات وحسن الطريقة على صفة اشتهرت عنه تفقه على العلامة ابى بشر الهروى الشافعى وقد صنف كتابًا فى الاصول ذكر فيه فضائل الصحابة واكفار المعتزلة والقائلين بخلق القرآن وكان ذلك الكتاب يقرؤ فى كل جمعة فى حلقة اصحاب الحديث بجامع المهدى وبحضرة النّاس ناهيك بانّ الشيخ تقى الدّين بن الصّلاح عدّه من الفقهاء الشّافعية واورده فى طبقاتهم۔ (تاریخ الخلفاء۔ ص۴۳۳ تا ۴۳۴)

وہ ہمیشہ تہجد پڑھتے اور کثرت سے خیرات کرتے تھے۔ انہوں نے

اصول میں ایک کتاب تصنیف کی تھی۔ جس میں صحابہ کے فضائل بیان کئے اور معتزلہ اور قرآن کو مخلوق کہنے والوں کی تکفیر کی وہ کتاب خلیفہ مہدی کی جامع مسجد میں ہر جمعہ اہل حدیث کے حلقہ میں عام لوگوں کے سامنے پڑھی جاتی تھی۔ اُن کی فضیلت کے لیے تجھے یہی کافی ہے کہ شیخ تقی الدین ابن الصلاح نے ان کو فقہاء شافعیہ سے شمار کیا ہے۔ اور ان کے طبقات میں داخل کر لیا۔"

اور خلیفہ مستظہر باللہ (پانچویں صدی کے مجدد) کے اعلیٰ فضائل یہ بیان کئے ہیں کہ:

قال ابن الاثیر کان لین الجانب کریم الاخلاق یسارع فی اعمال البر حسن الخط جید التوقیعات لا یقارنہ فیہا احد یدل علی فضل غزیز وعلم واسع سمحًا جوادًا محبًّا للعلماء والصلحاء وفی سنۃ احدی وخمس مایۃ رفع السلطان الضرایب والمکوس ببغداد وکثر الدعاء لہ وزاد فی العدل وحسن السیرۃ۔ (تاریخ الخلفاء ص۴۳۶، ص۴۳۹)

"وہ متواضع اور خوش اخلاق تھے۔ نیک کاموں میں جلدی کرنے والے خوشخط عمدہ فرمان نویس۔ ان باتوں میں کوئی ان کا قرین نہ تھا۔ صاحب فضل وعلم وسیع وجوان مرد وسخی وعلماء، صلحاء دوست تھے۔ ان کی خلافت میں سلطان نے بغداد والوں سے جزیہ اُٹھا دیا۔ اور عدل وانصاف بہت کیا۔ جس کے سبب ان کے لیے دعا بکثرت ہوئی۔"

اور خلیفہ مقتدر باللہ (تیسری صدی کے مجدد) کی فضیلت بیان کی ہے کہ:

وفی ثلث مایۃ ادخل الحسین الحلاج مشہورًا علی جمل الی بغداد فصلب

حيا ونودی علیہ ھذا احد دعاۃ القرامطۃ فاعرفوہ ثم حبس الی ان قتل فی سنۃ تسع وا شیع علیہ انہ ادعیٰ الالوھیۃ وکان المقتدر جید العقل صحیح الرأی۔

"انہوں نے حلاج (منصور) کی اونٹ پر سوار کرا کر تشہیر کی۔ پھر اس کو سولی پر چڑھایا اور لوگوں میں پکارا گیا کہ فرقہ قرامطہ کا داعی ہے۔ آخر نویں سال وہ مارا گیا۔ اور یہ مشہور کیا گیا کہ یہ الوہیت کا مدعی تھا۔ اور لکھا ہے کہ خلیفہ مقتدر باللہ کی عقل جید تھی اور رائے صحیح۔"

خلیفہ مامون (دوسری صدی کے مجدد) کے اعلیٰ فضائل یہ بیان کئے ہیں کہ:

جمع الفقہاء من الآفاق وبرع فی الفقہ والعربیۃ وایام الناس وکان افضل من رجال بنی العباس حزمًا وعزمًا وعلمًا ورایًا وھیبۃ وشجاعۃ وسوادًا وسماحۃ قال ابو معشر المنجم کان المامون اماما بالعدل نقیہ النفس یعد من کبار العلماء۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۱۱)

" اس نے فقہاء کو جمع کیا اور فقہ وعربیت وتواریخ میں ماہر ہوا، اور وہ عباسیوں سے عزم وعلم وحلم ورائے وہیبت وشجاعت وفراخدلی وغیرہ میں افضل تھا۔"

ابو معشر نے کہا ہے مامون عدل کرنے کا بہت حکم دیتا اور فقیہ النفس تھا۔ بڑے علماء سے شمار کیا جاتا۔

اس قسم کے ان کے اور فضائل بیان کئے جن کا علم وفراست و فہم وکیاست کی طرف رجوع ہوتا ہے۔

یہ تو ان مجددوں کے اوصاف کمال ہیں۔ جن کے سبب وہ مجدد

کہلائے۔

اِن کے مقابلہ میں ان میں ایسے اوصاف نقص بھی پائے جاتے ہیں جن کو خطا ریا گناہ کہا جاسکتا ہے پھر ان اوصاف کی نظر سے ان لوگوں کو مجدد ہونے سے خارج نہیں کیا جاتا۔

اِس قسم کے اوصاف ہم ان سبھی مجدّدوں کے بیان کریں تو یہ امر معیوب سمجھا جاوے گا۔ لہٰذا صرف ایک دو صاحبوں کے اوصاف کو بطور تمثیل بیان کیا جاتا ہے۔

خلیفہ مامون کی نسبت تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ:

ولما کبر عنی بالفلسفۃ وعلوم الاوائل ومھر فیھا فجرہ ذلک الی القول بخلق القرآن وجعل ولی العھد بعدہ علی الرضا بن موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق حملہ علی ذلک افراطہ فی التشیع حتی قیل انہم ان یخلع نفسہ ویفوض الامر الیہ وفی سنۃ ثمان عشرۃ امتحن الناس بالقول بخلق القرآن فکتب الی نائبہ علی بغداد اسحٰق بن ابراھیم فی امتحان العلماء کتابا یقول فیہ الخ۔

(ایضاً ص۳۱۲)

"جب وہ بڑا ہوا تو وہ علم فلسفہ اور حکمائے قدیم کے علوم میں ماہر ہوا۔ اس امر نے اس کو اس بات کی طرف کھینچا کہ وہ قرآن کے مخلوق ہونے کا قائل ہوا۔ اور اس کو تشیع میں افراط تھا۔ یہی امر اس کو امام علی بن موسےٰ کے ولی عہد کرنے پر باعث ہوا تھا۔ بعض کہتے ہیں اس نے یہ بھی ارادہ کر لیا تھا کہ خود خلافت سے دست بردار ہو جائے اور خلافت امام مذکور کے سپرد کر دے۔

اٹھارویں سال اس نے لوگوں کا مسئلہ قرآن کے مخلوق ہونے میں امتحان لینا شروع کیا اپنے نائب اسحٰق بن ابراہیم کی طرف (جو بغداد میں

تھا) خط لکھا جس کا مضمون طولانی ہے۔ اس پر اس نے علماء کو جمع کیا اور جواب لیا۔ علماء سے کسی نے ٹلایا کسی نے صاف جواب دیا۔ یہ حال اس کو پہنچا تو اس نے بعض علماء کی نسبت صاف حکم دیا کہ اُن سے قرآن مخلوق ہونے کا اقرار کرا دیا ان کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دو۔ اس حکم کی تعمیل کا وقت نہ آنے پایا تھا کہ ملک الموت خدائے تعالیٰ کا حکم لے کر آپہنچا۔"

اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

واخرج عن محمد بن العباس کان المامون یحب لعب الشطرنج شدیداً ویقول ھذا یشحذ الذھن۔ واخرج من عدۃ طرق ان المامون کان یشرب النبیذ واخرج عن اسحٰق الموصلی قال المامون الذ الغناء ما طرب له السامع خطأً کان او صواباً۔ (صہ۳۳)

• مامون شطرنج کھیلا کرتا۔ اور اس کھیل کو بہت دوست رکھتا تھا۔ اور کہتا کہ اس سے ذہن تیز ہوتا ہے۔

اور لکھا ہے کہ وہ نبیذ بھی پیا کرتا۔ اور اس کو راگ کا بھی شوق تھا سو وہ کہا کرتا کہ بالذت وہ سرود ہے جس سے سامع کو طرب (خوشی) حاصل ہو پھر خواہ وہ درست ہو خواہ نادرست۔"

اور خلیفہ مقتدر باللہ کے حالات میں اس فقرہ منقولہ سابق کہ:

وکان مقتدر باللہ جید العقل صحیح الرأی لکنہ کان موثراً للشھوات والشراب مبذرا وکان النساء غلبن علیہ فاخرج علیھن جمیع جواھر الخلافۃ ونفائسھا واتلف اموالاً کثیرۃ وکان فی دارہ احد عشر الف غلام خصیان غیر الصقالبۃ والروم والسود (تاریخ الخلفاء، صہ۲۹۱) (فی صفحہ ۲۹۰ منہ)۔ وفی سنۃ ثنتین ختن المقتدر خمسۃ من اولادہ فغرم علی ختانھم ستمائۃ الف دینار وختن معھم طائفۃ من الایتام واحسن الیھم وفیھا صلی العید فی جامع مصر ولم یکن یصلی فیہ قبل ذلک۔ (تاریخ الخلفاء، صہ۲۹۴)

وہ "جید القول تھا" کے ساتھ ہی فرمایا ہے کہ وہ نفسانی شہوتوں کو مقدم کرنے والا تھا۔ اور فضول خرچ۔ اس کی عورتوں نے اس پر غلبہ کیا تو اس نے خلافت کے جواہرات اور نفیس مال ان کو نکال کر دے دیئے، اور بہت سا مال تلف کر دیا۔ اس کے گھر میں قوم صقالبہ اور رومیوں اور حبشیوں کے سوا گیارہ ہزار خصی غلام تھے۔ یہ صفحہ ۳۹۴ میں بیان کیا ہے۔ اور صفحہ ۳۹۰ میں کہا ہے کہ اس نے اپنے لڑکوں کے ختنے کرائے تو ان پر پانچ لاکھ دینار خرچ کر دیئے۔ اور عید کی نماز شہر کی جامع مسجد میں پڑھائی۔ اس سے پہلے عید کی نماز جامع مسجد میں کبھی نہ پڑھائی جاتی تھی۔

اسی قسم کی باتیں بعضے اور مجددوں میں پائی جاتی ہیں۔ ولیکن ان سب کی تفصیل کی بالفعل مصلحت اجازت نہیں دیتی۔ سر دست ہم ان ہی چند تمثیلات پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور اگر ہمارے معترضین کسی مجدد کے بے گناہ و معصوم ہونے کا صریح دعویٰ کریں گے تو ہم بھی اس شخص میں اس قسم کی باتیں نکال کر گن سنائیں گے۔

اب ہم شمۂ از اوصاف کمال نواب صاحب بھوپال قلم میں لاتے ہیں اور ناظرین و معترضین سے ان اوصاف اور مجددین سابق الوصف کے اوصاف میں با انصاف مقابلہ و موازنہ کرنے کے خواستگار ہیں۔

واضح ہو کہ جس قدر اوصاف کمال علمی و عملی ہم نے مجددین سابقین کے نقل کئے ہیں۔ اور وہ ان میں فرادیٰ فرادیٰ پائے جاتے ہیں۔ وہ سبھی آپ کی ذات بابرکات میں مجتمعۃً موجود ہیں۔ لہٰذا ہم آپ کی نسبت بمقابلہ مجددین سابق الوصف بے شائبہ تکلف (شاعرانہ) یہ کہہ سکتے ہیں ع

آنچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری

اس کا سرّ اور وجہ یہ ہے کہ خدا تعالے نے آپ کو علم و شوکت (نیابت سلطنت) دونوں منصب مرحمت فرمائے ہیں۔ (جو اکثر مجدّدین سابق میں جمع نہیں ہوئے) اس لیے آپ ان سب مجدّدوں کے صفات کمال کے جامع ہوئے بلکہ اکثر مجدّدوں پر سبقت لے گئے۔

جس قدر تالیف و تصنیف کتب مختلف علوم کی اور ان کی اشاعت (جو منصب اوّل کے نتائج سے ہے) آپ سے ہوئی ہے۔ اس قدر مجدّدین سابق الوصف سے نہیں ہوئی یا کم ہوئی۔

آپ نے مختلف علوم (کتاب و سنّت و فقہ و اصول وغیرہ) میں مختلف زبانوں (عربی، فارسی، ہندی) میں نہ صرف کتابیں تصنیف کر کے صندوقوں یا کتب خانوں میں رکھوا دی ہیں۔ بلکہ بصرف ہزار ہا روپیہ جیب خاص سے چھپوا کر اکثر بلاد (ہندوستان و پنجاب و عرب و مصر و یمن و دمشق و بلغار و بیروت وغیرہ) میں گھر گھر پہنچا دی ہیں۔ اور سارت بھا الرکبان ودارت فی البوادی والعمران کا مصداق بنا دیں۔

ان بلاد میں ایسا کوئی شہر نہ ہوگا جہاں کوئی اہل علم ہو اور آپ کی تصنیف نہ ہو اور ان علوم اور ان کے خوادم علوم میں ایسا کوئی علم نہ ہوگا یا کم ہوگا جس میں آپ نے کوئی تالیف نہ کی ہو۔

جن ادق مسائل اصول و فروع کو خواص فضلاء کم جانتے تھے، ان کو آپ کی تصانیف کے ذریعہ سے ادنیٰ طلباء، بلکہ بعض عوام جاننے لگے ہیں۔ اور جن کتابوں حدیث و اصول کو اکابر علماء خواب میں دیکھنے کو بھی ترس رہے تھے۔ آپ کی توجہ سے اب وہ اصاغر طلباء کے مطالعہ

ہیں ہیں۔

علم ناسخ ومنسوخ کتاب اللہ وسنت کو (جو اکابر محدثین ومجتہدین کے خصائص سے تھا) آپ نے ایک مختصر رسالہ میں بیان کر کے ایسا عام فہم کر دیا ہے کہ کس وناکس (جو فارسی عبارت پڑھنے پر دسترس رکھتا ہے) اس کو ضبط کر سکتا ہے۔

علم اصول فقہ کو (جو اخص شرائط اجتہاد سے ہے) آپ نے ایک مختصر کتاب میں اس آسانی سے واضح کر دیا ہے کہ تھوڑی سی استعداد والا طالب العلم بھی اس علم پر احاطہ کر سکتا ہے۔

متون کتب حدیث (صحاح ستہ وغیرہ) کو آپ نے عام لوگوں کے لیے دستور العمل بنا دیا ہے۔ کئی کتابوں کا (جیسے موطا امام مالک، جامع ترمذی، وسنن ابو داؤد) آپ نے ہندی زبان میں ترجمہ کرا کے چھپوا دیا ہے۔ اور کئی کتابوں (صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہ) آپ کی توجہ سے مترجم ہو رہی ہیں۔

اور شروح کتب حدیث کی تصنیف وطبع واشاعت سے آپ نے خواص علماء کو عمل بالحدیث واجتہاد کا راستہ نکال دیا ہے۔ بعض کتب حدیث (جیسے مختصر صحیح بخاری وبلوغ المرام وغیرہ) کی شروح تو آپ نے خود تالیف کر کے چھپوا دی ہیں۔ اور بعض شروح متقدمین کی تالیف بصرف زر کثیر طبع کرا دی ہیں۔

کتاب مستطاب

نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار (جو عمل بالحدیث واجتہاد کے لیے کافی ذریعہ ہے) آپ ہی کی توجہ سے آٹھ جلدوں میں مصر میں چھپی ہے۔ اور اب تھوڑی قیمت پر مل سکتی ہے۔ اور فتح الباری شرح صحیح بخاری تالیف شیخ الاسلام حافظ ابن حجر (جس کی نظیر کتب اسلام میں اس کے بعد نہیں پائی گئی) جناب کی عالی ہمتی سے مصر میں طبع ہو رہی ہے۔ تھوڑے عرصہ میں انشاء اللہ تعالےٰ وہ بدست عشاق اتباع ہو گی۔ اسی قسم کی تالیف واشاعت آپ سے بقیہ علوم کے متعلق ہوئی ہے۔ جس کی تفصیل و توصیف میں جولانی کرنے سے ہمارا اشہب قلم لنگ ہے اور عرصہ قرطاس تنگ۔

شائقین تفصیل آپ کی کتب مؤلفہ کا حال آپ کی فہرست مولفات (ملحقہ کتاب منہج الوصول اور آپ کے تراجم (جو اکثر تصانیف جناب کے ساتھ بطور تقریظ شامل کی گئی ہیں) سے ملاحظہ فرما دیں وہ میسّر نہ ہوں، تو ہمارے پرچہ سابق (نمبر ۴ جلد ۶) کو جس میں کسی قدر ان کی تفصیل ہے مطالعہ میں لا دیں اور ان کی اشاعت کا مشاہدہ و تجربہ جس ملک اور شہر سے چاہیں کر لیں۔

آپ کی تالیف با برکت میں ایک خصوصیت جس کو آپ کی کرامت کہیں تو بے جا نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا (جن کی سنّت کے آپ خادم ہیں) معجزہ خیال کریں تو ناروا نہیں ایسی پائی جاتی ہے جو ایک عرصہ سے کتب مؤلفہ اہل اسلام سے مفقود ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی تالیفات آپ

کی حیات میں اور آپ کے ہم عصروں میں مقبول و معمول بہا ہو گئی ہیں ۔ اور اکثر علماء ہندوستان، پنجاب، عرب، مصر، دمشق، بیروت، بلغار، یمن وغیرہ نے سر آنکھوں پر رکھ لی ہیں۔ تلقتها الافاضل الفحول و هبت علیها قبول القبول اور یہ بات اور لوگوں کی تالیفات میں ایک مدت سے پائی نہیں گئی ۔ ان کی تالیفات ان کے مرنے کے بعد اُن لوگوں میں جو ان کے بعد پیدا ہوئے مقبول ہوئی ہیں ۔ ان کے معاصرین نے قبول نہیں کیں ۔ اسی وجہ سے اور ان ہی لوگوں کی نسبت یہ مثل : المعاصرة اصل المنافرة ۔

"یعنی ہم عصری منافرت کی جڑ ہے" مشہور ہو رہی ہے ۔

اور جس قدر آپ سے احیاء سنّت واقامت خیرات و حسنات اور ازالہ بدعات و اخمال منکرات (جو لوازم و نتائج منصب دوم جناب سے ہے) وقوع میں آئی ہے ۔ وہ بھی اکثر مجددین سابق سے بڑھ کر ہے ۔ ہماری قلم میں کہاں طاقت ہے اور ہمارے پرچہ میں کب وسعت ہے کہ ہم اس کی تفصیل کر سکیں ۔ ولیکن بحکم ما لا یدرك كله لا يترك كله مشتے نمونہ از خروارے و اندکے از بسیار بطور تمثیل ایک فہرست کے ضمن میں ناظرین کے آگے پیش کرتے ہیں ۔

فہرست رسوم حسنہ جن کو جناب نے قائم کیا، و رسوم سیئہ جن کا آپ نے ازالہ کیا یا ازالہ کے درپے ہیں ۔

(فہرست اگلے صفحہ پر دیکھیں)

۱۔ علماء و فضلاء بہ نسبت سابق زیادہ ملازم و دخیل ریاست ہوئے۔

۲۔ طالب علموں کے وظیفے بہ نسبت سابق بڑھا دیئے گئے۔

۳۔ یتیموں کی تعلیم کے لیے وقفی مدرسہ قائم ہوا۔

۴۔ قرآن پڑھنے والی لڑکیوں کے وظائف مقرر ہوئے۔

۵۔ سرکاری محل میں تلاوت قرآن بکثرت جاری ہوئی۔

۶۔ مساجد کے مصارف بہ نسبت سابق بڑھائے گئے۔

۷۔ اندھے، اپاہج وغیرہ معذوروں کے وظیفے مقرر ہوئے۔

۸۔ رفاہ عام کے لیے شفا خانے بڑھائے گئے۔ اور اطباء زیادہ رکھے گئے۔

۹۔ تالاب و کنوئیں (جن کی بھوپال میں بہت حاجت ہے) کثرت سے کھدوائے گئے۔

۱۰۔ سڑکوں وغیرہ مواقع ضرورت عام پر درخت لگوائے گئے۔

۱۱۔ روشنی و صفائی شہر کا خرچ ریاست کے ذمہ کیا گیا۔ رعایا سے اٹھایا گیا۔

رسوم بد جن کا ازالہ ہو چکا

۱۲۔ زنا کاری عام شہر کسبیوں کے شہر سے اخراج سے روکی گئی۔

۱۳۔ گانے بجانے کی تعلیم۔ تعلیم دینے والوں کے اخراج سے روکی گئی۔
۱۴۔ ہیجڑوں کا پیشہ سکھانا شہر سے روکا گیا۔ اور اکثر ہیجڑوں کا شہر سے اخراج ہوا۔
۱۵۔ مسلمانوں کو شراب خواری سے عام ممانعت ہوئی۔
۱۶۔ مسجدوں کے قریب باجا بجانا (جو بیاہوں، شادیوں میں لوگ بجاتے ہیں) موقوف ہوا۔
۱۷۔ رئیسہ کے دربار سے سرود موقوف ہوا۔
۱۸۔ تعزیہ داری کی اکثر بدعات مہندی وغیرہ سے ممانعت ہوئی۔
۱۹۔ شادی و ختنہ کی رسوم خلاف شریعت کے بذریعہ اشتہارات عام ممانعت ہوئی۔

رسوم بد جن کا ازالہ پیش نظر جناب ہے اور تدریجاً وقوع میں آنا چاہتا ہے

۲۰۔ ہیجڑوں کا بازاروں میں گاتے، بجاتے پھرنا۔
۲۱۔ بعض اقوام اہل اسلام کی مستورات کا شادیوں میں رات کے وقت زیب و زینت کے ساتھ سڑکوں پر پھرنا۔
۲۲۔ آمدنی سایرات۔
۲۳۔ تعزیہ سازی اور اس کے متعلق رسوم۔
۲۴۔ حقوق چوہدرایت وزقوم سوداہل اسلام۔

۲۵۔ شہر کے باہر کسبیوں کا آباد رہنا۔

۲۶۔ آمدنی آبکاری وغیرہ مسکرات۔

اسی پر صدہا اور نظائر کو ناظرین قیاس کریں۔ جن کی تفصیل و بیان سے ہم قاصر ہیں۔

نوٹ:۔ یہ رسوم بد جن سے نواب صاحب بھوپال نے اہل اسلام بھوپال کو ممانعت کی ہے۔ ان رسوم کی مانند ہیں۔ جن سے گورنمنٹ انگلشیہ بھی اپنی رعایا کو مانع ہے (جیسے قمار بازی، ننگے پھرنا، مردوں کو ہیجڑا بنانا وغیرہ وغیرہ)

نواب بھوپال کی ان رسوم میں مداخلت و ممانعت کسی کے مذہب اور واجبی آزادی میں بے جا مزاحمت و ناجائز دست اندازی (جو اصول سلطنت برٹش گورنمنٹ کے خلاف ہے) نہیں ہے بلکہ اس میں ان لوگوں کے مذہب کی (جن کو ان رسوم سے روکا گیا ہے) عین تائید و پیروی پائی جاتی ہے۔

نواب صاحب نے ان رسوم بد سے صرف مسلمان رعایا کو روکا ہے سو ان کے مذہب میں ان رسوم کا نام و نشان نہیں پایا جاتا بلکہ صاف ممانعت آچکی ہے۔ زنا، شراب خوری، ناچنا، گانا بجانا، ہیجڑوں کا پیشہ کرنا خود ان لوگوں کے (جو یہ کام کرتے ہیں) خیال میں بھی مذہبی رسوم نہیں ہیں۔ ایسا ہی عوام سنیوں کا تعزیہ بنانا یا مہندی نکالنا (گو ان کے خیال میں مذہبی رسم ہو مگر ان کے علماء بلکہ محقق علماء شیعہ کے خیال میں) بھی مذہبی رسم نہیں ہے اور اصل مذہب اسلام میں اس کی کہیں ہدایت نہیں۔ پھر نواب صاحب کا ان باتوں سے سنی مسلمان کو روکنا مذہبی دست اندازی کیونکر ہو سکتی ہے؟

مذہبی دست اندازی تب ہوتی جب ہندو یا عیسائی رعایا کو وہ ان کی مذہبی رسوم سے روکتے یا ان سے رسوم اسلام کا جبراً اتباع کرواتے

بلکہ غور سے دیکھا جاوے تو ایسی رسوم بد (مبدء شر و فساد) میں دست اندازی (ان کا مذہبی رسوم ہونا مانا بھی جاوے تو) بے جا مزاحمت و واجبی آزادی میں دست اندازی و اصول سلطنت برٹش گورنمنٹ کے مخالف نہیں ہے برٹش گورنمنٹ نے خود بعض ایسی رسوم میں (جن کو اپنے خیال میں بد اور مبدء شر سمجھا ہے (گو کسی قوم کی مذہبی رسم ہی کیوں نہ کہلاتی ہوں) دست اندازی کی ہے۔ اور یہ بات خلاف اصول سلطنت نہیں سمجھی گئی۔ دیکھو ستی ہونا ہندوؤں میں ایک قدیم مذہبی رسم تھی (گو حقیقت میں یہ رسم مذہبی نہ ہو اور ان کی کتاب میں اس کی ہدایت نہ ہو) جاتی ہے اور تپسیا کر کے دھوکے رہ کر یا آگ کی تپش میں جل کر) خودکشی کرنا بعض ہندوؤں میں مکتی (نجات) کا سبب سمجھا جاتا ہے۔ اور بردہ فروشی عموماً مسلمانوں میں ایک مذہبی رسم ہے۔ اور چور کا ہاتھ کاٹ دینا۔ اور زانی کو قتل کی سزا دینا ذی اختیار مسلمانوں کا اعلیٰ مذہبی فرض خیال کیا جاتا ہے۔ مگر انگریزی سلطنت میں اور جہاں تک اس کا اختیار و تعلق ہے۔ ان رسوم پر کوئی ہرگز عمل کرنے نہیں پاتا۔ ان رسوم میں گورنمنٹ کی مداخلت و مزاحمت کا یہی سبب ہے کہ گورنمنٹ ان رسوم میں اپنے خیال میں شر و فساد دیکھتی ہے۔ اور ان لوگوں کا ان رسوم کے ادا کرنے کا حق واجبی نہیں سمجھتے۔ پس اگر کسی مسلمان ذی اختیار نے کسی رسوم بد معمولہ اہل اسلام (جیسے زنا کاری و شراب خوری) کو بد و مبدء شر و فساد سمجھا اور بنظر مصلحت عام و اصلاح انتظام اس سے اپنے ماتحت مسلمانوں کو روک دیا (گو اپنے خیال میں کوئی ان بانوں کو مذہبی رسم سمجھ لے) تو اس میں بے جا مزاحمت و ناواجبی مذہبی دست اندازی کہاں پائی گئی چہ جائیکہ وہ رسوم درحقیقت مذہبی رسوم نہ ہوں

مذہب ان رسوم سے خود مانع ہو۔

بعض متعصب یا پالیسی گورنمنٹ سے ناواقف انگریز ایسے مسلمانوں کو (جو اپنے حدود اختیار میں اپنے ہم مذہب اقوام میں مذہبی رسوم کو جن سے گورنمنٹ مانع نہیں جاری کرنا۔ اور ان رسوم کے مخالف رسوم سے روکنا چاہتے ہیں) حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور متعصّب خیال کرتے ہیں۔ مگر جو خود تعصب سے خالی ہیں اور پالیسی گورنمنٹ سے خوب واقف ہیں۔ (جیسے ہمارے ہر دلعزیز فیاض وائسرائے گورنر جنرل لارڈ رین بالقابہ ہیں۔ (خدا ان کو اپنی مرضیات کی توفیق بخشے) وہ ایسے مسلمانوں کو پکا دیا نتدار اور گورنمنٹ و رعایا کا پورا وفادار خیال کرتے ہیں۔ اور وہ خوب جانتے ہیں کہ جس کو خدا کا مذہب کا پاس نہیں اس کو دنیا کے حکام کا رعایا کا کیا پاس ہوگا۔ اور جو خدا کا مذہب کا پکا مطیع ہوگا۔ وہ دنیا کا حکام کا رعایا کا بھی سچا وفادار رہے گا وحق شناس ہوگا۔

ان اوصاف کمال نواب صاحب (احیاء سنّت ومراسم حسنات و اشاعت علم ازالہ منکرات) کا اوصاف مجدّدین سابق الوصف سے اور ان کے عیوب وخطاؤں (بقول معترضان تصویر پر انعام دینے یا اسی قسم کی اور باتوں) کا عیوب وخطاؤں مجدّدین سابق سے مقابلہ وموازنہ کریں پھر انصاف سے داد دے کر فرمادیں کہ نواب صاحب ممدوح بہ نظر اوصاف کمال مجدّدین سابق الوصف کی نسبت مجدّد کہلانے کے زیادہ مستحق نہیں ہیں؟۔

اور ان کے عیوب وخطاء عیوب مجدّدین سابق سے بڑھ کر ہیں کہ وہ ان عیوب کے سبب اس رتبہ سے باوجود استحقاق ومقتضی

کے محروم رہیں۔

اور یہ بھی فرما دیں کہ ہم نے اور ہمارے ہم عصر علماء نے جو نواب صاحب کو (ان کے اوصاف کمال کی نظر سے) مجدد کہا ہے اور ان کے عیوب وخطاؤں کا (ناحق ان کے ذمہ لگائے جاتے ہوں، خواہ واقعی ان میں موجود ہوں) اس خیال سے کہ مجدد ہونے کے لیے معصوم ہونا کسی کے نزدیک (بجز اہل تشیع) شرط نہیں اور اس قسم کے عیوب مجددین سابق میں بھی پائے گئے ہیں۔ لحاظ واعتبار نہ کیا تو اس میں ہم نے کون سی آیۃ یا حدیث یا اجماع امت یا تعامل سلف کا خلاف کیا۔ اور کیا گناہ ہم سے ہوا؟۔

شاید ہمارے معترض ہم سے اس بات پر آشفتہ خاطر ہوں کہ ہم نے صرف نواب صاحب ہی کو مجدد کہا ہے اور علماء وقت خصوصًا معترض کے ہم وطنوں (لکھنؤ والوں) کو مجدد نہیں کہا۔

اس میں ہمارا عذر وجواب یہ ہے کہ ہم نے وہ مضمون (جس میں نواب صاحب کو مجدد لکھا ہے) بالاستقلال مجددوں کے بیان میں نہیں لکھا کہ اس میں مجددین لکھنؤ وغیرہ کا بھی ذکر آجاتا۔ اور تو کسی کا ذکر کیا ہوتا ہم نے اپنے شیخ حجۃ الخلف بقیۃ السلف مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی کا ذکر بھی نہیں کیا۔ اور اگر وہ مضمون مجددوں کے بیان میں ہوتا تو ہم سے اپنے شیخ کا جن کو ہم اس وقت اوّل درجہ کا مجدد جانتے ہیں کا ذکر کیوں چھوٹتا۔ آئندہ ہم اگر مجددوں کے بیان وتعداد میں کوئی مضمون لکھیں گے تو اس میں ہم مجددین لکھنؤ وغیرہ کا نام بھی ضرور درج کریں گے۔ بشرطیکہ ہمارے معترض ہم کو ان کے ایسے اوصاف

کمال بتا دیں۔ جیسے ہم نے نواب صاحب کے اوصاف نقل کئے ہیں۔

تفصیل شق اوّل

یعنی نواب صاحب کا انعام نہ دینا

ہم نے جس روزوہ اخبار (جس میں نواب صاحب پر یہ نکتہ چینی (کہ اُنہوں نے تصویر پر انعام دیا یا دلوایا ہے،) کی گئی اور ہم پر یہ چٹکی (کہ ہم نے ان کو ایسی حالت کے ساتھ مجدد کہا ہے) لی گئی ہے پڑھا تو اسی دن فوراً خط متضمن دریافت اصل حال روانہ بھوپال کیا۔ وہاں سے یہ جواب آیا کہ یہ خبر بالکل بے اصل و لغو پوچ ہے۔ نواب صاحب نے کسی مصوّر کو انعام نہ جیب خاص سے دیا ہے نہ سرکار سے دلوایا ہے، ایک لکھنؤ کے مصوّر نے ایک اہلکار ریاست (نائب مدار المہام) کے ذریعہ سے سرکار سے انعام پایا ہے۔ نواب صاحب کو اس کارروائی کا علم بھی نہیں ہوا چہ جائیکہ اُن کی رضا یا سعی پائی گئی ہو۔ اب ہمارے دوست معترض موت کو، قیامت کو، قریب سمجھ کر اور یہ آیۃ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔولًا[1] (بنی اسرائیل۔ ۳۶)

---

[1] جس کا تجھے علم نہ ہو اس کے پیچھے مت لگ، کان، آنکھ اور دل سب سے سوال ہوگا۔

اور حدیث کفی بالمرء کذباً ان یحدث بکل ما سمع[1] - پیش چشم رکھ کر انصاف سے فرماویں کہ اس کارروائی (انعام مصوّریں) نواب صاحب کا کیا دخل ہے اور اس میں ان پر یا ہم پر کیا الزام -

آپ کی تصویر قد آدم کا کھینچا جانا اور تاج المحل بھوپال میں رکھا جانا بھی آپ کی رضا و اختیار سے نہیں ہوا - تصویر کشی تو دربار قیصری میں ہوئی تھی، جہاں اور نوابوں اور راجگان وغیرہ کی بھی فوٹو گراف میں تصویریں اتاری گئی تھیں - اس میں نواب صاحب کی بے اختیاری مخفی نہیں ہے - ناظرین و معترضین خود خیال کر سکتے ہیں کہ نواب صاحب اس مجلس سے اٹھ سکتے تھے یا تصویر اتارنے سے منع کر سکتے تھے -

اور تاج محل میں اس تصویر کا رکھا جانا بیگم صاحبہ رئیسہ کے حکم سے ہوا ہے - نواب صاحب اس میں بھی ہرگز ہرگز راضی نہیں ہیں - وہ تصویر کھینچنی یا کھنچوانی یا اختیاراً[2] گھر میں رکھنے کو بہت برا جانتے ہیں یہ بات ہم کو ایک

---

[1] آدمی کو جھوٹا ہونے یا جھوٹ بولنے کے لیے یہی کافی ہے کہ ہر سنی بات (بلا تحقیق) کہہ دے -

[2] اختیاراً کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ بلا اختیار تو اس وقت تمام ہندوستان بلکہ عربستان وغیرہ اسلامی بلاد میں کوئی گھر کسی متقدس سے مقدس (مولوی صوفی ولی متقی) کا بھی ایسا نہ ہوگا - جس میں بے اختیار تصویر موجود نہ ہو، آج کل اکثر اشیاء ساخت یورپ ولیور وپین اشخاص (روپیہ پیسہ بیگ، لمپ، چھری، کپڑا وغیرہ وغیرہ) تصویر سے خالی نہیں - کسی مقدس و متقی کے گھر میں اور کچھ نہ ہوگا - تو دیا سلائی کا بکس بھی نہ ہوگا - وہ بھی تو تصویر سے خالی نہیں

خاص مراسلہ سے معلوم ہوئی ہے۔ اس پر اگر کوئی سوال کرے کہ نواب صاحب کو (بیگم صاحبہ) رئیسہ سے ایسا تعلق ہے کہ اس کے ذریعہ سے وہ جو چاہیں ریاست میں کر ڈالیں۔ پھر وہ رئیسہ کو ایسے امور سے کیوں مانع نہیں ہوتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ باوجود اس تعلق کے آخر محکوم ریاست ہیں۔ با اختیار حاکم نہیں ہیں کہ جو چاہیں فوراً کرا دیں۔ ہاں حسب موقعہ و مقتضائے مصلحت نیک صلاح دینے کا حق و منصب رکھتے ہیں۔ سو انہوں نے بہت موقعہ پورا کیا۔ بیسیوں منکرات کو ریاست سے ہٹلیا جس کا نمونہ فہرست میں بتایا گیا ہے۔ اور ہنوز کئی منکرات باقی ہیں (جن میں یہ امر جس سے بحث ہے بھی داخل ہے)، ان کے ازالہ کے وہ فکر میں ہیں۔ خدا نے چاہا اور توفیق کو بڑھایا تو رفتہ رفتہ ان سبھی منکرات کا اندفاع ہوگا، اور بھوپال بلدۃ طیبۃ و رب غفور کا مصداق ہو جائے گا۔ اس وقت تک جس قدر ریاست بھوپال سے منکرات کا ازالہ ہوا ہے۔ یہ بھی جناب کی کرامت و برکت سے ہے۔ اس قسم کا تعلق ان کے مدعیان ہمسری کو

ہمارے معترض (مولوی صاحب) کے کارخانہ اخبار میں علاوہ تصویر دار اخباروں اور کتابوں کے کاغذ کے رم بہت ایسے نکلیں گے، جن پر کتوں و بلیوں کی تصویروں کے ٹکٹ لگے ہوں گے۔ اس سے ضرور ماننا پڑے گا کہ اضطراراً بلا اختیار تصویر گھر میں رکھنے سے کوئی شخص بچ نہیں سکتا۔ یہاں یہ بحث کہ کون سی تصویر گھر میں رکھنی ناجائز اور کون سی جائز ہے۔ بالفعل اجنبی معلوم ہوتی ہے جب کوئی یہ بحث پیش کرے گا کہ جو تصویریں ہمارے گھر میں ہیں وہ جائز ہیں اور جو بھوپال میں ہیں وہ ناجائز ہیں تو اس وقت ہم اس امر میں بحث کریں گے۔

کسی ریاست سے حاصل ہو تو ہم کو اُمید نہیں کہ ان سے اس کا عشر عشیر بھی ہو سکے، بلکہ یہ خوف ہے کہ ان کو ایسے منکرات میں رئیسوں کے تابع اور شامل حال ہونا پڑتے۔ یہ آپ ہی کا کام تھا جو تھوڑے عرصہ میں کر دکھایا۔

هذا ما اعتقد فيه والله حسيبه وهو بكل شيء حسيب۔

یہ مضمون گویا "مضمون نواب صاحب بھوپال اور ان کی با برکت تالیف۔۔" کا بقیہ ہے۔ اس وجہ سے اس مضمون کا ما بقی مستقل طور پہ لکھا نہیں گیا۔

(منقول از "اشاعۃ السنۃ" جلد ۶۔ شمارہ ۴/۲ جون ۱۸۸۳ء و شمارہ نمبر ۶)